یکے از مطبوعات مجلسِ ترقی ادب لاہور

حیاتِ مجددؒ

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی

ابو البرکات بدر الدین شیخ احمد نقشبندی سرہندیؒ

کے

سوانحِ حیات و تصانیف پر بصیرت افروز تبصرہ

از

پروفیسر محمد فرمان، ایم۔اے

مجلسِ ترقی ادب
نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

یکے از مطبوعات مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور

حیاتِ مجددؒ

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی

ابوالبرکات بدرالدین شیخ احمد نقشبندی سرہندیؒ

کے

سوانحِ حیات و تصانیف پر بصیرت افروز تبصرہ

از

پروفیسر محمد فرمان، ایم۔ اے

مجلسِ ترقیٔ ادب نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

ناشر
کریم احمد خاں معتمد مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع
ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، ۴- اردو بازار ، لاہور

زیر اہتمام
نذر محمد آپل

قیمت : پانچ روپے

۱۹۵۸ء

"عمرها در کعبه و بت خانه سے نالد حیات
تا ز بزم شوق یک دانائے راز آید برون"

سر آغاز

یہ سچ ہے کہ تصوف سے مجھے فطری مناسبت اور تعلق ہے اور جناب مجدد الف ثانیؒ سے مجھے گہری محبت اور عقیدت ہے ۔ اس وجہ کی مجھے معلوم نہیں اور نہ میں نے اس کے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے ۔ جوں جوں حضرت مجددؒ کی تعلیمات سے شناسائی میں اضافہ ہوتا رہا ہے ، میری محبت ان کے لئے زیادہ گہری اور مستحکم سے مستحکم تر ہوتی گئی ہے ۔

گذشتہ اکتوبر کی ایک رات کو میں نے عالم رویا میں سرہند سے ایک نور کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا ۔ اس نور کے ساتھ ساتھ ایک بزرگ کی آواز بھی سنائی دینے لگی کہ مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی روشنی میں جناب مجددؒ کی سوانح عمری مرتب کیجئے ۔ اس بزرگ نے اپنا نام احمد رمزی بتایا اور اسی ایک ملاقات میں مجھے مکتوبات کے تینوں دفتر شروع سے لے کر آخر تک دکھائے گئے اور ان کے بیشتر حصوں کا مفہوم بھی واضح کیا گیا ۔ بیدار ہونے پر میں نے اپنے اندر ایک عجیب ولولہ محسوس کیا جو اس سے پہلے کسی کام کے لئے اتنی شدت سے محسوس نہیں ہوا تھا ۔ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ یہ ایک خیال ہی ہوسکتا ہے اور جناب مجددؒ سے جو محبت اس نیاز مند کو حاصل ہے ، شاید اسی نے یہ صورت اختیار کرلی ہو ۔ لیکن جب اس حقیقت کو دیکھتا ہوں تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ صحیح صورت حال کیا ہے ۔ وہ

یہ کہ اس کام کو ختم کرنے تک میرا تمام بدن شدت کے ساتھ حرارت آشنا رہا ہے اور مکتوبات کے جس صفحے پر نظر ڈالی ہے، ایسا معلوم ہوتا رہا ہے جیسے اس سے پہلے اس کی ایک ایک سطر میں نے پڑھ رکھی ہے اور وہ مقامات جو کئی دفعہ کے مطالعے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتے بادی النظر میں اس نیاز مند کو بڑے واضح اور صاف معلوم ہوتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس عقیدت اور نسبت کے باوجود میں نے ان اوراق میں اس اندھا دھند عقیدت سے کام نہیں لیا جو اپنے محبوب ہیرو کے محاسن کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے ظاہر کی جاتی ہے اور اس کی شخصیت کی ان حیثیتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو مصنف کے نزدیک کئی خامی کی حامل ہوتی ہیں۔ میں نے جناب مجددؒ کی ان باتوں کو بیان کرنے سے احتراز نہیں کیا جو مرور زمانہ کے ساتھ اب قرین صواب نہیں رہی ہیں اور باب ششم میں تشابہ کے زیر عنوان اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جناب مجددؒ کی مذہبی خدمات کو حتی الامکان صحیح رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور کسی ایسے جدید تنقیدی نقطۂ نظر کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا جس کی رو سے وہ اس احترام یا عظمت کے حق دار نہ ہوتے ہوں جو انہیں ان کے عہد میں یا موجودہ بدلے ہوئے حالات سے قبل حاصل تھی۔ یعنی سوانح کی ترتیب و تدوین

اور مسائل کی تنقید و توضیح کے وقت جناب مجددؒ کی رائے کو دوسری آراء پر فوقیت دی گئی ہے اور انہیں ہر لحاظ سے قابل احترام شخصیت سمجھا گیا ہے اور کسی مدعی کے خوف سے تصوف کی عظمت کو تسلیم کرتے وقت کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی گئی ہے -

آپ نے رد بدعت ، ترویج شریعت اور اصلاح تصوف کے لئے کیا کیا کوششیں کیں اور ان میں آپ کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ، نیز کیا آپ واقعی الف ثانی کے مجدد ہیں ؟ ان سوالوں کا تسلی بخش جواب اگر قارئین کرام کو اس مجموعے میں دستیاب ہو سکے تو راقم الحروف اسے اپنی کوشش کی کامیابی قرار دیگا اور یہی اس تصنیف سے مطلوب ہے -

میں شیخ کرم الٰہی صاحب بزاز ، بازار صرافاں ، گجرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس بات کے اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں ان کے مشوروں سے محروم رہتا تو اس کتاب میں کئی شدید فرو گذاشتیں ہو جاتیں - میں ان کے لئے شیخ مکرم جناب مولوی حبیب اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ العالی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تصنیف کے دوران میں راقم الحروف کی بڑی اعانت فرمائی ہے - سید مظفر حسین شاہ ایم اے کا شکریہ ادا نہ کرنا میرے خیال میں صریح نا انصافی ہوگی - میں مکتوبات کی تلاش میں بہت پریشان اور سر گردان تھا کہ انہوں نے فارسی نسخہ عنایت کرکے میرے لئے اس دشواری کا سدباب فرما دیا - ان کے والد ساجد نذر حسین شاہ مدظلہ العالی کی مہربانی نے میرے دل میں ان کے لئے احترام پیدا کر لیا ہے کہ

انھوں نے اپنی ضرورت پر میری ضرورت کو فائق قرار دے کر یہ نسخہ کافی عرصے تک میرے پاس رہنے دیا ۔

میری یہ گذارش ھے کہ اگر کسی صاحب طریقت بزرگ کو اس مجموعے میں کوئی گستاخی یا کوئی بے ادبی محسوس ھو تو وہ اسے راقم الحروف کا سہو قرار دے کر معاف فرمائیں گے کہ یہ فرو گذاشت ارادتاً ھرگز نہیں ھو سکتی ۔

مجھے افسوس ھے کہ میں نے شیخ محمد اکرام صاحب پر جو تنقید کی ھے اس کا لہجہ کہیں کہیں ذرا تلخ بھی ھو گیا ھے لیکن میں اس کے لئے مجبور تھا ۔ اس کے بغیر جناب مجددؒ کی صحیح سوانح عمری مرتب نہیں ھو سکتی تھی ۔ شیخ صاحب کے لئے ان کی اسلامی خدمات کی بدولت میرے دل میں بڑا احترام ھے ۔ کیا ان کی غلطیوں کا ازالہ کرنا ایک لحاظ سے وھی خدمت نہیں ھے جو ان کے پیش نظر ھے ۔

اس مجموعے میں کرامات اور خرق عادت امور کے لئے کوئی باب مقرر نہیں کیا گیا ۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ حضرت مجددؒ کے نزدیک کراسات کی اتنی اھمیت نہیں ھے جتنی کہ آج کل لوگوں نے سمجھ رکھی ھے ۔ جناب کی کرامات سے متعلق معلومات حاصل کرنے والے اصحاب جناب کی دوسری سوانح عمریوں سے رجوع کرسکتے ھیں ۔ اس کے لئے سب سے بہتر کتاب زبدۃالمقامات ھے ۔ جناب کے حلیہ مبارک ، اطوار و عادات ، نماز پڑھنے کے طریقے اور سلوک کی تفصیل کے لئے مقامات امام ربانی کا مطالعہ مفید ھوسکتا ھے ۔ مناقب و کراسات کے لئے مقامات احمدیہ سے بھی کافی سرمایہ میسر آسکتا

ھے اور اس کے علاوہ جواھر مجددیہ سے بھی ان موضوعات پر روشنی پڑتی ھے ۔ لیکن ان کی صحیح اور مبالغے سے معرا صورت زبدۃالمقامات میں ھے ۔ بعد کی تصانیف میں اس کتاب کی باتوں کا اعادہ ھے جس پر حاشیہ آرائی کر کے اصلی مقصد کو بدنما کر دیا گیا ھے ۔ راقم الحروف نے ان عنوانات پر اس لئے کچھ نہیں لکھا ھے کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ یہ ھوسکتا تھا کہ سابقہ کتابوں کی انھی باتوں کو دھرا دیا جائے ۔ اس طرح ان کتابوں سے ناانصافی ھوتی تھی ۔ لہٰذا اس کے لئے راقم الحروف نے ھمت نہ پاکر ان عنوانات کو شامل کتاب نہیں کیا ھے ۔ سلوک والے باب میں مزید بہت سے حوالے دے کر بات کو زیادہ واضح کرنے کی گنجائش تھی لیکن اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ کہیں اس طرح سلوک کی افادیت کو کوئی نقصان نہ پہنچے کیونکہ سلوک کا بیان اتنا مفید نہیں ھے جتنا کہ بالمشافہ کسی شیخ طریقت سے اس کا حصول ۔ اگر سلوک کی تفصیل بیان کے حیطے میں آ بھی جائے تو بھی اسے قرین صواب نہیں کہا جاسکتا ۔ کسی ایک پہلو میں تشنگی کا رہ جانا ھی طلب صادق رکھنے والوں کے لئے سودمند ھے ۔

معارف و اسرار میں ان اسرار پر سے نقاب کشائی کی جرأت نہیں کی گئی ھے جو حقیقت کعبہ ، حقیقت نماز ، حقیقت محمدیہ ؐ اور احدیت مجردہ سے متعلق ھیں جنھیں جناب مجدد رح نے اپنے خلفاء اور اپنے صاحبزادوں (محمد معصوم رح ، محمد سعید رح) کے نام مکتوبات میں بیان فرمایا ھے ۔ ان کے واضح کرنے کے لئے اس کتاب کی موجودہ ضخامت کی رو سے بھی گنجائش نہیں تھی ۔ نیز ان کے بیان کرنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ھونے کے امکان بھی روشن نہیں

تھے ۔ رموز و اسرار سے واقف ہونے والے حضرات متعلقہ مکتوبات سے رجوع کریں ۔

باب چہارم میں ''خلفائے راشدین کا مسلک'' اور باب ششم میں ''رسالہ در رد روافض'' کے زیر عنوان جناب کے جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جناب مجددرح کے پیش نظر کسی فرقے یا شخص کی دل آزاری نہیں تھی اور نہ ہی راقم الحروف کا مقصد کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے ع کفر است در طریقت ما کینہ داشتن ، لیکن خلفائے ثلاثہرض کی عزت و توقیر کے لئے جو باتیں بیان کی گئی ہیں اگر ان کے پڑھنے سے کسی صاحب کو دکھ پہنچتا ہو تو اس کے لئے ہم معذور ہیں ۔ ہمارے نزدیک خلفائے راشدینرض ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں اور ایک کی تعریف سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ دوسرے کی عزت و توقیر ہماری نظروں میں کم ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے موضوع کے لحاظ سے متعلقہ بزرگوار کا ذکر خیر کر رہے ہوتے ہیں ۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اہل بیترض کی محبت میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں ۔

جناب مجددرح نے اپنے مکتوبات میں اپنے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بڑی تعریف کی ہے اور اس مسلک پر چلنے والے سالکین کی ہمت افزائی کی ہے ۔ اس بیان سے دوسرے خانوادوں سے متعلق افراد یہ خیال نہ کریں کہ انہیں دوسرے سلسلوں سے تعلق نہیں ہے یا انہیں ان سے عقیدت نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ جناب مجددرح نے دوسرے سلسلوں کے بزرگواروں سے بھی اخذ فیض کیا ہے اور اس کا اظہار اپنے سلوک کی سیر بیان کرتے ہوئے کیا ہے ۔ جب سلوک

طے ہوجاتا ھے تو اس وقت یہ بات نہایت واضح ہوجاتی ھے کہ سلسلوں کا اختلاف ظاہری ھے اور باطن میں راستے پر چلنے کے طریقے کے اختلاف کے سوا کوئی فرق نہیں ھے ۔ مقصود سب کا ایک ھی ھے کوئی جذبے کی راہ سے وہاں پہنچنا چاھتے ھیں اور کوئی سلوک کی راہ سے ، کسی کے لئے اسم ذات مفید ہوتا ھے اور کسی کے لئے کوئی اور اسم الٰہی یاوری کرتا ھے ۔ ھاں اتنا فرق ضرور ھے کہ طریقہ نقشبندیہ میں شرع کی پابندی کا بدرجۂ اتم خیال و لحاظ رکھا جاتا ھے اور یہ سریع السیر اور سہل‌الوصول بھی ھے لیکن شرع نبی ؐ کی پابندی برداشت نہ کرنے والے صاحب کے لئے اس طریقے میں بڑی دشواری ھے ۔

باب چہارم میں عقائد کے زیر عنوان اہل سنت و الجماعت کے عقائد بیان کئے گئے ھیں ۔ اس سے یہ مراد نہیں ھے کہ دوسرے مذاہب فقہ کے پیرو حضرات کی تردید کی جائے ۔ حضرت مجدد رح کو امام شافی رح سے بڑی عقیدت ھے اور وہ بعض نفلی عبادات میں آن کی تقلید کرتے رھے ھیں ۔ بہر حال ان کے نزدیک فقہی مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رح ھی صاحب خانہ ھیں اور دوسرے امام ان کے عیال ھیں اور اس کا انھوں نے اپنے مکتوبات میں اظہار فرمایا ھے ۔

ان دنوں مذہبی امور سے بے تعلق رہنا جدید تعلیم یافتہ طبقے میں فیشن ہوتا جارہا ھے اور تصوف کے کمالات اور معاملات کا تمسخر اڑانا اپنی علمیت اور عقل پسندی کا کمال سمجھا جاتا ھے ۔ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ھے کہ جہاں ہماری یہ کیفیت ھے وہاں یورپ اور امریکہ کے عالم تصوف کے روحانی تجربات اور

مشاهدات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بے تاب ھیں - مستشرقین اگرچہ تصوف کی روح سے تو ناواقف نہیں لیکن اس کی ظاھری ھیئت اور علمی مسائل سے کسی حد تک واقف ھونے کی بنا پر اپنی بساط کے موافق محوکار ھیں اور یورپ کے عوام اور امریکہ کے خوشحال طبقے میں جو روحانی تشنگی پائی جاتی ھے اس کو جانتے ھوئے ھمیں یہ کہنے میں کوئی شرم نہیں ھے کہ وہ دن دور نہیں ھے جب ھمارا فقر غیور انھیں مسحور کرلیگا اور روحانیت کی عالمگیر فتح ھوگی -

تصوف کے مکاشفات اور مشاھدات خیالی پیکروں کی نمود اور سراب نہیں ھے - مکاشفے میں جو علمیت ھوتی ھے اور وجدان میں جو کیفیت ھوتی ھے اسے یہ کہہ کر رد کر دینا کہ اسے حواس سے کوئی واسطہ نہیں اپنی لاعلمی اور کم مائیگی کا اظہار کرنا ھے - خداوند تعالیٰ نے انسان کو ان حواس خمسہ کے علاوہ بھی بہت کچھ عطا کر رکھا ھے اور محض اپنی دانش و ادراک کو معیار بنا کر دانش و وجدان کے دوسرے سر چشموں کا انکار کرنا دانائی نہیں ھے - جب تک اس دنیا میں انسان موجود ھے اس وقت تک روحانی تجربے ھوتے رھیں گے اور القا کا سلسلہ باقی رھے گا - اس دنیا میں شاید ھی کوئی ماں ھوگی جسے اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ اپنے لخت جگر سے متعلق القا کے طور پر کسی بات کا علم نہ ھوا ھو اور شاید ھی کوئی محب ھوگا جسے اپنے محبوب کے بارے میں اپنی زندگی میں القائی اور وجدانی طور پر کئی باتوں کا علم نہ ھوا ھو - پھر کشف و وجدان کا انکار کیوں اور کیسے ھے ؟ اور تصوف کے اس پہلو سے احتراز اور انکار کیا معنی رکھتا ھے ؟

جس تصوف کی اس مجموعے میں ترجمانی کی گئی ہے وہ دل کے سکون اور شرع نبی کریمؐ پر صحت و استقامت کے ساتھ گامزن ہونے کے لئے ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے جسے ہمارے صوفیائے کرام نے آزمایا ہے اور سودمند معلوم ہوا ہے اور جس میں راہبانہ سکون پرستی نہیں ہے -

۱۶ شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۸ مارچ ۱۹۵۸ء

محمد فرمان ایم - اے
غازی ہزارہ

"بحرفے متیوان گفتن حدیث دو جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را"

فہرس

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان،
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

(اقبالؒ)

باب اول

فصل اول

سوانح

جاء الحق : حضرت مجدد الف ثانی رح کے والد کا نام نامی محمد مخدوم شیخ عبدالاحد ہے۔ جب آپ علوم و فنون کے اکتساب سے فارغ ہوئے تو آپ کے دل میں اہل اللہ سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ لہذا آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا ۔ جب آپ کا گزر رھتاس میں ہوا تو وہاں شیخ الہ داد کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے ۔ اسی سفر میں آپ کا گزر جونپور میں ہوا اور حضرت سید علی قوام قدس سرہ کی صحبت با برکت سے بہت کچھ فوائد حاصل کئے ۔ سفر سے واپسی کے بعد تمام عمر سر ہند میں مقیم رہے ۔

آپ تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے اور جملہ کتب معقول و منقول بڑی صحت اور تحقیق کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے ۔ فقہ اور اصول فقہ میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ طالبین حق کو علوم باطنی سے بھی بہرہ مند کیا کرتے تھے ۔

ان کے درس میں عوارف المعارف اور فصوص الحکم شامل تھیں ۔ آپ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح کے معارف کے حل کرنے میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور ان کے مشرب و مسلک پر تھے ۔ لیکن آپ کی سلامتی طبع اس پائے کی تھی کہ شیخ اکبر کی عظمت فکر و نظر کے قائل اور معترف ہونے کے باوجود جو حال کتاب و سنت کے برخلاف ہوتا اس کا مطلق اعتبار نہ کرتے اور اتباع سنت میں اس قدر سرگرم تھے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا ، شاید ھی آپ نے کسی سنت کو ترک کیا ھو۔ سلوک طریقت آپ نے دوسرے سلسلوں سے حاصل کیا اور ان کی برکات سے بڑے کمالات تک پہنچے ۔ لیکن انہیں غایت اخلاص اور نہایت اشتیاق سلسلۂ نقشبندیہ کے ساتھ تھا اور یہی اثر آپ کے صاحبزادے حضرت مجدد الف ثانی رح تک پہنچا ھے ۔

ولادت : آپ کی ولادت ۱۴ شوال روز جمعہ بوقت نصف شب ۹۷۱ ھ کو سرھند میں ھوئی ۔ آپ کا نام نامی احمد ص ھے ، لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات ھے ۔ آپ کا نسب حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رض سے ملتا ھے ۔ جب آپ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کو مکتب میں داخل کیا ۔ وھاں آپ نے تھوڑی سی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور ایک عرصے تک اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کرتے رھے ۔ اس کے بعد سیالکوٹ گئے اور مولانا کمال کشمیری سے بعض کتابیں بڑی تحقیق اور تدقیق سے پڑھیں اور بعض کتب حدیث کی سند یعقوب کشمیری سے لی جو اپنے وقت کے مانے ھوئے محدث تھے ۔ ان سے آپ نے طریقۂ کبرویہ اخذ کیا ۔ سترہ برس کے تھے کہ ظاھری علوم سے ایک طرح کی

فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہوئے ۔ اسی اثنا میں آپ آگرے تشریف لے گئے ۔ وہاں بڑے بڑے علماء سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ یہیں ابو الفضل اور فیضی سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں ۔ کچھ مدت کے بعد آپ کے والد ماجد اکبر آباد تشریف لے گئے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے آئے ۔ راستے میں جب تھانیسر پہنچے تو وہاں کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح پڑھا گیا ۔ اس مناکحت سے آپ کو کافی مال ملا ۔ اس سفر سے واپسی کے بعد آپ اپنے والد کی خدمت میں التزام کے ساتھ حاضر رہنے لگے ۔ ان سے چشتیہ اور قادریہ دونوں نسبتیں حاصل کیں ۔ جب حضرت مخدوم رح قریب الوصال ہوئے تو انھوں نے آپ کو بلا کر خلافت چشتیہ کا خرقہ جو انھیں شیخ عبد القدوس گنگوھی رح سے ملا تھا اور خلافت قادریہ کا خرقہ جو شاہ کمال کیتھلی رح سے ملا تھا عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا ۔ چنانچہ آپ نے اپنے رسالہ مبدا و معاد میں تحریر فرمایا ہے، ''ایں فقیر را نسبت فردیت از پدر بزرگوار خود حاصل شدہ و پدر بزرگوار را از عزیزے کہ جذب قوی داشتند و بخوارق مشہور بودند بدست آمدہ . . . . ایں درویش را توفیق عبادات نافلہ خصوصاً ادائے صلوٰۃ نافلہ از پدر وے است و پدر بزرگوار را ایں سعادت از شیخ خود کہ در سلسلۂ چشتیہ بودند حاصل شدہ بود ۔،، اس جگہ عزیزے سے مراد شیخ کمال رح ہیں اور شیخ خود سے مراد حضرت شیخ عبد القدوس گنگوھی رح ہیں ۔ آپ نے مکتوبات میں اپنے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے ۔ ''فقیر کا اعتقاد لڑکپن سے اھل توحید کا مشرب تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ العزیز اسی مشرب پر ہوئے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی

خدمت و صحبت نصیب ہوئی اور انھوں نے فقیر کو طریقۂ علیاء نقشبندیہ میں داخل کیا اور یوں اس مسکین کے حال زار پر بڑی توجہ فرمائی "۔۱ اپنے والد بزرگوار کے فیض صحبت سے انھیں ابتدا ہی میں تصوف کے مروجہ طریقوں کی بنیادی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی جدید خرابیوں کا بھی علم ہو گیا تھا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ، سے سنا ہے کہ بہتر فرقوں میں سے اکثر لوگ جو گمراہ ہو کر راہ راست سے بھٹک گئے ہیں ، اس کی منشاء طریق صوفیہ میں ان کی خواری ہے کہ انھوں نے اپنے کام کو سر انجام نہیں کیا اور غلط راہ پر پڑ گئے اور یوں گمراہ ہو گئے "۔۲ اس طرح دفتر اول کے مکتوب ۲۵۶ کے مطالعے سے بھی آپ کے والد بزرگوار کے اثرات کا پتا چلتا ہے ۔ جناب مجدد رح کو حج کا شوق دامنگیر تھا لیکن اسے پورا کرنے کی صورت اس لئے میسر نہیں آ رہی تھی کہ انھیں اپنے والد ماجد کی خدمت کی رعایت بھی منظور تھی ۔ جب ان کے والد ماجد نے ایک ہزار سات ہجری میں رحلت فرمائی تو آپ نے حج کے لئے اپنے گھر سے روانگی اختیار کی ۔

جب آپ دھلی پہنچے اور مولانا حسن کشمیری سے جو آپ کے پرانے دوستوں میں سے تھے ملاقات ہوئی ، انھوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے مناقب بیان کئے ۔ آپ کو پہلے ہی سے نقشبندیہ نسبت کے حاصل کرنے کی تمنا تھی ۔ مولانا سے حضرت خواجہ رح کا ذکر سن کر بے اختیار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت

۱- دفتر اول مکتوب (۳۱)

۲- دفتر اول مکتوب (۲۲۰)

خواجہ رح کمال شفقت و عنایت سے پیش آئے اور آپ کے ارادۂ حج کے بارے میں استفسار کے بعد فرمایا کہ اگر ایک مہینہ یا ایک ہفتہ اس جگہ قیام کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ آپ نے قبول کیا اور ٹھہر گئے ۔ ابھی تین چار روز ہی گزرے تھے کہ آپ کے دل میں حضرت خواجہ رح کے مرید ہونے کا شوق پیدا ہوا اور اس امر کا اظہار خواجہ رح سے کیا ۔ اگرچہ حضرت خواجہ رح نہایت دیر آشنا تھے اور استخارہ و لیت و لعل کے بغیر کسی کو طریقے میں داخل نہیں فرماتے تھے لیکن آپ کو بلا تامل ایک خلوت میں طلب کیا اور توجہ فرمانے لگے ۔ چنانچہ اسی وقت آپ کا دل ذاکر ہو گیا اور تھوڑے سے عرصے میں بڑی ترقی اور جمیعت حاصل ہوئی ۔ آپ مکتوبات میں بنام خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ فرماتے ہیں : " یہ فقیر تین دفعہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ رح بزرگوار کی قدمبوسی کی سعادت سے مشرف ہوا ۔ اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمال کمزوری مجھ پر غالب ہے اور زندگی کی امید کم ہے ۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا ۔ اس وقت آپ کو حضرت خواجہ رح نے اپنے حضور میں طلب فرمایا ۔ آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے اور فقیر سے فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو ۔ اس حکم کے بموجب فقیر نے حضور کی موجودگی میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو ۔ اس حکم کے موافق بھی فقیر نے غائبانہ توجہ کی ۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہونگے ...... یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے ۔ فقیر نے اس طریقے میں الف بے کا

سبق انھیں سے لیا ہے اور اندراج النہایت فی البدایت کی دولت ان کی خدمت کے طفیل پائی ہے اور ان کی توجہ شریف نے اس ناقابل کو دو اڑھائی ماہ میں نسبت نقشبندیہ تک پہنچایا ہے اور ان بزرگواروں کا حضور خاص عطا فرمایا ہے اور وہ تجلیات و ظہورات اور انوار جو ان کے طفیل اس عرصے میں ظاہر ہوئے ہیں وہ شرح و تفصیل سے باہر ہیں۔ معارف توحید، اتحاد، قرب و معیت، احاطہ اور سریان کے سلسلے کا شاید ہی کوئی دقیقہ ہوگا جو اس فقیر پر واضح نہ ہوا ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقدمات اور مبادیات میں سے ہے،،۔[1]

تھوڑی مدت میں حضرت خواجہ رحہ نے آپ کو تکمیل کی بشارت عطا فرما کر وطن کو رخصت کیا۔ کچھ عرصے وطن میں رہنے کے بعد آپ دوبارہ حضرت خواجہ رحہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دفعہ حضرت خواجہ رحہ نے اجازت ارشاد عطا فرمائی اور چند منتخب اصحاب بھی آپ کے سپرد کئے۔ اسوقت آپ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ حضرت خواجہ رحہ نے اپنی صفائی باطن سے اس تردد کو معلوم کرکے فرمایا کہ تردد نہیں کرنا چاہئیے کہ اس سے شیخ کے کمال میں تردد لازم آتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ رحہ نے خلافت کا خلعت عطا فرمایا اور رخصت عطا کی۔ آپ سرہند شریف پہنچے اور طالبان راہ ہدایت کی تربیت میں مصروف ہوئے۔ آپ کی تربیت کے عظیم اثرات ظاہر ہونے لگے۔ لیکن اس اثنا میں پھر آپ کو اپنے نقص کا علم ہوا اور آپ نے مریدوں کو بلا کر فاتحہ رخصت پڑھی

۱۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب (۲۶۶) بنام مخدوم زادگان یعنی خواجہ عبداللہ رحہ و خواجہ عبیداللہ رحہ

لیکن سعادت مند مریدوں نے رخصت پر حاضری کو ترجیح دی اور
چند روز کے بعد آپ کی مقصد برآوری ہو گئی اور جن مقامات کے آپ
خواہشمند تھے وہ حاصل ہو گئے ۔ اب آپ از سر نو بڑی همت اور
سر گرمی کے ساتھ مریدوں کی تربیت میں مصروف ہوئے ۔ اس اثنا میں
حضرت خواجہ رح کا اشتیاق آمیز خط پہنچا ۔ آپ اسے پڑھ کر
بے اختیار ہو گئے اور دھلی تشریف لے گئے ۔ حضرت خواجہ رح نے
بڑی محبت اور تپاک کا اظہار کیا اور آپ کو سر حلقہ بنایا ۔ کچھ
مدت کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لے آئے اور اس کے بعد حضرت
خواجہ رح سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی ۔ وطن آ کر اپنے کام میں
مصروف تھے کہ حضرت خواجہ رح کے حکم سے لاہور روانہ ہونا
پڑا ۔ لاہور کے علماء اور صلحاء نے جناب کی بڑی تعظیم کی ۔ آپ
لاہور میں طالبوں کے افادے میں مصروف تھے کہ حضرت خواجہ رح کی
رحلت کی خبر پہنچی ۔ آپ نے اس خبر کے سنتے ھی دھلی کی راہ لی
اور اپنے پیر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی ۔ آپ کے
پیر بھائیوں نے پہلے تو آپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا لیکن
بعد میں اکثر منحرف ہو گئے ۔ آپ نے انھیں ھر چند سمجھایا لیکن
اس کا کوئی خاص نتیجہ مترتب نہ ہوا ۔ آپ دھلی سے واپس سرھند
پہنچے اور اس کے بعد حضرت خواجہ رح کے عرس کے موقع پر آپ دھلی
تشریف لے جاتے ۔ دو مرتبہ آگرے جانے کا بھی اتفاق ہوا ۔ کچھ
مدت لشکر سلطانی کے همراہ بطور اضطرار سفر فرمایا ۔ آپ نے سہ شنبہ
قریب چاشت بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ سرھند میں وصال فرمایا ۔

فصل دوم

تنازعہ بر بنائے مکتوبات

حضرت مجدد رح کی زندگی کے اس سرسری خاکے کے بعد ہم دور جدید کے ایک مشہور اور بالغ نظر مورخ شیخ محمد اکرام کی کتاب رود کوثر کو اپنے سامنے رکھ کر جناب مجدد رح کی زندگی کے اہم واقعات پر دقت نظر سے بحث کریں گے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شیخ محمد اکرام نے رود کوثر میں حضرت مجدد رح کے افکار اور طرز عمل پر سوانح کے جدید رجحانات کی روشنی میں تنقید کی ہے جو ہمیں محض اس لئے ناگوار نہیں ہے کہ حضرت مجدد رح سے ہماری عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے بلکہ جناب اکرام کی تنقید پر منصفانہ نظر ڈالنا اس لئے بھی لازمی ہو گیا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اس کتاب کو زیادہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا مکمل احساس ہے کہ حضرت مجدد رح کی دوسری سوانح عمریاں عقیدت کی فراوانی اور مبالغے کی ارزانی کی بدولت جدید ذہنوں کے لئے قابل توجہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں اگر شیخ اکرام کے بیان کی صحیح صورت واضح ہو جائے تو اس سے دو گونہ فائدے کا امکان ہے۔ ایک تو جدید مزاج کے لئے ایک طرح کی صحیح معلومات پیش ہو جائیں گی اور دوسرا قدیم رجحانات رکھنے والے حضرات کے لئے ایک متوسط راستہ متعین ہونے کا امکان روشن ہو جائے گا۔ ہم اپنے اس مقصد کے لئے صرف حضرت مجدد رح کے مکتوبات اور ان کی معاصرانہ سوانح عمریوں سے مدد لیں گے۔

شیخ صاحب لکھتے ھیں : ''حضرت خواجہ باقی باللہ آپ کا بڑا پاس کرتے ۔ آپ سن و سال میں عین ان کے ھم عمر تھے ، علوم ظاھری میں شاید ان سے بڑھے ھوئے تھے اور تحریر و تقریر میں آپ کو ایک غیر معمولی ملکہ تھا ۔ لیکن بالغ نظر مرشد نے آپ کی غلطیاں جتانے سے بھی گریز نہ کیا اور آپ کی تعلیم و تربیت میں پوری کوشش کی ۔ مثلاً ایک زمانے میں آپ پر وحدت الوجودی کا رنگ غالب تھا اور ان دنوں آپ نے ایک رباعی لکھی :

اے دریغا کیں شریعت ملت آبائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایماں ھر دو زلف و روئے آں زیبائی است
کفر و ایماں ھر دو اندر راہ ما یکتائی است

تو مرشد نے فوراً انھیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے ان پر سرزنش کی ۔ فرماتے ھیں ۔ ' اور وہ رباعی ملحدانہ جو آپ نے لکھی تھی بہت ھی بے سمجھی اور کم عقلی ھے ۔ ایسی رباعی کا کہنے والا ھرگز مقبول نہیں ھو سکتا ۔ ادب کو نگاہ میں رکھنا چاھئے ۔ اللہ تعالی بڑا غنی اور غیرت مند ھے ' ۔[۱] شیخ صاحب کے بیان میں ''سرزنش'' کے لفظ پر ھمیں اعتراض ھے ۔ وہ لکھتے ھیں :۔ '' اسی طرح حضرت مجدد رحہ کے کشفی واقعات اور مقامات عروج کے اظہار کا مسئلہ ھے جن پر عہد جہانگیری میں ایک فتنہ عظیم برپا ھوا تھا ۔ ان کے متعلق بھی حضرت خواجہ باقی باللہ رحہ کی مسلسل ھدایت تھی کہ ان کے بارے میں اخفا سے کام لیا جائے ۔ مثلاً جب حضرت مجدد رحہ

---

۱ ۔ رود کوثر صفحہ ۱۵۳ ۔

نے ایک خط (مکتوب ہفتم) میں اپنے مقامات عروج کا ذکر کیا تو حضرت خواجہ رح نے ایک طول و طویل خط (رقعۂ ہفتم) میں ان کی نسبت شبہ ظاہر کیا اور آخر میں لکھا . . . . 'اسرار کو محفوظ رکھیں یعنی حضرت خاتم الخلافت کے ساتھ ان مقامات کی جو خصوصیت ہے وہ ظاہر نہ کریں - ایسا نہ ہو لوگ غلطی میں پڑ جائیں اور ان کے عقیدے بگڑ جائیں' - حضرت خواجہ رح کے ملفوظات میں بھی ہے کہ "ایک دن میاں شیخ احمد سرہندی کو جو حضور کے جلیل القدر اور ممتاز رفقا میں سے تھے سرہند کی طرف رخصت کر رہے تھے - انہیں فرمایا کہ نسبت کو حتی المقدور پوشیدہ رکھنا - صبح کی نماز سے لے کر اشراق تک جائے نماز پر بیٹھنا لیکن حلقہ نہ کرنا - اس کے بعد علوم دینی کا درس دینا . . . اکثر اوقات تصحیح کتب اور مطالعے میں مشغول رہنا - اگر سخن (وعظ ؟) کا اتفاق ہو تو بطور علماء کہنا ، بطور صوفیہ کے نہیں اور اگر احیاناً بطور صوفیہ کچھ کہا جائے تو اجمال اور اخلاق کے ساتھ کہو تا کہ جسے خطاب کرنا منظور ہو وہی سمجھے اور دوسرا اس سے کوئی ایسی چیز مراد نہ لے جو اس کی لغزش کا باعث ہو" - ۱

گویا شیخ صاحب کے نزدیک مقامات عروج کا ذکر کرنا فتنۂ عظیم تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب مجدد رح نے اپنے شیخ و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی مسلسل ہدایت کو در خور اعتنا نہیں سمجھا تھا - وہ آگے چل کر یوں رقم طراز ہیں -

" دھلی میں بد قسمتی سے آپ کے اپنے بعض پیر بھائیوں سے عارضی اختلاف ہو گئے - واقعہ یہ ہے کہ حضرت باقی باللہ رح کے

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱۵۳ -

ممتاز خلفاء میں سے غالباً آپ سب کے بعد آئے تھے لیکن فطری صلاحیتوں کی بدولت سب سے آگے نکل گئے ۔ صاحب نظر مرشد تو آپ کی خوبیاں سمجھتا تھا لیکن سب خلفاء پر وہ ابھی پوری طرح روشن نہ ہوئی تھیں اور دوسرے شاید ان خلفاء کو حضرت مجدد رح کی بعض باتیں بھی کھٹکتی تھیں ۔ ان خلفاء کے سر گروہ حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے سب سے قدیمی خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی رح تھے جو بعد میں مکہ معظمہ چلے گئے ۔ یہ اختلافات تو ختم ہو گئے لیکن حضرت مجدد رح نے مرشد کی خانقاہ کا انتظام دوسروں کو سونپا اور خود سرھند جا کر ارشاد و ھدایت شروع کی ،، ۔۱ اس عبارت میں ,, شاید ان خلفاء کو حضرت مجدد رح کی بعض باتیں بھی کھٹکتی تھیں ،، قابل غور ھے ۔ گویا شیخ صاحب کے نزدیک حضرت مجدد رح اپنے متعلق یا اپنے سلوک کی سیر کے بارے میں جو اظہار کرتے تھے وہ قابل اعتراض تھا ۔ ظاھر بین نظر واقعی اعتراض کی گنجائش رکھتی ھے لیکن جس طرح ان خلفاء نے اختلاف ختم کر ڈالے اس کو دیکھتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لینا ضروری ھے ۔

,,آپ کی زبان میں تاثیر اور قلم میں طاقت تھی اس لئے جوق جوق لوگ آپ کے معتقد ہونے شروع ہوئے . . . ۱۶۱۹ء میں جب آپ کی مجددانہ مساعی کو کئی سال ہو چکے تھے اور آپ کے مرید اور خلفاء تمام ھندوستان میں بلکہ ھندوستان سے باھر بھی پھیل چکے تھے ، آپ نے ایک پر جوش مرید شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے لشکر میں ارشاد و ھدایت کے لئے بھیجا ۔ شیخ بدیع الدین میں جوش اور جذبہ زیادہ تھا ، احتیاط اور توازن کم ۔ وہ اس سے پہلے ایک

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱۵۴ -

غیر مسلم عورت کی محبت میں مبتلا ہوئے تھے تو اسلام ہی کو جواب دے بیٹھے - جب اس سے نجات پائی اور سلوک کی طرف توجہ کی تو اپنے فطری ذوق و شوق کی مدد سے بڑی ترقی حاصل کی لیکن کئی الجھنوں کا سامان بھی کیا - جہانگیر کے لشکر میں انھیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بہت سے آدمی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مخالفت کا بازار بھی خوب گرم ہوا . . . شیخ بدیع الدین نے مرشد کی بھی نافرمانی کی اور ان کی اجازت کے بغیر آگرہ چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس چلے گئے - یہ امر حضرت مجدد رح کو بہت ناگوار گزرا اور جب شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا - اس پر شیخ نے معافی چاہی اور تلافیٔ مافات کا وعدہ کیا - چنانچہ انھوں نے آگرے جا کر اور بھی زور شور سے اپنا کام شروع کیا لیکن اسی روز سے ان کی مخالفت ہوئی اور اس ضمن میں حضرت مجدد رح کو بھی بادشاہ کے دربار میں حاضر اور زندان شاہی میں محبوس ہونا پڑا - اس واقعے کے متعلق حضرت مجدد رح کے مکتوبات میں تو کوئی تفصیل درج نہیں لیکن ان کی سب سے قدیمی سوانح عمری میں جو اس واقعے کے دس بارہ سال بعد ان کے صاحبزادوں کے ایما پر ان کے ایک مرید نے لکھی، ذیل کا اندراج ہے :

' شیخ بدیع الدین باضطراب متوجه دارلخلافت شد - بامید آنکه خاطر مبارک که غبار یافته است، مصفا شود - چوں رسید - اول آں مقام گرمیہا و فیضہا بخلائق رسید - لیکن چوں شہر دارالامارت بود و مجمع عسکریان ہنگام طلب دور از اخلاص و ادب - ازاں گروه جمعے که به خدمتش رسیدند - بآنہا نصائح خشونت آمیز درمیان نہاد و

احوالات بلند خویش بر زبان آورد ، بلکه بعض وقائع و کشوف اظہار آن ها ایقاظ فتنه سے نمود ، بگوش منکران رسانید ۔ تا بجائے رسید که دران شہر بودن نتوانست ۔ بلکه آن شور و شر به پیر بزرگوار او قدس الله سره العزیز سریان نمود و سلطان آن وقت که بایں طائفه بے مناسبتی تمام داشت حضرت ایشان را طلب نموده ایذا نمود و حبس فرمود ۔ اگرچه بعد ازاں سلطان ازیں امر نادم و پشیمان شد و عذرها خواست ۔ اما وے را ایں سوء ادب نا مبارک آمد ۔ شورها و فتورها در مملکتش پیدا شد ۔ و بر بعضے دیار معتبرۂ ایرانیان غلبه نموده در تصرف خود آوردند ۔ و خودش بضعفهاء مہلک مبتلا گشت تابہماں رفت، . . . حضرت مجدد رحہ کے جن '' وقائع و کشوف '' پر سب سے زیادہ اعتراض کئے گئے ۔ وہ دفتر اول کے مکتوب یازدهم میں درج ہیں '' ۔[۱]

گویا شیخ صاحب کے نزدیک '' فتنه عظیم '' کے بپا ہونے کی وجه شیخ بدیع الدین تھا جس کے مزاج میں تیزی اور بے اعتدالی تھی یعنی حضرت مجدد رحہ نے ان کے انتخاب اور تعیناتی میں احتیاط سے کام نہیں لیا تھا ۔ ظاہر میں یوں نظر آتا ہے که شیخ صاحب نے مندرجه بالا حوالے کی بنا پر ایسا خیال کیا ہے ۔ ہم جب اس حوالے پر غور کرتے ہیں تو شیخ بدیع الدین پر عائد کرده فرد جرم میں ذیل کی باتیں واضح ہوتی ہیں :-

الف ۔ نصائح خشونت آمیز ۔

ب ۔ احوالات بلند خویش ۔

ج ۔ وقائع و کشوف که اظہار آنہا ایقاظ فتنه سے نمود بگوش منکران رسانید ۔

---

۱ - رود کوثر صفحه ۱۵۶ - ۱۵۷

اسطرح اسکی بدولت شور و شر اس کے شیخ و پیر بزرگوار تک سریان کر گیا ۔ اس حوالے میں سوانح نگار نے 'وقائع و کشوف' کو شیخ بدیع الدین سے متعلق کیا ھے اور شیخ محمد اکرام صاحب نے انھیں حضرت مجدد رح سے متعلق کر کے مکتوب یازدھم کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے لئے اس کی متنازعہ فیہ عبارت کو پیش کرنے کے بعد لکھا ھے کہ "شیخ بدیع الدین تک بھی یہ اعتراض پہنچائے گئے اور کہا گیا کہ تمھارا پیر تو اپنے آپ کو صدیق اکبر رض سے بھی افضل سمجھتا ھے"۔۱ ابھی تو اس "فتنۂ عظیم" کے لئے شیخ بدیع الدین کا طریق کار مورد الزام تھا اور ابھی انھیں اس ذمہ داری سے سبکدوش کر کے تمام تر ذمہ داری ان کے شیخ پر ڈالی گئی ھے ۔ لہٰذا حقیقت حال کو جاننے اور دلائل کی قطعیت کی ضرورت شدید ھو گئی ھے ۔

'دربار جہانگیر میں طلبی' کے زیر عنوان یہی مورخ رقم طراز ھے کہ "علما نے جہانگیر کے حضور میں شکایت کی ۔ کہ سر ھند کا ایک مشائخ زادہ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر رض سے افضل سمجھتا ھے اور ایسے دعوے کرتا ھے جس سے کفر لازم آتا ھے ۔ اس کے علاوہ آصف خان اور دوسرے مخالفوں نے نمک مرچ بھی لگائی ھوگی کہ شیخ احمد رح نے مجددیت کا دعویٰ کیا ھے ۔ ھزاروں آدمی اس کے حلقہ بگوش ھیں ۔ عجب نہیں کہ اس کا اثر حکومت کے لئے مضر ثابت ھو ۔ چنانچہ جہانگیر نے حاکم سر ھند کی معرفت حضرت مجدد رح کو بُلا بھیجا ۔

جہانگیر نے اس واقعے کی نسبت توزک جہانگیری میں کسی قدر تفصیل سے اظہار خیالات کیا ھے، بد قسمتی سے اُسے اس قدر

بھکایا گیا تھا کہ اس نے اپنی رائے بڑی بے ادبی سے ظاہر کی ہے۔
حضرت مجدد رح کی نسبت اس نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ حضرت
مجدد رح کے تمام معتقدوں بلکہ تاریخ کے غیر جانبدار ناظرین کو بھی
معیوب معلوم ہونگے۔ لیکن چونکہ جہانگیر کے بیان کی تاریخی
اہمیت بہت ہے اس لئے ہم 'نقل کفر کفر نباشد' کے ذیل میں
اس کا بیان درج کرتے ہیں۔

جہانگیر چہاردہم سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے۔ 'دریں
ایام بعرض رسید۔ کہ شیخ احمد نام شیادے در سرھند دام زرق و
سالوس فروچیدہ، بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ،
و بہر شہرے و دیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی
و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگران پختہ تر داند خلیفہ نام
نہادہ فرستادہ و مزخرفاتے را کہ بمریداں و معتقدان خود نوشتہ،
کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ و دراں جنگ و مہات بسا
مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجر مے شود۔ ازاں
جملہ در مکتوب نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گذارم بمقام ذی النورین
افتاد، مقامے دیدم بغایت عالی و خوش بصفا۔ ازاں جا در گزشتم
بمقام فاروق پیوستم و از مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم و
ہر کدام را تعریفے در خور آں نوشتہ، و از انجا بمقام محبوبیت
واصل شدہ مقام مشاہدہ افتاد۔ بغایت منور و ملون۔ خود را بانواع
انوار و الوان منعکس یافتم۔ یعنی استغفراللہ از مقام خلفاء در گذشتہ
بعالی مرتبت رجوع نمودم، و دیگر گستاخیہا کردہ کہ نوشتن آں
طولے دارد، و از ادب دور است، بنا برایں حکم فرمودم کہ بدرگاہ
عدالت آئین حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست و از ہر چہ

پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود - با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاهر شد ، صلاح حال او منحصر دریں دیدم که روزے چند در زندان ادب محبوس باشد ، تا شوریدگی مزاج واشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرو نشیند - لا جرم به انی رائے سنگدلن حواله شد - که در قلعۂ گوالیار مقید دارد ، -۱ . . .
" حضرت مجدد رح کی محبوسی جہانگیر کا ایک ایسا فعل ہے جسکی کسی صورت حمایت نہیں کی جا سکتی - لیکن انصاف کا تقاضا ہے - که اس امر کا اظہار کر دیا جائے - که حضرت مجدد رح کو جہانگیر نے اس لئے نہیں طلب کیا تھا - که اسے حضرت سے کوئی ذاتی عناد تھا - بلکه اس طلبی کی اگر ایک وجه ملکی مصلحتیں تھیں - تو دوسری وجه جہانگیر کی مذہبی حمیت تھی - اسنے مکتوبات کے جن اندراجات کی توزک جہانگیری میں شکایت کی ہے - ان پر شیخ عبدالحق رح محدث دہلوی جیسے بزرگ معترض تھے - بلکه خزینة الاصفیا میں تو لکھا ہے - که بعض علما نے حضرت مجدد رح کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے - که حضرت مجدد رح کے خلاف ایک عام شورش کی صورت پیدا ہو گئی تھی - چنانچه جہانگیر حضرت مجدد رح کی قید کا ایک مقصد یه بھی بتاتا ہے - که شورش عوام ٹھنڈی پڑ جائے " - ۲

شیخ محمد اکرام صاحب جہانگیر کے فعل کی حمایت نہیں کرتے لیکن جہانگیر کے بیان "شورش عوام" کو نه صرف راست گوئی پر محمول کرتے ہیں بلکه اس کی بنا پر جہانگیر کی " درگاہ عدالت آئیں"

---

۱ - رود کوثر صفحه ۱۶۰

۲ - رود کوثر صفحه ۱۶۲

کی نا انصافی کو عین حق جانتے ہوئے حضرت مجدد رح کے محبوس ہونے کو فتنۂ عظیم کا عنوان دیتے ہیں ۔ جہانگیر کے نزدیک اس کے اپنے بیان کی روشنی میں حضرت مجدد رح سے مکتوبات کے اندراجات کفر و زندقہ ہیں ، وہ خود و دانش سے بیگانہ ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ظل اللہ کے دربار میں جہاں زمین بوسی اور سجدے کا عام رواج ہے ، وہ بغایت مغرور اور خود پسند بھی ہیں ۔ لہٰذا ان کے لئے زندان ادب میں محبوس رہنا ان کے لئے صلاح حال کی مناسب صورت ہے ۔ اس کے علاوہ شورش عوام کو بھی فرو کرنا مقصود ہے ۔

فصل سوم

قید و بند

یہی مصنف سنت یوسفی کے زیر عنوان رقم طراز ہیں کہ
" حضرت مجدد رح تقریباً ایک سال گوالیار کے قلعے میں قید رہے ۔
جب یہ واقعہ پیش آیا تو شیخ بدیع الدین کا، جن کی طبیعت میں
جوش زیادہ تھا ، استقامت کم ، ذوق و شوق بالکل مردہ ہو گیا لیکن
حضرت مجدد رح کے ذوق و شوق میں اور اضافہ ہوا ۔ انھوں نے دفتر
سوم میں کئی جگہ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محبوب کی جفا
اسکی مہربانی سے زیادہ دل آویز ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک
نہیں کہ بعض لحاظ سے واقعۂ قید حضرت مجدد رح کے لئے زیادہ ترقیات
اور روحانی اصلاح کا باعث ہوا ۔ جہانگیر پندرھویں سال جلوس کے
ضمن میں لکھتا ہے :

' دریں ایام شیخ احمد سر ہندی را کہ بجہت دکان آرائی و
خود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند در زندان ادب محبوس بود ،
بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم ۔ خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت
نمودہ ۔ در رفتن و بودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض
داشت کہ ایں تنبیہ و تا دیب در حقیقت ہدایتے و کنائتے بود ، . . . .
جہانگیر کے بیان کی تائید خود حضرت مجدد رح کے مکتوبات سے ہوتی
ہے ۔ ایک مفصل خط میں میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں ۔

'پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس عنایت
نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی

اور قید خانے کے قفس میں قید نہ ہوا ۔ تب تک ایمان شہودی کے
تنگ کوچے سے کلی طور پر نہ نکلا ۔ اور ظلال و خیال و مثال کے
کوچوں میں سر گردان رہا ۔ ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان
ہو کر نہ دوڑا ۔ اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے
ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا ۔ اور ذوق
کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے
عیب کو ہنر نہ معلوم کیا ۔، .... ان ایام میں حضرت مجدد رح کے
خیالات میں جو ترقی و تبدیلی ہوئی ۔ اس کا کچھ اندازہ مکتوبات کے
دفتر اول اوردفتر سوم کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ دفتر اول میں
ایام جوانی کےخطوط ہیں اور دفتر سوم میں واقعۂ قید اور اس کے بعدکے ،
پہلےدفتر میں جوش و ولولہ بلکہ انانیت کا زور ہے، تیسرے میں پختگی،
ملائمت اور ژرف نگہی ہے ۔ ایک میں شان جلالی جلوہ گر ہے تو
دوسرے میں شان جمالی .....،،۔۱ جہانگیر نے اپنے فیصلے کو
حق بجانب قرار دیا ہے اور اس کے عندیے میں مکتوبات کے
متنازعہ فیہ اندراجات اب بھی قابل سرزنش ہیں جب کہ حضرت
مجدد رح اس قید و بند کو محبوب کی جفا اور اس کے فوائد کی روشنی
میں دیکھ رہے ہیں ۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ
جہانگیر کے بیان کی حضرت مجدد رح کے بیان سے تائید ہوتی ہے یا
تردید ۔ شیخ محمد اکرام صاحب کو یہ فرق پیش نظر رکھنا چاہئے تھا کہ
حضرت مجدد رح نے واقعۂ قید کو جس حیثیت سے لیا ہے ، وہ جہانگیر
کی فہم و فراست سے بہت بالا ہے ۔ اگر قید و بند سے ان کے خیالات
میں ترقی و تبدیلی واقع ہوئی ہے تو اس سے نہ تو جہانگیر کا

۱- رود کوثر صفحہ ۱۶۴

فیصلہ حق بجانب ہوتا ہے اور نہ مکتوبات کے متنازعہ فیہ اندراجات باطل ہوتے ہیں ۔

مقامات امام ربانی رح کے مصنف مولانا محمد حسن صاحب نقشبندی بعنوان "حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے محبوس ہونے کے بیان میں" لکھتے ہیں : " جب حضرت مجدد الف ثانی رح کا سن شریف پچاس سے متجاوز ہوا ۔ تو آپ فرمایا کرتے کہ ترپن برس کی عمر میں قضا معلق ہے ۔ دیکھئے کیا پیش آتا ہے ۔ اور گاہ گاہ یہ بھی فرماتے ۔ کہ ابھی تک میری پرورش جمالی طور سے ہوئی اب منظور رب العالمین جلالی طور سے کرنے کی ہے ۔ خیر چنانچہ پرورشم میدھند سے روم ، اب اس کے ظہور کی یہ شکل ہوئی کہ قبل ازیں عہد اکبری میں اسلام کا اسقدر ضعف اور کفر کا زور ہو گیا تھا ۔ کہ ایکاوشی کے دن بازار بند رہتے ۔ اور رمضان کو علانیہ دن کو طنور گرم رہتے ۔ اکبر خود اولوالعزم بن بیٹھا تھا ۔ سجدہ کراتا تھا ۔ خیر وہ وقت تو گزر گیا ۔ جب جہانگیر جانشین ہوا تو مسلمان خوش ہوئے ۔ کہ اب دین کی تروتازگی ہوگی ۔ مگر وہ الولد سر "لابیہ نکلا ۔ پہلے ہنود کا زور تھا اب رافضی امیر و وزیر بن بیٹھے ۔ سجدہ اسی طرح قائم رہا ۔ اہل ہنود کی رسوم کی جگہ روافض کی بد عادات جاری ہو گئیں ۔ اب جملہ امور کی جب حضرت کو خبر پہنچتی تو آپ فرماتے ۔ کہ جب تک میں اپنے نفس پر تکلیف نہیں اٹھانے کا ۔ تجدید دین کماحقہ ، نہیں ہوگی ۔ مگر کل امر مرھون" با وقاتھا ، وہ وقت ابھی دور تھا ۔ رد روافض میں آپ مکاتب و رسائل تحریر فرماتے اور رافضی امیر وزیر انکو دیکھ کر جلتے مگر کچھ کر نہ سکتے ۔ منتظر موقع رہتے اسی اثنا میں حضرت نے اپنے خلیفہ بدیع الدین کو

کہ نہایت مقرب تھا ۔ لشکر میں امر معروف کے واسطے بھیج دیا ۔
اور فرمایا کہ تم کو لشکر میں قبولیت عظیم ہوگی ۔ اگر باعث بعض
امور کے کچھ تکلیف پہنچے ۔ تو باستقامت برداشت کرنا ۔ اور اس
جگہ ٹھہرے رہنا اور جب تک میں طلب نہ کروں ۔ ہرگز ہرگز
نہ آنا ۔ الحق کہ لشکر میں پہنچکر شیخ کو ایسی قبولیت ہوئی کہ
صدہا ہزار ہا آدمی صبح شام حاضر مجلس ہوا کرتے ۔ اور بسا اوقات
بڑے بڑے امیروں کو بباعث کثرت اژدہام زیارت نصیب نہ ہوتی ۔
یہ امر روافض کو کہ نور جہان کے بھائی وغیرہ اور گویا کہ مالک
دربار بنے ہوئے تھے ۔ نہایت شاق گذرا ۔ ایک روز موقع پا کر
سلطان سے کہا کہ سر ہند میں ایک شخص شیخ احمد نامی رہتا ہے
وہ اپنے تئیں حضرت ابو بکر صدیق رض سے افضل بتلاتا ہے ۔ اور دعویٰ
تجدید الف ثانی کرتا ہے ۔ صدہا ہزارہا سوار جرار اس کے پاس
موجود ہیں ۔ تمام سلاطین و خواتین توران و ماورا لنہر اس کے حلقہ
بگوش ہیں ۔ علاوہ ازیں شیخ کے صدہا خلیفہ جا بجا منتشر ہیں ۔
اور ان خلیفوں کے صدہا مرید ہیں چنانچہ ایک اس جگہ لشکر میں
بھی موجود ہے ۔ تمام سپاہ و ارکان سلطنت آپ کے اس کے پاس حاضر
ہوتے ہیں شیخ کے دل میں داعیہ سلطنت ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ
مثل شاہ اسماعیل فقیر کے یہ بھی مالک سلطنت بن بیٹھے ۔ اسلئے اس
کا علاج قبل از واقعہ کرنا چاہئے ۔ اور فی الحال اس کے انسداد کی
یہ شکل ہے ۔ کہ شیخ کو اسجگہ طلب کیا جائے ۔ اور اس کو
کسی بہانہ سے قید کر دینا چاہئے ۔ کہ آئندہ کو کسی طرح کا
اندیشہ نہ رہے ۔ یہ بات بادشاہ کو بہت پسند آئی ۔ اور حضرت کو
سرہند سے طلب کیا ۔ جب حضرت تشریف لائے تو وزیر نے ایسے
وقت ملاقات کرائی کہ وہ نشہ میں چور تھا ۔ بادشاہ نے دریافت کیا

کہ ہم نے سنا ہے - کہ تم اپنے تئیں حضرت ابو بکر صدیق رض پر ترجیح دیتے ہو - حضرت نے فرمایا کہ ہم حضرت علی رض کو کہ خلیفہ چہارم ہیں - حضرت ابوبکر صدیق رض پر ترجیح نہیں دیتے - تو اپنے تئیں کسطرح دین گے - کہ سراسر خلاف عقل و نقل ہے اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں - اس کا یہ منشاء نہیں ہے بلکہ اس کی ایسی مثال ہے - کہ مثلاً کسی شخص کو تم اپنے پاس بلاؤ اور سرگوشی کرو تو ضرور ہے کہ وہ شخص پنج ہزاری و ہفت ہزاری کی جگہ پر گزرتا ہوا آوے گا اور سرگوشی کر کے پھر اپنے مقام پر واپس آ جائیگا - تو اس عبور مقامات پنج ہزاری و ہفت ہزاری سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ شخص ان ہفت ہزاری وغیرہ سے بڑھ گیا - اس بات کو سن کر باد شاہ خاموش ہو گیا - کہ اتنے میں وزیر بول اٹھا کہ یہ شخص کیسا متکبر ہے کہ آپ کو سجدہ کجا سلام علیک بھی نہیں کی - اس بات پر سلطان افروختہ خاطر ہو گیا - اور کہا کہ تم نے سجدہ و سلام کیوں نہیں کیا - حضرت نے فرمایا کہ سجدہ سوا خدا کے اور کو جائز نہیں - اور سلام علیک اسواسطے نہیں کی کہ تو جواب نہ دیتا اور گنہگار ہوتا - باد شاہ نے کہا کہ سجدہ تم کو کرنا پڑیگا - حضرت نے فرمایا کہ میں سجدہ نہیں کرونگا - کہ اتنے میں مفتی عبدالرحمان نے جو اکابر و علما وقت سے تھے کہا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے کہ جان کا بچانا فرض ہے - حضرت نے فرمایا کہ ملا جی یہ فتویٰ تمہارے واسطے ہے میرے واسطے نہیں - سجدہ کرنا ایسی حالت میں رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے - کہ سوا خدا کے اور کسی کو نہ کرے - تب بادشاہ نے حضرت کو قید کر دیا - روضۃ القیومیہ میں لکھا ہے کہ شاہزادہ خرم جو کہ بعد ازاں شاہجہان کے لقب سے

ملقب هوا - حضرت کی قید سے نہایت پریشان ہوا - اور حضرت کے پاس مع مفتی عبدالرحمان و کتاب فقه گیا - که اس میں جواز سجده تحیت تھا اور عرض کی که اگر آپ سجده کر لینگے تو پھر میں آپ کی رهائی کا ذمه دار هوں - لیکن حضرت نے منظور نه فرمایا - اور یه بھی روضة القیومیه میں لکھا ھے - که جب حضرت نے جہانگیر کے روبرو سجده سے انکار کیا - تو اس نے کہا که آپ صرف سر جھکا دیں - مگر حضرت اس پر بھی راضی نه هوئے - تب کہا کٹھرے کے دروازه میں کو نکل جاؤ - اس سے یه مطلب که اسمیں سر جھکا کر نکلیں گے تو سجده کی شکل هو جاؤ گے اور حکم لغو نه ره جائیگا - مگر حضرت نے اس میں بھی پہلے پیر نکالے - یه دیکھ کر مارے غصه کے جل گیا - اور آپ کو گوالیار کے قلعے میں جہاں ایک رافضی قلعه دار تھا بھیج دیا ،، -۱

ابھی حضرت مجدد رح کی طلبی اور گرفتاری کو ایک منظم شازش کا نتیجه بتایا گیا تھا اور ابھی تمام تنازعه مکتوب سے متعلق سرسری باز پرسی کے بعد سجدۂ دربار تک محدود کر دیا گیا ھے - ابھی مفتی عبدالرحمان سر دربار فتویٰ دے رھا تھا اور ابھی اسے شاھجہان کی همراهی میں فقه کی کتاب لئے حضرت مجدد رح کی خدمت میں پیش کیا جا رھا ھے اور جہانگیر سجده کرانے کے لئے بچوں کے سے حیلے بہانے تلاش کرتا دکھایا گیا ھے - مولانا نے روضة القیومیه کے مصنف کی طرح گویا جہانگیری دربار کے راه و رسم کو بازیچۂ اطفال سمجھ رکھا ھے اور یه تمام کوشش اس مقصد کے

۱- مقامات امام ربانی - صفحه ۸۲---۸۳ -

لئے ہے کہ آگے چل کر جہانگیر کو حضرت مجدد رح کا مرید ثابت کرنا ہے ۔ لکھتے ہیں :

"جب حضرت کو چھ مہینہ حبس میں گزر گئے ۔ اور جس مراتب و مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ جلال پہچانا تھا ۔ پہنچ گئے تو رہائی کی پردۂ قدرت سے یہ تدبیر ہوئی کہ جہانگیر کی لڑکی نے خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ۔ گویا کہ آپ حضرت مجددالف ثانی رح کی بے ادبی کرنے سے نہایت ناراض ہیں اور فرماتے ہیں کہ فلاں شخص کو جلد باعزاز و اکرام بلا کر اپنا عفو تقصیر چاہو ۔ ورنہ سلطنت درھم برھم ہو جائے گی ۔ سلطان اس وقت کشمیر میں تھا ۔ اس خواب کو سن کر دل میں بہت ہراساں ہوا ۔ اور فی الفور حضرت کو اپنے پاس طلب کیا اور نہایت عاجزی سے عفو تقصیر چاہی ۔ اور اپنی صحت کے واسطے کہ ان دنوں بیمار تھا ۔ دعا کرائی ۔ چنانچہ بفضلہ صحت ہوگئی ۔ بعد ازاں حضرت کا نہایت معتقد ہوگیا ۔ بلکہ مرید بھی ہوا اور توجہ بھی لی ہے ۔ اور بہ برکت و ہدایت حضرت جملہ احکام شرعی جاری کئے ۔ سجدہ تحیت موقوف ہوا ۔ مساجد منہدم شدہ از سر نو تیار ہوئیں ۔ گائے کا گوشت علانیہ طور سے بازاروں میں فروخت ہونے لگا ۔ غرضیکہ اسلام کی تجدید ہوئی ۔ یہ سب کچھ مگر حضرت کو اپنے ساتھ رکھا ۔ اور لشکر سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہ تھی ۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا ۔ کہ یہ رکھنا اصلاح دین کے واسطے تھا ۔ یا مصلحت سلطنت کی نظر سے ۔ بہر حال جو کچھ تھا نہایت ادب سے پیش آتا ۔ بارہا اپنے خاتمہ بخیر و مغفرت کے واسطے عرض کرتا ۔ اور اپنے کردار سے سخت ندامت ظاہر کرتا ۔

چنانچہ تسلی کے واسطے حضرت نے ایک روز اس سے فرمایا کہ تو خاطر جمع رکھ ۔ میں جنت میں جب جاؤں گا جب پہلے تجھ کو داخل کرلوں گا . . . . اسی طرح سے آٹھ سال سلطان کے ساتھ پھرنے کا اتفاق ھوا ،، ۔۱

نہ جہانگیر نے عفو تقصیر چاھی اور نہ مرید ھوا ھے ۔ مرید ھو کر وہ کیسے حضرت مجدد رح کو نظر بند رکھ سکتا تھا اور یہ بات کہ حضرت نے اسے جنت کی بشارت دی ناقابل یقین اور محض عقیدت مندوں کی مبالغہ آرائی ھے ۔ کہیں تو جہانگیر کی بیماری کو گرفتاری کا نتیجہ قرار دیا جاتا ھے اور کہیں حضرت کی دعا سے اس کی صحت یابی کا ذکر کیا جاتا ھے ۔

'مقامات احمدیہ ، کا مصنف لکھتا ھے ۔ ,, آپ نے جب دیکھا کہ بادشاہ اکثر مستی اور نشے کی حالت میں رھتا ھے اور باتوں کے حقائق اور دقائق کو نہیں سمجھتا ۔ تو ایک عامیانہ جواب دیا کہ میں تو اپنے تئیں کتے سے افضل نہیں جانتا ۔ پھر کس طرح حضرت صدیق اکبر رح سے افضل کہہ سکتا ھوں ۔ چونکہ حال اور عروج وارد ھوا تھا ۔ میں نے مخفی طور پر اپنے شیخ کی طرف لکھا تھا ۔ کہ اس کی صحت و سقم کی بابت مجھے مطلع فرمائیں ۔ اب جب کہ دشمنوں نے نا واقفیت کی وجہ سے آپ کو میری طرف سے بد ظن کر دیا ھے ۔ اس کے جواب تو بہت ھیں ۔ لیکن سب سے آسان یہ ھے ۔ کہ آپ نے مجھے پچاس سال بعد آج یاد فرمایا ھے ۔ اور امراء اور شاھزادوں کے مقام و منصب سے بڑھا کر اپنے پاس لا کھڑا کیا ھے ۔ اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں امیروں اور وزیروں سے افضل ھوں ۔

---

۱ ۔ مقامات امام ربانی صفحہ ۸۴

میرا اصلی مقام تو وهی گھر اور پرانی مسجد هے - جو سرهند میں مشہور هے - مدت بعد ایک مرتبہ مجھے بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچایا گیا هے - اور امیروں کے مقام سے گزار کر آپ کا مقرب بنا دیا هے - اور پھر اسی گھڑی متنزل هوکر میں اپنے گھر چلا جاؤں گا - اور باقی عمر اپنے اصلی مقام پر بسر کروں گا - وزیر و امیر همیشه کے مقرب هیں - هم جیسے عمر بھر میں کہیں ایک مرتبہ کسی حاجت کے لئے آئے اور پھر چلے گئے - اصحاب کرامؓ آنحضرت صلعم کے همیشه کے مقرب تھے - هم جیسے طالب کبھی ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے اور اپنی حاجت طلب کرکے جلدی واپس چلے آئے اور اپنے اصلی مقام پر آ گئے - اور زندگی بھر اسی مقام میں رهیں گے - اس جواب سے بادشاہ بہت خوش هوا - اور آپ کو اعزاز و اکرام سے رخصت کیا - جب دشمنوں نے دیکھا که یه چال تو کارگر نہیں هوئی - تو اور چال چلے - اور بادشاہ کو عین مستی میں لکھا که شیخ احمد سرهندی کے پاس اس قدر مرید اور سپاہ هے که اگر وہ بادشاهی کا دعویٰ کرے تو کر سکتا هے - اور فلاں تاریخ میں لکھا هے که فلاں شیخ نے اپنے مریدوں اور مخلصوں کی کثرت کے سبب بادشاہ وقت کو دبا لیا - اور سلطنت چھین لی - بادشاہ اس بات سے ڈرا - اور آپ کو قید کر لیا ،، - ۱

اس اقتباس میں جو مثال دی گئی هے اس کا نیازمندانه رنگ یه بتا رها هے که یه مثال حضرت مجدد رح کی پیش کردہ نہیں هو سکتی - اس کے علاوہ ''مخفی طور پر،، - ''پرانی مسجد،، اور

---

۱ - مقامات احمدیه (مترجمه) صفحه ۶۴ - ۶۵

'بار گاہ، بھی قابل توجہ مقامات ھیں - یہی مصنف چار صفحوں کے بعد یوں رقم طراز ہے -

" دشمن انہیں بادشاہ کے حضور میں لے گئے - آپ نے عمدہ عمدہ جواب دئے - اور اس بارے میں ایک تمثیل پیش کی کہ مثلاً اگر آپ کسی احدی کو کسی خدمت کے لئے اپنے نزدیک بلائیں اس کے کان میں بات کہیں تو وہ ضروری پنج ہزاری کے مقام سے گزر کر آپ کے پاس آئے گا - لیکن آخر کار پھر اپنی ھی جگہ جا کر کھڑا ھو جائے گا - اور اس سے یہ تو لازم نہیں آتا - کہ احدی کا مرتبہ ہزاری سے زیادہ ھو گیا ہے - یہ جواب سن کر غصہ فرو ھو گیا - جب حاسدوں نے دیکھا کہ آپ رہا ھو گئے - تو پھر متفق ھو کر کہا کہ اس متکبر شیخ نے آپ کو سجدہ نہیں کیا - حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفہ حق ھیں - وہ تو رسمی تواضع بھی بجا نہیں لایا - اس کا سبب یہ ہے - کہ اس کے پاس مریدوں کی سپاہ کافی ہے - اور لوگ اس کے مخلص و معتقد ھیں - اس عام و خاص کے ازدحام سے ھو سکتا ہے کہ یہ فساد برپا کرے - اور بادشاھی میں خلل انداز ھو - ان کی یہ چال کارگر ھوئی - اور بادشاہ نے آپ کو نظر بند کر لیا - اس سے پیشتر شاھزادہ خرم نے جو آپ کا مخلص تھا - مفتیوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا - کہ تحت (سجدہ تحیت) سلاطین کے لئے جائز ہے - اگر آپ تواضع کریں گے تو بادشاہ کی طرف سے کوئی تکلیف آپ کو نہیں پہنچے گی - لیکن آپ نے فرمایا کہ یہ تو رخصت ھوئی - عزیمت اس بات کا نام ہے کہ غیر حق کو سجدہ نہ کیا جائے "[1] " آپ کے صبر و تحمل کی برکت سے آخر کار

---

۱ - مقامات احمدیہ (مترجمہ) صفحہ ۷۰

بادشاہ پشیمان ھوا اور آپ کو اعزاز و اکرام سے جلدی قید خانے سے نکال دیا ۔ اور پکا مخلص بنا ۔ آپ کو اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا ،، ۔۱

اس بیان میں تمثیل کی حد تک صداقت موجود ھے لیکن پکا مخلص ھونا اور اپنے آپ سے جدا نہ کرنا قابل قبول نظر نہیں آتا ۔

ھم مزید تحقیق کے لئے ڈاکٹر برھان الدین احمد کی کتاب ,, نظریۂ توحید ،، کا مطالعہ کرنا اور اس ضمن میں کوئی تحقیقی بات معلوم کرنا چاھتے ھیں ۔ شاید وھیں سے کوئی تسلی بخش جواب مل سکے ۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ھیں :

,,جھانگیر کے وزیر اعظم آصف جاہ نے جھانگیر کو مشورہ دیا ۔ کہ شیخ احمد رح کے باب میں احتیاط سے کام لے ۔ کیونکہ ان کا اثر ھندوستان ، ایران ، توران اور بدخشاں میں پھیلتا جا رھا ھے ۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاھیوں کو شیخ احمدرح کے مریدین کے پاس جانے اور عھد کرنے سے روکے ۔ نیز یہ کہ شیخ احمدرح کو نظر بند کر دیا جائے ۔ جھانگیر نے احکام نافذ کر دئے ۔ اور شیخ احمدرح ایک مشتبہ آدمی قرار پائے گئے ۔ جھانگیر نے یہ بھی طے کیا تھا ۔ کہ شیخ احمدرح کو نظر بند کیا جائے ۔ لیکن ان پر ھاتھ ڈالنا آسان کام نہ تھا ۔ بڑے بڑے امراء ان کا احترام کرتے تھے اور اُن کے معتقد تھے ۔ پس جھانگیر نے پہلے ان امراء کو ایک ایک کرکے دور دراز کے علاقوں میں بھیج دیا ۔ خان خاناں کو دکن میں بھیجا ۔ صدر جھان کو مشرق میں ۔ خان جھان کو مالوہ میں ۔ خان اعظم کو گجرات میں اور مھابت خان کو کابل میں ۔

---

۱ ۔ مقامات احمد یہ (مترجمہ) صفحہ ٦۳

اس کے بعد اُس نے شیخ احمد رح کو سرھند سے طلب کیا اور ان پر اپنے مکتوبات میں خلاف اسلام خیالات شائع کرنے کا الزام لگایا ۔ شیخ نے اس الزام کا جواب بہت وضاحت کے ساتھ پیش کیا لیکن جہانگیر کو تو کوئی عذر پیدا کرنا تھا ۔ اس نے شیخ سے سجدہ کا مطالبہ کیا ۔ شیخ نے سجدہ سے انکار کیا ۔ کیونکہ سجدہ صرف خدا کا حق ھے ۔ کسی غیر کا نہیں ۔ اس پر جہانگیر نے شیخ کو قید کرکے ۔ گوالیار بھیج دیا ۔ جہاں وہ دو سال نظر بند رھے ۔ شیخ کی اس قید نے مہابت خان کو کابل میں بہت مشتعل کیا ۔ اور اُس نے سکہ اور خطبہ سے جہانگیر کا نام نکال دیا ۔ اور اپنی چیدہ فوج لے کر ھندوستان پر حملہ آور ھوا ۔ کہا جاتا ھے ۔ کہ اُس نے جہانگیر کو دریائے جہلم کے کنارے گرفتار کر لیا ۔ مہابت خان اس سے بھی آگے بڑھتا ۔ مگر شیخ نے اس کو ھدایت کی ۔ کہ بادشاہ کی اطاعت کرو ۔ اور فتنہ و فساد کو فرو کرو ۔ اس پر مہابت خان نے بادشاہ کو رھا کر دیا ۔ اس واقعہ کے بعد فوراً گوالیار سے شیخ احمد کو رھا کر دیا گیا ۔ بادشاہ نے چاھا کہ شیخ سے ملاقات کرے ۔ مگر شیخ نے جواب دیا ۔ کہ جب تک میرے شرائط قبول نہ کئے جائیں میں ملاقات سے معذور ھوں ۔ شرائط یہ تھے ۔ اولاً سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے ۔ ثانیاً تمام مساجد جو منہدم کی گئی تھیں از سر نو تعمیر کرائی جائیں ۔ ثالثاً ذبح بقر کے امتناعی احکام منسوخ کئے جائیں ۔ رابعاً احکام شرع کو جاری کرنے کے لئے قاضی ، مفتی اور محتسب مقرر کئے جائیں ۔ خامساً جزیہ پھر جاری کیا جائے ۔ سادساً بدعات کو روکا جائے ۔ اور احکام شرع کو نافذ کیا جائے ۔ اور سابعاً وہ تمام لوگ جو اس جھگڑے میں محبوس کئے گئے تھے رھا کئے جائیں ۔

بادشاہ نے یہ شرائط منظور کر لئے۔ اور شیخ احمد آ کر بادشاہ سے ملے ۔ بادشاہ نے خلعت اور نذر پیش کی ۔ ازاں بعد شیخ چھ برس زندہ رہے اور بادشاہ ہر اہم امر میں ان سے خاص طور پر مشورہ لیتا تھا ،، ۔۱

ہمیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تاریخ کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے اور ان کا بیان ایک افسانہ ہو کر رہ گیا ہے ۔ امراء کو ادھر ادھر تبدیل کرنا کس حد تک صحیح ہے ، حضرت مجدد رح دو سال قید رہے یا چھ ماہ یا ایک سال ، مہابت خان نے کب اور کیوں جہانگیر کو گرفتار کیا اور کیوں اور کسطرح رہا کیا ، بادشاہ کے ساتھ حضرت نے کیا شرائط طے کئے ، ان تمام باتوں کے تصفیے کے لئے ہم تزک جہانگیری سے رجوع کرتے ہیں ۔ جہانگیر نے اپنے عہد کے حالات کو سن وار ترتیب دے کر لکھا ہے ۔ حضرت مجدد رح کی گرفتاری ۲ ۱۰۲۸ ھ میں ہوئی ہے اور رہائی ۳ ۱۰۲۹ ھ میں ۔ مہابت خان نے بادشاہ کو جہلم کے کنارے ۴ ۱۰۳۵ ھ میں گرفتار یا نظر بند کیا ہے اور اس قضیے سے نور جہان کی تدبیر سے بادشاہ نے اسی سال ۵ ۱۰۲۹ ھ میں رہائی پائی ۔

تزک جہانگیری کے مطالعے سے ذیل کی باتیں بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں ۔ کہ بادشاہ نے جب کہ وہ آگرے میں تھا ، حضرت مجدد رح کو سرہند سے ۲۳/۲۵ خورداد ۱۰۲۸ ، چودھویں

---

۱ ۔ بڑا حضرت مجدد رح کا نظریۂ توحید ۔ صفحہ ۳۸
۲ ۔ تزک جہانگیری ۔ صفحہ ۲۷۴
۳ ۔ تزک جہانگیری ۔ صفحہ ۳۱۲
۴ ۔ تزک جہانگیری ۔ صفحہ ۴۱۲
۵ ۔ ,, ,, ,, ۔ ,, ۴۲۲

سال جلوس میں طلب کیا اور انھیں انی رائے سنگھ دلن کے حوالے کر کے قلعۂ گوالیار میں قید کیا اور ۲۷/۲۰ خورداد ۱۰۲۹ ھ بمطابق پانزدھم سال جلوس گوالیار سے رھا کر کے اپنے پاس جب کہ وہ کشمیر میں تھا طلب کیا اور اسکے بعد حضرت مجدد رح بادشاہ کے ھمراہ ۱۰۳۲ ھ تک رھے اور اجازت ملنے پر سر ھند تشریف لائے اور ۲۸ صفر ۱۰۳۴ ھ کو وفات پائی اور اس کے پورے تین سال بعد یعنی ۲۸ صفر ۱۰۳۷ ھ کو جہانگیر نے رحلت کی ۔

ھم دیکھتے ھیں کہ جن دنوں حضرت مجدد رح گوالیار میں قید تھے ، ان دنوں مہابت خان ۱ بنگش کے افغانوں کی سر کوبی کے لئے بڑی مستعدی سے محو کار تھے ۔ انھیں دو سال پہلے وھاں متعین ۲ کیا گیا تھا اور جب بادشاہ کشمیر کی سیر کے لئے (پکھلی اور دھمتوڑ کی راہ سے) موضع سالکی ۳ میں پہنچا تو مہابت خان نے کابل سے آ کر ساٹھ ھزار کی مالیت کے جواھر اور مرصع آلات نذر کئے اور اسکے بعد اسے بادشاہ نے کابل واپس کر دیا اور یہ وھی زمانہ ھے جب جناب مجدد رح گوالیار میں قید تھے ۔ ھاں اتنی بات ضرور واضح ھے کہ اس کے فوراً بعد جناب مجدد رح کو گوالیار سے طلب ۴ کر لیا گیا ۔ ھو سکتا ھے کہ یہ رھائی مہابت خان کی سفارش پر مبنی ھو کیونکہ مہابت خان کی حاضری اور جناب مجدد رح کی رھائی کے بعد جہانگیر کے ھاں آمد میں صرف دو مہینوں کا فرق ھے ۔ ظاھر ھے کہ ان دنوں کے حالات سفر کے پیش نظر گوالیار

---

۱ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۳۱۲

۲ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۲۰۰

۳ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۲۹۳

۴ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۳۱۲

تک احکام شاہی کے پہنچنے اور جناب مجدد رح کی آمد کے لئے اتنا عرصہ ہی درکار ہو سکتا ہے ۔

مہابت خان [1] ۱۰۳۱ھ میں کابل سے واپس دارالحکومت آگرے میں بلائے گئے اور ان کی بغاوت [2] ۱۰۳۵ھ میں ہوئی جب کہ جناب مجدد رح کی رہائی کو چھ سال گزر چکے تھے اور ان کے وصال کو بھی ایک سال ہو چکا تھا ۔ اب اس بغاوت کو ۱۰۲۸ھ میں متعین کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور کہاں تک اسکی تصدیق ہو سکتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مہابت خان نے شاہ جہان کی بغاوت میں شہزادہ پرویز کی معیت میں جو خدمات سر انجام دی تھیں اور جن کے صلے میں انھیں بادشاہ نے خانخانان [3] سپہ سالار کا خطاب دیا تھا ، اس اقتدار اور روز افزوں طاقت سے نور جہان اور اسکے بھائی کو بھی ایک خطرہ محسوس ہوا اور اس طرح مہابت خان کے داماد [4] خواجہ برخوردار نقشبندی کی بے عزتی کی گئی ۔ اسے کوڑے لگائے گئے اور اسکے بعد آصف خان نے مہابت خان کو دربار میں بلا کر مزید ذلیل کرنا چاہا ، جس پر مہابت خان نے کمال دانش مندی کے ساتھ حاضر ہو کر جہلم کے کنارے موقع پاکر بادشاہ کو گرفتار کرکے نظر بند کر دیا اور کابل کے سفر سے واپسی تک نظر بند رکھا اور اسی سال نور جہان کی تدبیر [5] سے بادشاہ نے دریائے جہلم کے کنارے ہی اس نظر بندی سے خلاصی پائی ۔

---

۱ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۳۵۲
۲ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۴۱۲
۳ ۔ تزک جہانگیری ۔ صفحہ ۴۰۰ ۔ سال جلوس ۱۹
۴ ۔ " " ۔ " ۴۱۲ ۔ " " ۲۰
۵ ۔ " " ۔ " ۴۲۲ ۔ ۴۲۳

اسی طرح دوسرے امراء کی ادھر ادھر کی تعیناتی بھی جناب مجدد رح کی طلبیٔ دربار سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ۔

ڈاکٹر برھان الدین احمد صاحب نے جیسا کہ انھوں نے بتایا ھے زیادہ تر روضۃ القیومیہ پر بھروسہ کیا ھے اور اسی طرح دوسرے سوانح نگار حضرات کا انحصار بھی اس کتاب پر نظر آتا ھے ۔ راقم الحروف کے نزدیک روضۃ القیومیہ کے وجود کی تاریخی حیثیت تو مشتبہ نہیں لیکن اس کے اکثر بیانات حقیقت سے دور اور دروغ مصلحت آمیز کی حیثیت رکھتے ھیں جیسا کہ بیان کردہ چند شواھد سے بھی پتا چلتا ھے ۔ بہر حال ڈاکٹر برھان الدین احمد صاحب اگر تزک کو دیکھ لیتے یا کسی اور مستند تاریخ سے حضرت مجدد رح کی گرفتاری اور جہانگیر کی مہابت خاں کے ھاتھوں نظر بندی کے درمیان سات سالوں کے فرق کو معلوم کر لیتے تو ان سے یہ فاش غلطی کبھی بھی سر زد نہ ھوتی ۔ انھوں نے نذر پیش کرنے اور خلعت کے ضمن میں تزک کے صفحہ ۳۰۸ کا حوالہ دیا ھے لیکن دوسرے حالات کے لئے انھوں نے تزک سے رجوع نہیں کیا ۔ بادشاہ کے مشورہ لینے کے ضمن میں مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب ۴۳ ، ۴۴ کو انھوں نے حوالے کے لئے پیش کیا ھے اور یہ حوالہ بھی غلط ھے ۔

حقیقت یہ ھے کہ جہانگیر کو حضرت مجدد رح کی بڑھتی ھوئی مقبولیت سے ایک طرح کا خدشہ تھا ۔ اس نے درویشوں سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ھے لیکن جدروپ وغیرہ جیسے بےسر و سامان اور تارک الدنیا فقیروں اور جوگیوں کو وہ خدا رسیدہ سمجھتا رھا ۔ وہ دوسرے مغل حکمرانوں کی طرح اپنی قلمرو میں کسی صاحب تصرف

اور مقبول عام صوفی کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔
بیشک آصف جاہ اور دوسرے منہ چڑھے امراء نے بادشاہ کو بھڑکایا
ہوگا کیونکہ حضرت مجدد رح کی تعلیمات اور سلسلۂ تبلیغ ان کے عقائد
اور اقتدار کے لئے خطرناک صورت کا حامل تھا۔ اس طرح جہانگیر
نے حضرت مجدد رح کو سر ہند کے حاکم کی معرفت بلا بھیجا اور
اس طرح سجدۂ دربار کا معاملہ بھی مزید الجھن کا باعث بن گیا ہوگا
جیسا کہ جہانگیر کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ ''شیخ نہایت
مغرور اور خود پسند ظاہر ہوا'' حضرت مجدد رح کی رہائی کےلئے ممکن
ہے کہ امراء کی جانب سے کوئی سفارش یا کوئی اور وجہ سبب
ہوئی ہو۔ لیکن یہ بات نہایت واضح ہے کہ جہانگیر نے آپ کو
کسی عقیدت کی بنا پر رہا نہیں کیا اور نہ ہی اسکے بعد اعتقاد کا
اظہار کر کے نجات اُخروی کا امیدوار بنا ہے۔ شاہ جہان کو حضرت
مجدد رح سے عقیدت تھی۔ اس نے ان کے دربار میں آنے سے پہلے ہی
افضل خان[1] اور خواجہ عبدالرحمان مفتی کو ان کے پاس
بھیج کر پیغام دیا تھا کہ 'علما سجدۂ تحیت جہت سلاطین جائز
داشتہ اند۔ شما را باید کہ وقت ملاقات بادشاہ را سجدہ کنید۔ و من
ضامن میشوم کہ از سلطان بہ شما ضررے نخواہد رسید'۔[2] حضرت
مجدد رح نے جواب دیا کہ ''عزیمت آں است کہ بجز خدائے عز و جل
دیگرے را سجدہ نکردہ شود'' اور اس کے نتیجے میں انہیں قید و بند

---

۱ - ''ایلام محبوب از انعام او زیباتر است - ہرچند یاران خیر اندیش در
نسبت اسباب خلاصی کوشیدند سود مند نیامد'' مکتوبات دفتر سوم
مکتوب ۱۵ بنام میر محمد نعمان! ہو سکتا ہے ان یاروں میں افضل خان
اور شاہ جہان بھی شامل ہوں -

۲ - تذکرۂ علمائے ہند

سے دو چار ہونا پڑا - جہانگیر نے انہیں رہا کرنے کا ذکر کر کے
لکھا ہے کہ ”در رفتن و بودن مختار گردانیدم“ لیکن یہ بات بھی
جہانگیر کی اور کئی باتوں کی جھوٹ سے لبریز اور مغلیہ حکمت عملی
کا ایک شاہکار ہے - جہانگیر نے حضرت مجدد رح کو آخری وقت تک
نظر بند رکھا ہے[1] اور یہی نظر بندی حضرت مجدد رح کی عظمت کی
دلیل اور ان کی شخصیت کے کمال کی دلیل ہے جسے ارادات مندوں
نے اپنی غلطی سے حضرت کے علو شان کے منافی سمجھ کر سو حیلوں
بہانوں نے چھپانا چاہا ہے اور جہانگیر کو حضرت رح کا مرید ظاہر
کر کے ان کی عظمت کا اظہار کیا ہے لیکن اس بات کو نظر انداز
کر گئے ہیں کہ جہانگیر کے مزاج میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی
واقع نہیں ہوئی - وہ آخری دم تک شراب کا رسیا اور عیش و عشرت
کا دلدادہ رہا ہے اور ہمیں اسکی زندگی میں نقشبندی مرید کے کوئی
واضح آثار نہیں ملتے اور ان آثار کی عدم موجودگی میں اسے حضرت رح
کا مرید خاص قرار دینا ایک طرح سے حضرت رح کے فیض اور

---

١ - صرف نظر بند ہی نہیں رکھا بلکہ ان کے مال و اسباب ، کتابوں
اور جائداد کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے - جناب نے گرفتاری
کے فوراً بعد جو مکتوب اپنے صاحبزادے محمد معصوم رح کو لکھا
ہے اس میں یہ تلقین کی ہے کہ راضی بہ رضا رہیں اور اپنی
والدہ سے بھی یہی کہیں ”غم حویلی و سرا و چاہ و باغ و
کتب و اشیائے دیگر خود سہل است باید کہ ہیچ چیز مزاحم
وقت شما نشود - و غیر از مرضیات حق جلا و علا مراد و مرضی
شما نباشد - اگر ما مے مردیم ایں ہمہ اشیاء مے رفت کہ در حیات
ما رفتہ باشد ہیچ فکر نہ کنند.... والدہ خود را تسلی دہند“
مکتوبات دفتر سوم - مکتوب ٢ -

تصرف باطنی کا انکار کرنا ھے جو تاریخی شواھد کی روشنی محل نظر ھے۔ ھاں اتنی بات ضرور ھے کہ ’’ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رھتا تھا۔ اور اسکے دل میں مذھب کا بڑا جوش تھا۔ عجب نہیں کہ اس میں حضرت رح کی تعلیمات کو بھی دخل ھو ‘‘ ۔[۱] جہانگیر پندرھویں سال جلوس کے واقعات میں یعنی جس سال حضرت رح کو رھائی ملی، علاقہ راجوری (کشمیر) کے بعض مسلمان راجپوتوں کی نسبت لکھتا ھے :

’’ زمینداران این جا را راجہ مے گویند ۔ سلطان فیروز مسلمان کردہ ۔ و مع ذالک خود را راجہ مے گویند و ھنوز بد عتہائے ایام جہالت درمیان آنہا مستمراست ‘‘۔

وہ ان بدعتوں کا ذکر کرتا ھے اور ان کی ممانعت کا حکم دیتا ھے ۔ قلعۂ کانگڑہ کی فتح پر وھاں شعائر اسلام کی بجا آوری ، بانگ نماز ، خواندن خطبہ و کشتن گاؤ وغیرہ اپنے حضور میں عمل میں لاتا ھے اور قلعے کے باھر مسجد عالی کی تعمیر کا حکم دیتا ھے ۔ بات اس حد تک درست ھے ۔ لیکن ھمیں اس بات سے اتفاق نہیں ھے کہ ’’ قید خانے سے رھائی کے بعد جہانگیر نے حضرت مجدد رح کو اجازت دی تھی کہ وہ چاھیں تو لشکر کے ساتھ رھیں اور چاھیں تو گھر چلے جائیں ۔ آپ نے لشکر کے ساتھ رھنا قبول کیا ‘‘ ۔[۲]

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱٦٦

۲ - رود کوثر صفحہ ۱٦۴ -

آپ کے لشکر میں رہنے سے خدا کو یہ امر منظور تھا کہ اس طرح عام ہدایت کے لئے گنجائش پیدا ہو جائے گی اور تبلیغ کے لئے آسانی ہو جائے گی - لیکن لشکر کی ہمراہی رضا بہ تقدیر الٰہی کے طور پر تھی حضرت کی اپنی مرضی اور ارادے اور اختیار سے نہیں تھی - جب آپ بادشاہ کے ہمراہ ۱۰۳۲ھ میں اجمیر شریف پہنچے تو ایک دن آپ نے ''حضرت خواجہ کے مزار پرانوار پر تا دیر مراقبہ فرمایا - بعدہ جب باہر تشریف لائے - فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ رحہ نے طرح طرح کے اسرار و بھید ظاہر کئے اور یہ بھی کہا کہ اپنی خلاصی کا فکر نہ کرو اور اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو کہ اتنے میں ایک مجاور حضرت خواجہ کے مزار کا قبر پوش لایا اور حضرت کے حوالے کیا - حضرت نے اس کو خادم کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو میرے کفن کے واسطے رکھ چھوڑو - اس کی تھوڑی مدت کے بعد حضرت کو سلطان نے رخصت کر دیا . . . .''-[1] یہ خلاصی اور رخصت کس امر کی غمازی کرتی ہیں -

زبدۃ المقامات میں 'آپ کی وفات کا بیان' کے زیر عنوان یوں مذکور ہے : ''ہجرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام سے ۱۰۳۴ھ تھا اور عمر شریف آپ کی بشمار احمد ؐ ترپن سال کی تھی کہ ایک روز آپ نے خاص دوستوں کو بلا کر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے اور ملہم کیا ہے کہ ہماری قضائے مبرم ترسٹھ ہے ، آپ اس بات سے بہت خوش تھے کہ کمال اتباع جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام ، عمر میں بھی آپ کو مطابقت نصیب ہوئی اور کہ اسی طرح حضرت صدیق رضؓ حضرت عمرفاروق رضؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ

---

۱ - مقامات امام ربانی صفحہ ۸۵ -

کی عمروں کے ساتھ مطابقت نصیب ہوئی - ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے ہوئے تھے - فرمایا آثار انتقال ظاہر ہوتے جاتے ہیں - مخدوم زادے اس وقت سرہند میں تھے - شفقت نامہ بھیج کر آپ نے سب کو بلالیا کہ ایام انقضائے عمر نزدیک ہیں - چند روز تک آپ نے دونوں مخدوم زادوں کو خلوت میں بلا کر فرمایا کہ مجھے اب مطلق اس جہاں سے دل بستگی نہیں رہی ہے - اب اس جہان میں جانا چاہئے - جانے کے آثار بھی مشہود ہو رہے ہیں - مخدوم زادے باہر نکلے تو احقر کو غم و حزن کے آثار ان کے چہروں سے نظر آئے - اور گلے میں گویا رونے کی آواز بندھی ہوئی تھی - خادم نے گستاخی کر کے استفسار کیا - تو بوجہ بے آرامی و ناشکیبائی اس عاشق و شیدا کے جو اس خبر وحشت اثر سے لاحق ہوئی تھی بندہ کو بھی خلوت میں طلب کیا اور اس قضیہ کا اظہار فرمایا - چونکہ آپ نے اس واقعہ سے فرزندان عالی قدر کا حزن و اندوہ ملاحظہ کیا اور نیز آپ جانتے تھے کہ ایام وصال کا زمانہ ایک سال دراز ہوگا - اس لئے آپ نے پھر مخدوم زادوں کو بلا کر فرمایا کہ بھئی چند عرصہ تک اور ایک کام کے انجام کے لئے مجھے دیا ہے - اس نوید کے سننے سے مخدوم زادے اور نیز یہ عاشق دلفگار متبہج و مسرور ہوئے اور ہم اس نوید سے کئی برسوں کے امیدوار ہوگئے - جن دنوں کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہٗ کے روضۂ شریفہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے - مدت تک آپ محاذی صدر اس صدر الاولیا کے مراقب بیٹھے رہے - جب مراقبہ سے اٹھے فرمایا - حضرت خواجہ صاحب نے اعطاف و اشفاق بہت کئے اور تبرکات خاص سے ضیافت کی اور اسرار و معارف درمیان میں لائے - انہیں اسرار و معارف میں سے ایک یہ

بات تھی ۔ کہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ نظربندی[۱] لشکر سے خلاصی کی سعی کبھی نہ کرنا اور اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سپرد کئے رہنا ۔ اسی وقت خادمان مزار فائض الانوار آن کر آپ سے دست بوس ہوئے اور قبر پوش روضۂ متبرکۂ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ جو ہر سال اتارا جاتا تھا ۔ اس دفعہ اسی روز آتار کر آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کیا کہ یہ آپ کے سزاوار ہے ۔ آپ نے بادب تمام اسے قبول کرکے خادم کو دیا اور آہ سرد کھینچی اور فرمایا ۔ اس سے نزدیک تر خواجہ صاحب کے کوئی لباس نہ تھا ۔ لامحالہ وہ مجھے عنایت کیا ۔ یہ ہمارے کفن کے لئے محفوظ رکھو ۔ ۔ ۔'' ۔[۲]

یہی صاحب لکھتے ہیں ''آخیر عمر میں تین سال کے عرصے میں لشکر سلطانی کی ہم راہی میں بعض بلاد پر آپ کا گذر ہوا ہے اور اس ضمن میں ان بلاد کے بعض لوگ آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے ہیں'' ۔[۳] آپ اندازاً تین سال سے زائد اور چار سال سے کم عرصے تک شاہی لشکر کے ہمراہ رہے ۔ (۱۰۲۹ھ تا ۱۰۳۲ھ) ۔

متنازعہ فیہ مکتوب اور اس کی تنقید و تشریح سے متعلق ہم مکتوبات کے زیر عنوان بحث کریں گے ۔ بہرحال اتنی بات واضح ہے کہ مکتوب یازدہم ۱۰۱۲ھ سے جو کہ حضرت خواجہ باقی اللہ رح کا سن وصال ہے ، پہلے کا ہے ۔ اس لحاظ سے جہانگیر نے جناب مجدد رح کو اس خط کے ۱۶ سال بعد دربار میں طلب

---

۱ - ''از ہم راہیٔ لشکر بعنایت اللہ سبحانہ مخلصی میسر شدہ است'' مکتوبات دفتر سوم مکتوب صفحہ ۱۰۵ بنام شیخ حسن برکی

۲ - زبدۃ المقامات (مترجم) صفحہ ۲۷۲ -

۳ - زبدۃ المقامات صفحہ ۱۶۱ -

کیا ھے - اب اس سے بخوبی اندزہ ھوسکتا ھے کہ یہ طلبی اس مکتوب کی بنا پر تھی یا اس کے پس پردہ کچھ اور عوامل مصروف کار تھے - ھمارے لئے یہ باور کر لینا نہایت مشکل ھے کہ ان سولہ سالوں کے دوران میں عوام کو اس مکتوب کا علم نہیں ھوا ھوگا اور انھیں دنوں اس کی آگاھی ھونے پر ''فتنۂ عظیم'' برپا ھوگیا - حق یہ ھے کہ یہ مکتوب اور اسی طرح دوسرے مکتوبات حضرت خواجہ باقی اللہ رحہ کی زندگی ھی میں کافی مشہور ھوچکے تھے - نیز دفتر اول ۱۰۲۵ھ میں مرتب ھو چکا تھا -

فصل چہارم

اکبری الحاد کا استیصال

شیخ محمد اکرام صاحب رود کوثر کے صفحہ ۱۶۹ پر لکھتے ھیں ”آج سے تیس سال پہلے سوائے مجددیہ حضرات کے کوئی اھل علم اس امر کا قائل نہ تھا کہ حضرت مجدد رح نے عہد اکبری کی بد مذھبی کا خاتمہ کیا۔ یہ صحیح ھے کہ روضۃ القیومیہ اور حضرت مجدد رح کی بعض سوانح عمریوں میں جو ان کی وفات کے بہت بعد ان کے معتقدوں نے لکھیں۔ اس امر کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ لیکن علمی حلقوں میں اس خوش اعتقادی کو اس قدر اھمیت دی جاتی جس قدر علاء الدین خلجی کے متعلق نظامی حضرات کے اس دعویٰ کو کہ اس کی فتوحات میں سلطان المشائخ رح کا ھاتھ تھا۔ یا مغلوں کے متعلق شطاریوں کے اس بیان کو کہ سورافعانوں پر انھیں فتح حضرت غوث گوالیاری رح کی مدد سے ھوئی۔

حضرت مجدد رح کے متعلق ان کے بعد ھمارے بہترین علما و صلحا مثلاً شاہ ولی اللہ رح ، شیخ نور الحق ابن شیخ عبد الحق محدث رح اور مرزا جان جانان مظہر رح نے اپنے خیالات قلم بند کئے اور یہ خیالات عقیدت مندانہ تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے حضرت مجدد رح کو اکبری الحاد کا قاطع قرار نہیں دیا۔ علمی حلقوں میں یہ دعویٰ سب سے پہلے آج سے تیس سال قبل مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا۔ انھوں نے تذکرہ میں لکھا 'عام طور پر سمجھا جاتا ھے کہ

ان کی (یعنی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی) تجدید محض رد بدعات جہاں صوفیہ و تحقیق بعض معارف تصوف و اعلان و اشتہار توحید شہودی میں محضر ہے - حالانکہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے ، اور پھر آگے چل کر "مفاسد وقت کی اصلاح و تجدید" کے سلسلے میں حضرت مجدد رح کے کارنامے اس جوش و ولولے سے بیان کئے کہ خاص و عام کو یقین ہو گیا کہ عہد اکبری کی بدعات کے قاطع حضرت مجدد رح ہی ہیں - اس کے بعد کسی مورخ نے اس مسئلے پر محققانہ نظر نہیں ڈالی اور چونکہ اقبال رح کے فلسفہ اور ہماری روحانی زندگی کے موجودہ رحجانات کی وجہ سے تمام وہ حضرات ، جنھوں نے اخلاقی جرأت اور جلالی شان دکھائی خاص و عام میں مقبول ہیں - اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی بڑی خوشی سے پیروی ہوئی اور آج عوام الناس ہی نہیں بلکہ اہل علم حضرات بھی اکبری الحاد کا قاطع حضرت مجدد رح کو قرار دیتے ہیں - مذہبی معاملات میں مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے جس ادب و احترام کی مستحق ہے ، ظاہر ہے - لیکن کئی قوی قیاسات اور شواہد ایسے ہیں جن کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ حضرت مجدد رح سے متعلق ان کا دعویٰ محل نظر ہے" -[1]

نظامی حضرات اور شطاریوں کے دعووں کی تصدیق یا تردید ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن اکبری الحاد اور حضرت مجدد رح کا اس الحاد کو مٹانے کے موضوع پر ہم ذرا تفصیل سے اظہار خیال کریں گے - لہٰذا اکبری الحاد کیا تھا ؟ اس کا ایک مختصر خاکہ کھینچنے کی ضرورت ہے -

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱۷۰ -

" ملا بدایونی کی رائے ہے کہ بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش
کرنا چاہتا تھا ۔ اسنے اپنا رخ اسلام سے پھیر لیا تھا ۔ علماء سوء
کی جو اس کی مورد عنایات بننے کے لئے ہر بات کر سکتے تھے
ہمت افزائی کرتا تھا ۔ اس نے اپنے گرد و پیش ایسے لوگوں کو جمع
کر لیا تھا جو حقیقتاً وحی اور شرع کے منکر تھے ۔ وحی پر عقیدہ
رکھنے کو کورانہ تقلید یعنی ایسی ادنیٰ ذہنیت بتایا جاتا تھا جو
صرف جاہلوں کے مناسب حال ہو ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اکبر نے
اس سے بھی تجاوز کیا اور علی‌الاعلان اسلام کی مخالفت شروع
کر دی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ احکام اسلام محض عارضی اور
بے دلیل ہیں ۔ اس زمانہ میں جب عقائد اسلام اور مسائل دین
کے متعلق بدگوئی اور ان پر ہر طرف سے اعتراضات شروع ہوئے تو
بہت سے بد بخت ہندؤں نے اور ہندو زدہ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام ص
پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنی شروع کی ۔ علماء سوء اپنی
تصنیفات میں شہنشاہ کی عصمت کا اعلان کرتے تھے اور خطبۂ کتاب
میں صرف توحید کے بیان پر اکتفا کرتے ۔ بادشاہ کے القاب و خطابات
لکھ دیتے تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ جناب رسالت مآب
صلی اللہ علیہ و صلم کا نام علی‌الرغم‌الکذابین خطبہ میں لیتا ۔ یہ حالات
تھے ۔ تمام ابتری پھیل گئی تھی اور ہر طرف فتنہ اور فساد نے
سر اٹھایا تھا اور اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں کے ذلیل لوگوں نے بادشاہ کے
روحانی اتباع کا طوق اپنی گردن میں ڈال کر ارادت کا دعویٰ
کیا تھا ۔ بادشاہ قرآن کا منکر ہو گیا تھا ۔ حیات بعدالموت اور
یوم جزا کا انکار کرتا تھا ۔ اس سے بڑھ کر اس نے حکم دیدیا تھا
کہ لاالہ‌الااللہ‌محمدرسول‌اللہ کی جگہ لاالہ‌الااللہ اکبرخلیفۃاللہ علی‌الاعلان
پڑھا جائے ۔ لیکن اس سے فتنہ پیدا ہوا اس لئے مصلحت یہ قرار پائی

اس کلمه کا استعمال حرم سرائے کی چہار دیواری میں محدود رکھا جائے - سجدہ جسے اسلام نے صرف اللہ کے لئے مخصوص کیا ھے بادشاہ کے لئے لازم قرار دیا گیا - شراب ھلال کی گئی - سور کا گوشت شراب کا جز بنایا گیا - جزیه موقوف کر دیا گیا - گائے کا گوشت حرام قرار پایا - کتے اور سور کے بچوں کی پرورش کو خاص طور پر رواج دیا گیا اور وہ مظہرالٰہی قرار پائے - صوم و صلوٰۃ اور حج منسوخ کر دئے گئے - تقویم اسلامی کے بدلے الٰہی ماہ و سال رائج کئے گئے - اور کہا گیا کہ اسلام اب ایک هزار سال کے بعد ختم هو چکا - عربی کے مطالعه کو به نظر تحقیر دیکھا جانے لگا - اذان اور نماز باجماعت جو اسلام کے حکم کے مطابق پانچ وقت دیوان حکومت میں هوتی تهی سوقوف کر دی گئی - اس طرح کے نام جیسے احمدؐ ، محمد مصطفیٰؐ جو رسول اللهؐ کے مختلف نام هیں - بادشاہ پر گراں گزرنے لگے اور ان کا منه سے نکالنا جرم هو گیا - مساجد اور نماز کے کمرے گوداموں اور هندؤوں کی چوکیوں میں تبدیل کر دئے گئے -

مسلمان اذیت میں مبتلا تهے - کافر علی‌الاعلان اسلام اور مسلمانوں کا استہزا کرتے تهے - هر کوچه اور بازار میں هندؤوں کی رسمیں منائی جاتی تهیں اور مسلمانوں کو احکام اسلام بجا لانے کی اجازت نه تهی - جب هندو برت رکھتے تهے تو حکم تها که مسلمان بهی علی‌الاعلان کهائیں پیئیں نہیں لیکن هندؤوں کو اجازت تهی که وہ رمضان میں علی‌الاعلان کهائیں اور پیئیں - بعض مقامات پر عیدالاضحیٰ کے موقعه پر مسلمان گائے ذبح کرتے تو اس کے بدله میں ان کی جان لی جاتی - بعض مقامات پر مساجد کو منہدم کرکے

ھندؤوں نے ان کی جگہ مندر تعمیر کر لئے ''۔[۱]

جناب ڈاکٹر برھان‌الدین نے ان معلومات کے لئے منتخب‌التواریخ جلد دوم کو اپنا ماخذ قرار دیا ھے۔

شیخ محمد اکرام صاحب اس بدمذھبی کا ذکر یوں کرتے ھیں :

''محضر میں اس امر کی تصریح کر دی گئی تھی ۔ کہ امام عادل کو مجتہدین اور علماء سے انھی امور میں زیادہ اختیارات ھونگے جو نص شرعی کے مخالف نہ ھوں اور عوام کی خوشحالی کا باعث ھوں۔ لیکن عملی طور پر ان شرائط کی پابندی نہ ھوئی ۔ خوشامدی درباری ھر نئی بات کی تائید میں کوئی روایت ، کوئی قول شرعی نقل کردیتے اور بہت سی ایسی چیزیں اختیار ھو گئیں جو نہ نص شرعی کے موافق تھیں نہ ''ترفۂ عالمیان'' کا ذریعہ ۔ اس کے علاوہ چونکہ اب ''عبادت خانہ'' کی محفلوں میں مسلمان علماء کے ساتھ پرتگیز پادری ، پارسی دستور اور جین سادھو بھی شریک ھو گئے تھے اور ان میں سے پرتگیز پادری اسلام اور بانئ اسلام کے خلاف نہایت ناگوار باتیں کہتے ۔ اس لئے ملک میں دربار کی نئی روش کے خلاف بڑی بے چینی پھیل گئی ۔ آئین دربار میں بھی ایک دو ایسی جدتیں ھوئیں جن سے یہ بدگمانیاں اور بڑھ گئیں اور جونپور کے قاضی‌القضاۃ ملا محمد یزدیؒ نے علی‌الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بد مذھب ھو گیا ھے ۔ اس پر جہاد واجب ھے ۔ دربار میں قطب‌الدین خان کوکہ اور شہباز خان کنبوہ نے بڑی جرآت سے بادشاہ کو سمجھایا لیکن حکومت اور اقتدار کا نشہ برا ھوتاھے ۔ اکبر اور بگڑا ۔ قطب‌الدین خان

---

۱ ۔ نظریۂ توحید صفحہ ۳۳ ۔

اور شہباز خاں کو برا بھلا کہا اور ملا محمد یزدی رح اور معزالملک وغیرہ کو ایک بہانے سے بلا بھیجا۔ جب وہ آگرہ سے دس کوس پر فیروز آباد پہنچے تو حکم بھیجا کہ ان دونوں کو الگ کر کے دریائے جون کے راستے گوالیار پہنچا دو۔ جہاں مجرمان سلطنت کا جیل خانہ تھا۔ پھر حکم ہوا کہ ان کا خاتمہ کر دو۔ چنانچہ پہرے داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں ڈالا تھوڑی دور آگے جا کر گرداب کی گود میں دفن کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد قاضی یعقوب بھی بلائے گئے اور انھیں اور دوسرے علماء کو جن پر شبہ تھا ایک ایک کرکے عدم کے تہ خانے میں بھیج دیا ''۔[1]

شیخ صاحب اس کے بعد اکبر کے مذہبی معلومات اور دین الٰہی پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس دین کو صرف چند افراد تک محدود کرتے ھیں اور اس بات کی پر زور حمایت کرتے ھیں کہ اکبر مرتے وقت صحیح‌العقیدہ مسلمان کی طرح مرا تھا۔ ھو سکتا ھے کہ یہ دونوں باتیں درست ھوں۔ لیکن اکبر کے بعد حکومت میں مذہب کے بارے میں ھر نئی بات کو اپنی مرضی کے مطابق ھونے پر قبول کرلینے کی جو بےعنانی کی ھوا چلی تھی اس کا سدباب اکبر کے دین الٰہی کے محدود ھونے سے یا اکبر کے صحیح‌العقیدہ مسلمان کی طرح مرنے سے نہیں ھو سکتا اور نہ ھی شیخ اکرام صاحب کا ذیل کا بیان تمام تر درست ھے۔

''اس وقت اسلام کے لئے اکبر کے عقائد سے بھی زیادہ اھم مسئلہ اس کے جانشین کے مذھب کا تھا۔ اکبر کا جانشین جہانگیر ھوا اور اس نے عہد اکبری کے اکثر قواعد کو جو شرع اور

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۵۹ - ۶۰

اسلام کے خلاف تھے موقوف کر دیا ۔ اکبر کی زندگی کے آخری ایام میں کوشش ہو رہی تھی کہ جہانگیر کے بجائے اس کا بیٹا خسرو اکبر کا جانشین ہو ۔ خسرو کی بیوی خان آعظم کی بیٹی تھی اور وہ راجہ مان سنگھ کا بھی قرابت‌دار تھا ۔ ان دونوں نے اس کے حق میں کوشش کی لیکن شیخ فرید بخاری نے جنھیں بعد میں نواب مرتضیٰ خاں کا خطاب ملا ۔ اور دوسرے مسلمان امراء نے اس موقع پر بڑی قابلیت دکھائی ۔ انھوں نے نہ صرف جہانگیر کی تخت نشینی کا انتظام کیا بلکہ نئے بادشاہ سے اس بات کا وعدہ بھی لیا کہ وہ قوانین اسلام کا احترام کرے گا ،، ۔[۱]

جہانگیر نے کون سے خلاف شرع قوانین کو موقوف کیا ہے ۔ یہ امر تفصیل و توضیح کا محتاج ہے ۔ اکبر نے سجدے کو رواج دیا تھا ، وہ جہانگیر کے عہد میں بدستور قائم رہا بلکہ اسے عین سعادت دارین سمجھا جاتا رہا ۔ اکبر نے اپنے مریدوں کو بیعت کرنے کا ایک خاص طریقہ وضع کیا تھا ۔ ان مریدوں کو چیلے کہتے تھے ۔ یہ طریقہ جہانگیر کے عہد میں بھی جاری رہا ۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت کے لئے جہانگیر کی خود نوشت تزک سے بکثرت حوالے موجود ہیں ۔ شاید ہی کوئی امیر ، وزیر یا معزز شخص ہوگا جو جہانگیری دربار میں حاضر ہوا ہو اور اس نے زمین بوسی کی سعادت حاصل نہ کی ہو ۔ خاص کر جب امراء دور دراز کے علاقوں سے فتوحات کرنے کے بعد واپس آتے تو دربار میں حاضری پر زمین بوسی سے مشرف ہوتے ۔ جہانگیر ان باتوں کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اسے اپنی رعایا کے لئے ایک سعادت

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۴۷ ۔

سمجھتا ھے اور اسی مزاج کی رو سے جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی رح کی خود پسندی نہایت گراں گزری اور اس نے اس گوھر یک دانہ کی قدر نہ جانی ۔

شیخ محمد اکرام صاحب یہ واضح کرنے کے بعد کہ اکبر نے اپنے خدا یا نبی ھونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا رقم طراز ھیں ۔ ''لیکن اس کے باوجود یہ بھی صحیح ھے کہ اس نے فقط اسلام اور مسلمانوں سے ھی نہیں بلکہ دوسرے مذھبوں اور دوسری قوموں سے اخذ فیض کی کوشش کی اور کئی ایسی باتیں اختیار کیں ۔ جو شعائر اسلامی کے خلاف تھیں ۔ سیاسی مصلحت سمجھئے یا طبیعت کا لگاؤ ۔ اس نے کئی ایسے قوانین وضع کئے جن کی ھندو اور جینی حمائت کرتے تھے اور عام طور پر یہ نظر آتا ھے کہ جب کسی بات پر اکبر کے تورانی آباء کا مسلک اور ھندو رسم و رواج ایک ھوتے (مثلاً بھدرہ کے معاملے میں) تو وہ اسے اختیار کر لیتا ۔ خواہ وہ اسلامی رسم و آئین کے کتنی ھی خلاف ھو '' ۔[۱]

ھم کہتے ھیں کہ جہانگیر اپنے باپ کی طرح اسی مزاج کا تھا ۔ اس کے عہد میں بھی تقویم اسلامی کے بدلے الٰہی ماہ و سال کا دور دورہ رہا ھے ۔

شیخ صاحب یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اکبر کے ساتھ ھی اس کی بد مذھبی اور بدعات کا خاتمہ ھوگیا تھا اور حضرت مجدد رح سے پہلے ھی ایک طرح سے اصلاح دین ھو چکی تھی یوں اظہار خیال کرتے ھیں ۔

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۷۹ - ۸۰ -

"اکبر کے آخری ایام میں خان اعظم وکیل مطلق اور امیرالامرا تھا - وہ دربار کا سب سے با اقتدار امیر تھا - بادشاہ کی مہر اس کی تحویل میں تھی - دارلخلافے میں بخشی شیخ فرید نے بادشاہ کا بڑا اعتماد حاصل کر لیا تھا - لاھور کا گورنر قلیج خان جس کی بیٹی سے اکبر کا ایک بیٹا دانیال بیاھا ھوا تھا سخت متشرع مسلمان تھا - دکن میں مرزا عبدالرحیم خان کسی قدر آزاد خیال تھا - لیکن وہ بھی خواجہ باقی اللہ رح کا معتقد اور عام طور پر اسی گروہ کے ساتھ تھا - ان امراء اور ان کے رفقائے کار نے ملک کی فضا کو بگڑنے نہ دیا اور ملک کے کسی خطے میں ضعف اسلام کی کوئی شہادت نہیں ملتی . . . "- [۱]

تزک جہانگیری کے مطالعے سے تو صورت حال یوں نظر آتی ھے کہ یہ امیر خود جہانگیر کے عہد میں بھی سر دربار بادشاہ کو سجدہ کرنا سعادت سمجھتے رھے ھیں اور انھیں مطلق اس بات کا احساس نہیں ھوتا کہ سجدہ صرف خدائے لاشریک کے لئے ھے - لیکن ان کے لئے شرعی حیلہ موجود ھے ، وہ یہ کہ علماء نے بادشاہ کو ظل اللہ قرار دے کر اس ظل الٰہی کو سجدۂ تعظیمی کرنے کی رخصت دے رکھی ھے -

وقت کا تقاضا یہی تھا کہ ایک ایسی ھستی سے بادشاہ وقت کی ملاقات ھو جو سجدے سے انکار کرے تاکہ اس طرح اسلام کی حقانیت واضح ھو جائے اور بدعات کا قلع قمع ھو - یہ تھے حضرت مجدد الف ثانی رح جن کا واقعہ ھم درج کر آئے ھیں -

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۷۹ - ۸۰

کیا عہد جہانگیری میں اندرون ملک ضعف اسلام کی کوئی شہادت نہیں ملتی ؟ ہم اس کے لئے مکتوبات امام ربانی رح سے رجوع کرتے ہیں - آپ نے شیخ فرید بخاری کی طرف اپنے ایک مکتوب میں ذیل کے حالات بیان فرمائے ہیں ''آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا گزرا ہے - لیکن اہل اسلام پر اس قسم کی خرابی نہیں گزری تھی - گذشتہ زمانے میں کافر غالب ہو کر دار اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز و مجبور تھے - اور اگر کرتے تو قتل کئے جاتے تھے - ہائے افسوس ، حق تعالیٰ کے محبوب نبی کریم ص کی تصدیق کرنے والے ذلیل تھے اور ان کے منکر باعزت تھے - مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرستی کرتے تو دشمن تمسخر کر کے ان کے زخموں پر نمک پاشی کرتے - ہدایت کا آفتاب گمراہی کے حجاب میں مستور تھا - آج جب اسلام کی دولت کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے لہٰذا اہل اسلام نے یہ اپنا فرض سمجھا ہے کہ بادشاہ کے مددگار ہوں اور شریعت کے رواج اور مذہب کی تقویت میں اس کی رہنمائی کریں - خواہ یہ مدد زبان سے ہو یا ہاتھوں سے ، آپ سے امید ہے کہ کوشش کریں گےاور مسلمانوں کو اس غربت سے نکالیں گے . . .'' -[۱]

'' مکتوب شریف میں سلطان وقت کی خدا پرستی اور احکام شریعت کے موافق انصاف و انتظام کا حال لکھا ہوا تھا پڑھ کے بڑی خوشی حاصل ہوئی - شریعت کی ترقی شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحہ ۴۷ -

موقوف ہے - جس دن سے یہ امر کمزور ہوا ہے اس دن سے اسلام ضعیف ہو رہا ہے - کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کرکے ان کی جگہ اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں - چنانچہ تھانیسر میں حوض کر کھیت کے کنارے ایک مسجد تھی اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا - اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا گیا ہے - کفار اپنی رسوم کو اعلانیہ بجالاتے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کو جاری کرنے میں عاجز ہیں - ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں - اور اس بات کا بڑا اہتمام کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں اس دن کوئی مسلمان نہ روٹی پکائے اور نہ بیچے ، لیکن خود رمضان میں اعلانیہ نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کی کمزوری اور مغلوبیت کے باعث کوئی روک نہیں سکتا - افسوس ، بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور ہم فقیروں کا حال ایسا خستہ و خراب ہو . . . '' -[۱]

''ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر مسلمانوں کے شہروں میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے - بلکہ یہ ان کی تمنا ہے کہ اسلامی احکام بالکل دور ہو جائیں اور اسلام و اہل اسلام کا کچھ اثر نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے - گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا ایک ممتاز شعار ہے - کفار جزیہ دینے پر رضامند ہوسکتے ہیں لیکن ذبیحۂ گاؤ پر راضی نہیں ہوسکتے - سلطنت کی ابتدا ہی میں اگر مسلمانی نے رواج پالیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ ،

۱- مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۲۹ بنام میر محمد نعمان -

توقف و دیر ہوگئی تو کام بہت دشوار ہو جائے گا ۔ تو دیکھئے کون صاحب دولت اس سعادت کا حق دار بنتا ہے ۔ ۔ ۔ ''۔[۱]

''سب سے پہلے اسلام کے زوال پذیر ارکان کو قائم کیجئے ۔ کیونکہ دیر میں خیریت نہیں ہے ۔ اور غرباء کے دل اس تاخیر سے بہت بے قرار ہیں ۔ گذشتہ زمانے کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں موجود ہیں ۔ کہیں ان کا تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اور نہ بڑھ جائے ۔ جب بادشاہ سنت مصطفوی ص کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور امراء بھی متوجہ نہ ہوں تو اہل اسلام پر مصیبت آنی لازمی ہے ''۔[۲]

شیخ محمد اکرام صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کے اس دعوے پر کہ حضرت مجدد رح نے اکبری الحاد کا قلع قمع کیا تنقید کرتے ہوئے ذیل کے دلائل پیش کئے ہیں :

''اس سلسلے میں سب سے پہلی قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رح یا شیخ عبدالحق رح محدث یا شیخ نورالحق رح جو حضرت مجدد رح کے ہمعصر یا قریب العہد تھے ۔ وہ حضرت مجدد رح کو اکبری الحاد کا قاطع نہیں کہتے ۔ وہ حضرت سرہندی کی دوسری خوبیوں اور کارناموں کا ذکر کرتے ہیں لیکن ایک ایسا امر جو اگر امر واقعی ہو تو حضرت سرہندی رح کی دوسری سب خوبیوں سے اہم ہوتا ۔ اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح نے حضرت مجدد رح کے رسالہ رد روافض

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحہ ۸۱ بنام لالا بیگ

۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحہ ۱۹۵ بنام صدر جہاں -

کا عربی میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس ترجمے کے شروع میں عہد اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجدد رح کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں ۔ اس بحث میں شاہ صاحب نے رسالہ اثبات النبوت اور ان مکتوبات کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بنا پر معتقدین حضرت مجدد رح کو اکبری الحاد کا قاطع قرار دیتے ہیں ۔ لیکن شاہ صاحب نے ان کی جتنی اہمیت تھی وہ بتا دی ہے نہ زیادہ نہ کم ، اور حضرت مجدد رح کے تمام کارنامے گنانے کے باوجود کہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے اکبری الحاد کا قلع قمع کیا ۔

یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد کی وفات کے فوراً بعد جو تذکرے ان کے صاحبزادوں کے ایماء پر ان کے عقیدت مند مریدوں نے لکھے مثلاً (زبدۃ المقامات) ان میں بھی حضرت مجدد رح کے متعلق اس دعوےٰ کا قطعاً ذکر نہیں ۔ اگر حضرت مجدد رح نے واقعی اکبر کی بد مذہبی کا ازالہ کیا تو کیا یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ یہ سب بزرگ اس مسئلہ میں خاموش ہیں ۔ آخر انہیں آج کے علماء کی نسبت واقعات کو جاننے کا زیادہ موقع تھا ۔ لیکن لطف یہ ہے کہ نہ صرف کوئی ہم عصر یا قریب العہد مستند عالم حضرت مجدد رح کے اس تجدیدی کارنامے کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ان کے زمانے کے بہترین اور پاکیزہ ترین علماء ان کی سخت مخالفت کرتے ہیں ۔ شیخ عبدالحق محدث رح کے اکبری بد مذہبی کی نسبت جو خیالات ہوں گے ان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ۔ ان کا تھوڑا بہت اظہار انہوں نے شیخ فرید کے نام ایک خط میں کیا ہے ۔ بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی ان کا بڑا قدردان تھا لیکن وہ اس کے مذہبی خیالات

سے برگشتہ ہو کر فتح پور سیکری چھوڑ گئے تھے ۔ اب اگر کوئی شخص اس بد مذہبی کا ازالہ کرتا تو کیا شیخ عبدالحق محدث رح اس کے سامنے سر عقیدت نہ جھکاتے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ مکتوبات کے اندراجات کی بنا پر حضرت مجدد رح کے مخالفین کے پیش پیش تھے اور جب تک انہیں حضرت مجدد رح کے خلوص اور روحانی مراتب کا یقین نہ ہو گیا وہ ان کے منکر رہے ۔

جہانگیر اکبر کا جانشین تھا ۔ اکبر کے مذہبی خیالات کی نسبت جو اس کی رائے تھی اس کا اندازہ اس اظہار سے ہو سکتا ہے جو اس نے ابوالفضل کے متعلق کیا ۔ پھر تخت نشین ہوتے ہی اس نے دین الٰہی اکبر شاہی کا خاتمہ کر دیا ۔ ظاہر ہے کہ وہ اکبری الحاد کا مخالف رہا ۔ اب اگر حضرت مجدد رح نے اس الحاد کا قلع قمع کیا تو کیا امر عجیب نہیں کہ جہانگیر نہ صرف ان کے کارناموں سے ناواقف ہے اور ان کا خاص احترام نہیں کرتا بلکہ الٹا انہیں زندان ادب میں ڈال دیتا ہے ۔ جہانگیر نے حضرت مجدد رح کی محبسی اور قید کا واقعہ بڑی صاف گوئی سے بیان کیا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت کی حراست کی ایک اور وجہ ان کا غرور و تفاخر تھی (یعنی انہوں نے سجدۂ دربار نہ کیا) اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انہیں چند دن قید میں رکھنے سے ان کے خلاف جو عوام کی شورش تھی وہ تھم جائے ۔ عوام کی اس شورش سے ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ معاصرین کی رائے حضرت مجدد رح کے متعلق کیا تھی ۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی معاصرانہ اور مستند تاریخ یا تذکرہ میں اس امر کا ذکر نہیں کہ حضرت مجدد رح نے اکبری بد مذہبی

کا قلع قمع کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ نظریہ جو تذکرہ سے اخذ کیا جاتا ہے مستبعد بلکہ ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے - لیکن مولانا غالباً ان مکتوبات سے متاثر ہوئے ہیں جن میں حضرت مجدد رح نے اکابر عہد کو شرع کے استحکام اور مذہب کی استواری کی تلقین کی ہے - اس لئے واقعات کو پرکھنے کے لئے ان مکتوبات پر نظر ڈالنی پڑے گی -

ان مکتوبات کی نسبت ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ اگر ان کی بنا پر یہ تسلیم کیا جائے کہ شیخ فرید خان اعظم اور دوسرے اکابر کو حضرت مجدد رح کی یاد دھانی اور وعظ و تلقین کی وجہ سے حفاظت مذہب کا خیال پیدا ھوا اور پھر انھوں نے اس امر کے لئے کوششیں کیں - تب بھی بہ نظر انصاف یہ نہ بھولنا چاھئے کہ وعظ و نصیحت آسان اور اس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل - اس وعظ و نصیحت کی وجہ سے ھمیں شیخ فرید اور دوسرے اکابر عہد کے ساتھ بے انصافی نہیں کرنی چاھئے کہ جنہیں بادشاہ کو قائل کرنے، پرانے طریقے بدلنے اور شعائر اسلامی کے سر بلند کرنے میں جو عملی مشکلات تھیں ان کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا - لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مکتوبات کے بغیر ھی مسلمان امراء کو اپنے فرض کا احساس تھا - بلکہ جیسا کہ ھم بتا چکے ھیں ان مکتوبات کے لکھے جانے سے پہلے ھی اصل مراحل طے ھو گئے تھے اور اکبری الحاد کا قلع قمع ھو چکا تھا -

ان مکتوبات میں سب سے زیادہ شیخ فرید کے نام ھیں - ھم شیخ فرید کے حالات ذرا تفصیل سے لکھ چکے ھیں اور اس کی نسبت حضرت مجدد رح کے جو عقیدت مندانہ خیالات تھے وہ نقل کر چکے ھیں -

انھیں دیکھ کر کوئی با انصاف انسان نہیں کہے گا کہ حضرت مجدد رح کی یاد دھانی کے بغیر شیخ فرید کو اپنے فرائض کا خیال نہ ھوتا ۔

لیکن حضرت مجدد رح کے مکتوبات ھی سے خود اس امر کی شہادت ملتی ھے کہ خط اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ دین الٰہی اکبر شاھی ختم ھو چکا تھا ۔ جہانگیر مذھبی امور میں اکبر کا ھم خیال نہ تھا ۔ جب اکبر مرا تو اس کی تجہیز و تکفین و تدفین بطور ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے ھوئی ۔ پرتگیز مشزی باکراہ تسلیم کرتے ھیں کہ اکبر ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح مرا ۔ اور جہانگیر نے تخت نشین ھونے کے پہلے اس امر کا وعدہ کیا کہ وہ شعائر اسلامی کی پابندی کرے گا ۔ یہ سب مرحلے طے ھو گئے ھیں اور جہانگیر تخت نشین ھو چکا ھے۔ اس وقت حضرت مجدد رح سرھند سے شیخ فرید کے نام خط لکھتے ھیں ۔ 'امروز کہ نوید زوال مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص و عام رسید ۔ اھل اسلام بر خود لازم دانستند کہ ممد و معاون بادشاہ باشند ۔ و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمایند' ۔ اس کے بعد بادشاھوں کو علماء سوء سے بچانے کی ضرورت کا ذکر کرکے لکھتے ھیں ، 'یہ فقیر بے سر و سامان بھی چاھتا ھے کہ اپنے آپ کو دولت اسلامیہ کے مددگار گروہ میں داخل کرے (کہ خود را در جرگہ ممدان اسلام اندازد) اور اس بارے میں کوشش کرے ۔ من کثر سواد قوم فھوا منھم کے موافق ھو سکتا ھے کہ آپ فقیر کو ان بزرگوں کی جماعت میں داخل کر لیں ۔ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ھے جو اپنا تھوڑا سا سوت لے کر

حضرت یوسف علیه الصلوٰة و السلام کے خریداروں میں شامل ہو گئی تھی۔ اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ جرگہ ممدان اسلام پہلے سے موجود تھا اور حضرت مجدد رح اپنے مقابلے میں دوسرے اهل دل مسلمانوں کے کام کی قدر و قیمت بھی سمجھتے تھے . . .'' ۔[۱]

هم نے رود کوثر کا طویل اقتباس بلا کم و کاست پیش خدمت کر دیا ہے تاکہ شیخ محمد اکرام صاحب کی جمله دلائل فریق ثانی کی حیثیت میں آپ کے سامنے رهیں ۔ اس اقتباس کا خلاصه یوں کیا جا سکتا ہے :

۱ ۔ حضرت مجدد رح کے هم عصر علماء یا قریب العهد تذکرہ نگاروں نے ان کے حق میں یه نہیں لکھا که انهوں نے اکبری بد مذهبی کا قلع قمع کیا ہے ۔

۲ ۔ شیخ عبدالحق رح جو اکبر کی بد مذهبی کے مخالف تھے ۔ حضرت مجدد رح کے بھی مخالف تھے ۔

۳ ۔ جہانگیر اکبر کے مذهبی خیالات کا مخالف تها ۔ اگر حضرت مجدد رح نے ان خیالات یعنی اس بد مذهبی کا صفایا کیا هوتا تو وہ انهیں گرفتار نه کرتا ۔

۴ ۔ مکتوبات کے بغیر هی مسلمان امراء کو ترویج شریعت کا خیال تها ۔

۵ ۔ مکتوبات کے لکھے جانے سے پہلے هی دین الٰہی اکبر شاهی کا خاتمہ هو چکا تها ۔

---

۱ ۔ رود کوثر صفحه ۱۷۵

۶ - جہانگیر نے ترویج شریعت کا ارادہ کیا تھا اور ترویج شریعت میں مصروف تھا ۔

۷ - جرگہ ہمدان اسلام پہلے سے موجود تھا ۔

۸ - بعض مکتوبات کسی معمولی مقصد کے لئے لکھے گئے ہیں ۔

ہمارے نزدیک شیخ صاحب کے ان اعتراضات اور مفروضات کا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور ہم اس کے لئے تزک جہانگیری اور مکتوبات کو پیش نظر رکھیں گے ۔

۱ - ہم عصر علماء یا بعد کے قریب العہد تذکرہ نگاروں کے پیش نظر حضرت مجدد رح کی مذہبی خدمات اور صوفیانہ کمالات کا اظہار تھا ۔ وہ حکومت وقت کے قوانین میں اتنی لچک محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ حضرت مجدد رح کی ان خدمات کا ذکر کرتے جن میں وہ ایک شہنشاہ کے نظام کو باطل کرنے والے ثابت ہوتے ہوں ۔ اس کا موقع نہیں تھا ۔ جہانگیر ، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر بھی شہنشاہ پہلے تھے اور اس کے بعد حسب مراتب ان کے دلوں میں اسلام کی محبت اور شریعت کی ترویج کا خیال تھا ۔

۲ - شیخ عبدالحق رح کی حضرت مجدد رح کے ساتھ مخالفت کی وجہ اکبر کی بد مذہبی کا موضوع نہیں تھا بلکہ مکتوبات کے وہ اندراجات تھے جن پر اس وقت کے اور علماء کو بھی اعتراض تھا اور جن کا موضوع تصوف کی روحانی سیر تھی ۔ شیخ صاحب خود اس امر کے اقراری ہیں کہ ”وہ (عبدالحق صاحب رح) مکتوبات کی بنا پر حضرت مجدد رح کے مخالفین میں پیش پیش تھے اور جب تک انہیں حضرت مجدد رح

کے خلوص اور روحانی مراتب کا یقین نہ ہو گیا وہ ان کے منکر رہے“ ۔[1]

جس صاحب نے کسی اور وجہ سے مخالفت کی ہو اور پھر رجوع بھی کر لیا ہو اس کی سابقہ مخالفت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے ۔ لہٰذا ہم اس شق کو بھی نظر انداز کرتے ہیں ۔

۳ ۔ جہانگیر نے ابوالفضل کا ذکر کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں ۔ جہانگیر نرسنگھ دیو بندیلے کا ذکر کرتے کرتے یوں رقم طراز ہے ۔ ”در اواخر عہد پدر بزرگوارم شیخ ابوالفضل را کہ از شیخ زادہائے ہندوستان بمزیت فضل و دانائی امتیاز تمام داشت ، و ظاہر خود را بزیور اخلاص آراستہ بہ قیمت گران سنگ بہ پدرم فروختہ بود ، از صوبہ دکن طلب داشتند ۔ و چون خاطر او بمن صاف بنود . . . “ ۔[2] ابوالفضل کو نرسنگھ دیو کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا ۔ اس جگہ جہانگیر نے مطلقاً اپنے والد کے اعتقادات سے بیزاری ظاہر نہیں کی ۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ ابوالفضل منافقت سے کام لیتا تھا اور میرے والد کی نظروں میں بڑا باوقار اور معتمد تھا ۔ ان الفاظ سے جہانگیر کی اکبری الحاد سے عام بیزاری کے لئے کوئی دلیل پیدا نہیں کی جا سکتی ۔ اس کے چھ (۶) صفحوں کے بعد جہانگیر نے اپنے والد اکبر کی دینداری اور کاملیت کی جو تصویر کھینچی ہے شیخ محمد اکرام صاحب نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا ہے ۔

”دائم ہمہ جا با ہمہ کس درہمہ حال   میدار نہفتہ چشم دل جانب یار

---

۱ ۔ رود کوثر صفحہ ۱۷۲

۲ ۔ تزک جہانگیری صفحہ ۱۱

"..... صلح کل شیوۂ مقرر ایشان بود - بانیکان و خوبان ہر طائفه و ہر دین و ہر آئین محبت مے داشتند ، و بقدر حالت و فهمیدگی بهر کرم التفاتها مے فرسودند - شبہائے ایشان به بیداری مے گذشت و در روزها بسیار کم خواب بودند . . . . "-١

گویا جہانگیر اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے والد ماجد کی مذہبی حیثیت کو عین حقیقت اور کاملیت محسوس کرتا ھے - اب اس سے یه اندازه کیسے لگایا جائے که جہانگیر اکبر کی روش اور اس کے مذہبی خیالات کا مخالف تھا - اس سے قطعاً یه واضع نہیں ھوتا که جہانگیر اکبری عہد کی بدعتوں سے نالاں تھا - ابوالفضل کے ذکر میں صرف اپنے جرم کو چھپایا جا رہا ھے - اکبر کے ذاتی رجحانات سے کوئی بے تعلقی کا اظہار نہیں ھے - شیخ صاحب کو یه نہیں بھولنا چاھئے تھا که جب جہانگیر اپنے والد اکبر کا ذکر کرتا ھے تو وہ فرط ادب میں جھوم جھوم جاتا ھے - یوں محسوس ھوتا ھے جیسے وہ صفحه قرطاس کو اشک محبت سے نمناک کر رہا ھے - وہ دین اکبر شاھی کا مخالف تھا لیکن بحث اکبر کے دین سے نہیں ھے ، اکبری عہد کے الحاد سے ھے - شیخ صاحب اس الحاد کو وسیع معنوں میں سمجھنے کی بجائے اکبر کی ذات تک محدود کرکے اور اسے مرتے وقت راسخ العقیده مسلمان ثابت کرکے خلط مبحث کر رہے ھیں - اکبر کے مرنے کے ساتھ دین الٰہی کا خاتمه ھو گیا تھا لیکن اکبر کی حکمت عملی سے ملک کے اندر جو بے دینی اور بدعت کی ھوا چلی تھی وہ آندھی سے طوفان اور طوفان سے سیل بے ھنگام بن چکی تھی اور اکبر کے مرتے ھی اس نے اپنی تندی کو ترک کرکے سکون

---

١ - تزک جہانگیری صفحه ١٧ -

اختیار نہیں کر لیا تھا - جہانگیر کا اکبر کے دین کا مخالف ہونا اور بات ہے اور حضرت مجدد رح کا وقت کے الحاد کا مخالف ہونا اور بات ہے - جہانگیر نے حضرت مجدد رح کو زندان ادب میں ڈالنے کے لئے گرفتار نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے مخالف ابھرتی ہوئی ایک قوت کو دبانا چاہتا تھا - شورش عوام[1] سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت مجدد رح کا لائحہ عمل وسیع نوعیت کا حامل تھا - اس سے ان کے متعلق معاصرین کی کسی خراب رآئے کا اظہار نہیں ہوتا جو شیخ اکرام صاحب نے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی ہے -

جہانگیر نے حضرت مجدد رح کی قید کے ضمن میں صاف گوئی سے کام نہیں لیا بلکہ بڑی سیاست اور پختہ کاری کے ساتھ اظہار کیا ہے اور اپنی حرکت کو اسلام کے نام معنون کرکے صحیح صورت حال کو چھپایا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ جہانگیر ایسا کرنے کا عادی ہے ، یہی طریقہ اس نے نور جہاں کے سابقہ شوہر علی قلی شیر خاں کے سلسلے میں اختیار کیا ہے -

۴ - ممکن ہے کہ مکتوبات کے بغیر ھی مسلمان امراء کو ترویج شریعت کا خیال ہے لیکن ان امراء کو ہم تزک کا مطالعہ کرتے وقت جس نیازمندی اور خضوع و خشوع کے ساتھ دربار

---

۱ - مکتوب یازدھم خواجہ باقی باللہ رح کے نام ہے - انھوں نے ۱۰۱۲ ہجری میں وفات پائی ہے - گویا یہ مکتوب ہر لحاظ سے ۱۰۱۲ھ سے پہلے کا ہے - اس سے متلق اعتراضات کا جواب دفتر اول کے مکتوب ۱۹۲ میں جو شیخ بدیع الدین کے نام ہے ۱۰۲۵ھ سے پہلے کا ہے اور جناب کی گرفتاری اس جوابی مکتوب سے کم از کم چار سال بعد عمل میں آئی ہے - لہٰذا ان مکتوبات کی بنا پر 'شورش عوام' کیا ہو سکتی ہے جو گرفتاری سے کئی سال پہلے کافی مشہور ہو چکے تھے -

جہانگیری میں سجدہ ریزیاں کرتے دیکھتے ہیں اس کے پیش نظر یہ مفروضہ بھی ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے -

٥ - مکتوبات کے لکھے جانے سے بہت پہلے واقعی اکبری دین کا خاتمہ ہو چکا تھا - وہ تو اکبر کی ذات اور زیادہ سے زیادہ چند درباریوں تک محدود تھا - خود شیخ صاحب کو یہ ماننا پڑا ہے بلکہ وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ ''یہ مذہب بہت تھوڑے لوگوں نے اختیار کیا - لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بدعتیں اسلامی عقائد کی غلط ترجمانی کرکے جاری کی گئیں تھیں اور اکبر اور اس کے حواری کوشش کرتے تھے کہ انہیں اسلام کے مطابق ثابت کریں - مثلاً بادشاہ کو سجدہ کرنا اسلام کے خلاف ہے . . . . ''-[1] اکبر کے ساتھ یہ دین مر گیا مگر یہ بدعتیں جنہیں بڑی دانائی کے ساتھ رواج دیا گیا تھا ابھی زندہ تھیں -

٦ - جہانگیر نے جس شریعت کی ترویج کا عہد کیا تھا وہ کس طرح غیر اسلامی عقائد و خیالات سے مملو تھی - اس کی تفصیل ''حضرت مجدد رح کی مذھبی خدمات'' کے زیر عنوان باب دوم میں مذکور ہے - اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جہانگیر سے اس عہد کا حق ادا نہیں ہو سکا - تزک جہانگیری میں وہ سو رندوں کا ایک رند اور شراب کا رسیا نظر آتا ہے - حوضچے شراب سے بھر کر نوش کر جانا اس کے ادنیٰ مشاغل میں شامل ہے - سوائے چند ایک احکام کے اور چند ایک باتوں کے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھا ، اس کا تمام انصاف اور امن پسندی ایک ڈھونگ بن کے رہ جاتا ہے - وہ تفصیل سے ایک ایک ہفتے اور کبھی

---

١ - رود کوثر صفحہ ٦٣ -

ایک ایک دن کے حالات تک لکھتا ہے ۔ لیکن آپ تمام توزک پڑھ جائیے آپ کو کہیں وضاحت کے ساتھ یہ نہیں ملے گا کہ کہیں اس نے ماہ رمضان کا ذکر کیا ہو ۔ صرف ایک جگہ افطاری کی کسی مجلس کا ذکر ملتا ہے ، ورنہ یہ مہینہ ایسے غائب ہے کہ گمان گذرتا ہے کہ شاید اس زمانے میں گیارہ مہینوں کا سال ہوگا ۔

۷ ۔ ' جرگہ ممدان اسلام ' پہلے سے قطعاً موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس کے لئے عہد جہانگیری میں کوئی کوشش ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے امکانات تھے ۔ بات صرف اتنی ہے کہ چند درد دل رکھنے والے امراء اس امر کی کوشش میں ضرور مصروف تھے کہ ان کے مقابلے میں شیعہ اثرات زیادہ روبکار نہ ہو جائیں اور ان کی اس کوشش کی اطلاعیں حضرت مجدد رح تک پہنچتی تھیں جن کے پیش نظر انھوں نے شیخ فرید کے نام محولہ خط لکھا تھا ۔ انھیں خیال تھا کہ علماء کا یہ گروہ کہیں ایسے عناصر پر مشتمل نہ ہو جائے جن کا کام فتنہ انگیزی ہوتی ہے جیسا کہ عہد اکبری میں تجربہ ہو چکا تھا ۔ اس کے لئے وہ آگرے جانے کی تیاری بھی کر رہے تھے ۔ مکتوبات کے دفتر اول کے مکتوب ۱۹۳ میں اس بات کا اظہار موجود ہے کہ اگر شیخ فرید صاحب وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو اھل اسلام کے علماء کو اطلاع دیں کہ وہ آ کر کفر کی برائی ظاہر کریں ۔

لیکن وہ بعد کے حالات کی بنا پر ایسا نہ کر سکے اور انھیں آنے والی اطلاعات کا جن کی بنا پر یہ خیال ہو چلا تھا کہ اب بادشاہ وقت دین کی پشت پناھی کر رھا ہے ، اصل منشا معلوم ہو گیا تھا

اور نئے حکمران کے عہد میں جو امید قائم ہوئی تھی وہ محض سراب دکھائی دینے لگی تھی۔

ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال آئندہ ابواب میں کریں گے کہ کس طرح حضرت مجدد رح نے اکبری عہد کی پیدا کردہ بدعات کا قلع قمع کیا اور شریعت اسلامیہ کی ترویج کے لئے جد و جہد کی۔

باب دوم

فصل اول

مذھبی خدمات

حضرت مجدد رح کی مذھبی اور دینی خدمات کا جائزہ لینے سے پیشتر ان کے عہد کے مذھبی رجحانات کا سرسری خاکہ پیش کرنا ضروری ھے تاکہ اس پس منظر کی روشنی میں ان کا کارنامہ اپنی اصلی شکل و صورت میں اجاگر ھو سکے ۔

مولانا آزاد لکھتے ھیں ۔ ”علماء کا یہ حال تھا کہ زبانوں کی تلواریں کھینچ کر پلے پڑتے تھے ، کٹ مرتے تھے اور آپس میں تکفیر و تذلیل کرکے ایک دوسرے کو فنا کئے ڈالتے تھے ۔ ملا صاحب کہتے ھیں شیخ صدر اور مخدوم الملک کا یہ حال تھا کہ ایک کا ھاتھ اور ایک کا گریبان ۔ دونوں طرف کے روٹی توڑ اور شروے چٹ ملانوں نے دو طرفہ دھڑے باندھے ھوئے تھے گویا فرعونی دور تھا ۔ سبطی اور قبطی دونوں گروہ حاضر تھے ۔ ایک عالم ایک کو حلال کہتا تھا دوسرا اس کو حرام ثابت کرتا تھا ۔ بادشاہ انھیں اپنے عہد کا امام غزالی رح اور امام رازی رح سمجھے ھوئے تھا ۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو حیران رہ گیا “ ۔

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ھیں ”یہ صحیح ھے کہ مخدوم الملک نے ترویج شریعت میں کوشش کی لیکن اس میں انھوں

نے حد سے زیادہ تشدد اور غلو کیا۔ اس زمانے میں مہدیہ فرقہ زوروں پر تھا اور چونکہ اس جماعت کی بعض باتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعمیل میں تھیں۔ اس لئے کئی نیک اور مخلص لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے اور بعض لوگ جو مہدی جونپوری کے قائل نہ تھے وہ بھی مہدویوں کے طور طریقوں کی قدر کرتے تھے۔ مخدوم الملک ان سب کے مخالف تھے اور انھوں نے مہدویت کا الزام دے کر بڑے بڑے پاکباز اور قابل عزت بزرگوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ شیخ علائی کو جن کی نیکی، حق پرستی اور عمل و فضل کے سب مورخ گواہ ھیں۔ مخدوم الملک نے ذاتی مخالفت کی بنا پر اور غلط تہمتیں لگوا کر کوڑوں سے پٹوایا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ شیخ داؤد کو بھی انھوں نے اسی طرح تنگ کرنے کی کوشش کی۔ کسی پر مہدویت کی تہمت لگتی، کسی کی تصنیفات کے متعلق کہا جاتا ' ازوے بوئے رفض مے آید ' غرض ان کا شکنجہ ہر ایک کے لئے تیار رہتا تھا۔ مآثر الامراء میں لکھا ھے ' چوں ملا را عصبیت (کہ آنرا حمیت دین نامند) بیشتر بود۔ در پردۂ دینداری استیفائے قوت غضبی بر وجہ اتم مے نمود ' اور تو اور بدایونی ان کے تعصب کا شاکی ھے۔ ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ اگرچہ وہ علوم ظاھری میں اچھی دسترس رکھتے تھے لیکن ان کی مذھبی اور روحانی زندگی ان لوگوں کی طرح تھی جو نماز کے متعلق تمام مسائل تو بتا سکتے ھیں اور ھر وقت کتاب الصلوٰۃ اپنی بغل میں رکھتے ھیں۔ لیکن عملاً نماز نہیں پڑھتے۔ زکوٰۃ کے مسائل وہ خوب جانتے تھے۔ لیکن اپنا عمل یہ تھا کہ سال کے آخر میں تمام مال بی بی کے نام ھبہ کر دیتے اور وہ نیک بخت سال کے اندر پھر انھیں واپس کر دیتی تاکہ اس حیلۂ شرعی سے زکوٰۃ سے بچ جائیں۔ اسی

طرح جب حج کے متعلق ان سے کوئی پوچھتا کہ 'بر شما حج فرض شده ؟' تو جواب ملتا 'نے' وجہ یہ بتاتے تھے کہ خشکی سے جائیں تو رافضیوں کے ملک سے گزرنا پڑتا ہے ، تری کی راہ جائیں تو فرنگیوں سے عہد و پیمان کرنا پڑتا ہے وہ بھی ذلت ہے ۔ پس دونوں طرح ناجائز ہے .... "۔[۱]

علماء میں اچھے لوگ بھی موجود تھے لیکن ان کی کوئی پیش نہیں جاتی تھی ۔ مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں " غازی خاں بدخشی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے ۔ علماء نے کان کھڑے کئے ، غل مچایا ، گفتگو کے سلسلے پھیل کر الجھے ، معترض ملانوں کے جوش نہ دم لیتے تھے نہ لینے دیتے تھے ۔ جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے تھے اور اپنی بنیاد جمائے جاتے تھے ۔ کہتے تھے کہ عہد سلف پر نظر کرو ، است ہائے قدیم کو دیکھو ، وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے تحفۂ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے ۔ مثلاً ملائک کا سجدہ حضرت آدم کو کیا تھا ۔

جواب ظاہر ہے کہ تعظیمی ۔

باپ اور بھائیوں کا سجدہ حضرت یوسف کو کیوں تھا ؟

جواب ۔ تحفۂ ادب پیش کیا تھا نہ کہ پرستش بندگی ۔

بس وہی سجدہ ہے پھر انکار کیوں اور تکرار کیا ؟ "۔[۲]

شیخ صاحب لکھتے ہیں " داڑھیاں منڈوانے کے متعلق شیخ امان پانی پتی کے ایک بھتیجے ملا ابو سعید نے فتویٰ دیا ۔ وہ اپنے

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۵۲ ۔

۲ - رود کوثر صفحہ ٦۴ ۔

عم بزرگوار کے کتب خانے میں سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے اور اس میں سے حدیث دکھائی کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک صحابی آئے ۔ بیٹا ساتھ تھا ۔ اس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی ۔ آنحضرتؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی '' ۔[1]

اس عہد میں ملا محمد یزدیؒ اور معز الملکؒ ایسے عالم بھی موجود تھے جنھوں نے بادشاہ کی بد مذہبی پر اس کے خلاف جہاد کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور اس کی سزا میں بحر فنا میں ہمیشہ ہمیشہ کی نید سلا دئے گئے تھے ۔ لیکن ان میں سے کسی کے پاس کوئی واضع لائحۂ عمل نہیں تھا ۔

اس عہد میں جن علوم و فنون کو ترقی ہوئی تھی وہ مذہب کی روح سے ایک حد تک غیر متعلق تھے ۔ معقولات کا بہت اضافہ ہوا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب عبداللہ خان اوزبک نے سمرقند اور بخارا سے کئی معقولی علماء مثلاً قاضی ابوالمعالی ، ملا مرزا جان ، ملا عصام وغیرہ کو وھاں سے نکال دیا ۔ تو ان میں سے بعض نے ہندوستان کی راہ لی اور یہاں آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا ۔ اس طرح خشک منطق اور فلسفیانہ استدلال نے مذہب کی اصلی شکل و صورت کو واضح ہونے سے روک رکھا تھا ۔

آپ نے '' اس زمانے میں جب کہ عام علماء و شائخ نے ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا ۔ جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کرکے قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اپنی جرأت اور اتباع شرع سے مغلوں کے خلاف شرعی احکام کا سد باب کیا ۔ آپ کی

---

۱ - رود کوثر صفحہ ٦٥ -

اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی - جو دبے بیٹھے تھے وہ پھر دلیر ہو گئے اور شرع کے احکام ایک دفعہ پھر ہندوستان میں عام ہونے لگے ''۔[۱]

آپ نے ''سخت جانکاہی سے مسلسل جد و جہد کی کہ حالات کا رخ پھیر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کئے - اولاً یہ کہ اپنے مریدین کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس کام کے لئے تیار کیا اور ہر طرف انہیں بھیجا کہ اسلام کی تبلیغ کریں - اتباع سنت پر زور دیں اور لوگوں کو دائرہ شریعت میں واپس لائیں - یہ کام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ہند کے متصلہ ممالک اسلام میں بھی موثر طور پر کیا گیا -

ثانیاً یہ کہ مختلف ممالک کے نامور لوگوں سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور ان خطوط کی بڑی کثرت سے اشاعت کی گئی - ان خطوط میں حقائق مذہبی پر بحث ہوتی تھی اور اتباع سنت پر زور دیا جاتا تھا -

ثالثاً یہ کہ دربار شاہی کے بڑے بڑے امراء کو حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں انقلاب پیدا کریں اور بادشاہ کے قلب کی کیفیت کو بدلنے کے لئے اپنے اثر کو استعمال کریں -

رابعاً یہ کہ جب اکبر کا انتقال ہو گیا اور جہانگیر تخت نشین ہوا تو شیخ احمد رح نے جد و جہد کی کہ لوگوں سے یہ عہد لیا جائے کہ خلاف اسلام احکام شاہی کی اطاعت نہیں کریں گے - اس جد و جہد کو فوج شاہی تک وسعت دی گئی'' ۔[۲]

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱۸۱ -

۲ - نظریۂ توحید صفحہ ۳۵ - ۳۶

ڈاکٹر برهان الدین احمد صاحب نے آپ کے مندرجه بالا لائحۂ عمل کو جن اطلاعات و اخبار کی بنا پر مرتب کرکے پیش کیا هے ان میں مکتوبات اور روضة القیومیه کے حوالے شامل هیں۔ همیں روضة القیومیه کے حوالوں پر ان کی مبالغه آرائی اور حد سے متجاوز عقیدت کی بنا پر اعتماد نہیں هے۔ لہٰذا ان تمام باتوں کی تصدیق کے لئے مکتوبات سے رجوع کرتے هیں اور آئنده ابواب کو مکتوبات کی روشنی میں مرتب کریں گے۔

” ہر بدعت سنت کو دور کرنے والی ہے ۔ خواہ وہ
حسنہ ہو یا سیئہ .... “

مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۸۶ ۔

فصل دوم

ردِ بدعت اور احترام سنت

کیا آپ مجدد تھے ؟[1]

اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کے لئے یہ لازمی ہے کہ آپ کی ان خدمات پر نظر ڈالی جائے جو آپ نے تجدید و احیائے دین کے لئے سر انجام دیں ۔ ان میں سب سے پہلی اور نمایاں خدمت یہ ہے کہ آپ نے دین سے بدعت کو نکالنے پر بڑا زور دیا اور اس طرح وقتی مصلحتوں اور نفسانی فائدوں کی بنا پر دین اسلام میں جو نئی چیزیں عقائد و اعمال کی صورت میں شامل ہو گئی تھیں انھیں دین سے باھر نکالنے کی ضرورت کا احساس تیز ہو گیا ۔

مکتوبات کے مندرجہ ذیل حوالوں سے دیکھئے ھمارا یہ دعویٰ کس حد تک صحیح ہے ۔ " علماء نے بدعت کی دو قسمیں قرار دیں ھیں حسنہ اور سیئہ ، حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ھیں جو آنحضرت اور خلفائے راشدین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد کے بعد پیدا ھوا ھو اور وہ سنت کو رفع نہ کرتا ھو ۔ بدعت سیئہ وہ عمل ہے جو سنت کو رفع کرتا ھو ۔

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں خوبی اور نورانیت مشاھدہ نہیں کرتا ۔ ظلمت اور کدورت کے سوا ان میں کچھ محسوس

---

۱ - آپ کے وقت کے اور بعد کے جن علماء اور صوفیہ نے آپ کے مجدد ھونے کو تسلیم کیا ہے ان کے ارشادات کی تفصیل کے لئے زبدۃ المقامات اور جواھر مجددیہ دیکھئے ۔

نہیں ہوتا ۔ اگرچہ آج کسی بدعتی عمل کو ضعف بصارت کے باعث تر و تازہ معلوم کریں لیکن مستقبل میں جب کہ بصیرت تیز ہوگی تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ نقصان اور ندامت کے سوا کچھ نہیں تھا ۔

بوقت صبح شود همچو روز معلومت
که با که باختهٔ عشق در شب دیجور

حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ھیں کہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ۔ بھلا جو چیز مردود ہو وہ حسن کہاں سے پیدا کر سکتی ھے ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ھے کہ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیرالھدی ھدی محمد و شر الامور محد ثا تھا و کل بدعۃ ضلالۃ ...... جب ہر بدعت ضلالت ھے تو اس میں حسن کے کیا معنی ھیں ؟

نیز جو کچھ احادیث سے مفہوم ھوتا ھے وہ یہ ھے کہ ہر بدعت سنت کو رفع کرنے والی ھے اور کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ۔ پس ہر بدعت سیئہ ھے ... اور حسان سے روایت ھے کہ آپ نے فرمایا ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینھم الا ترفع اللہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعید ھا الیھم فی الیوم القیٰمۃ ۔ یعنی جب کوئی قوم دین میں بدعت کو رواج دیتی ھے تو اللہ تعالی اس جیسی سنت کو ان میں سے اٹھا لیتا ھے اور وہ اس سے ھمیشہ کے لئے محروم رہ جاتے ھیں ۔

جاننا چاھئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ سنت قرار دیتے ھیں جب ان میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ھوتا ھے کہ سنت کو دور کرنے والی ھیں ۔ مثلاً مرد کی میت کے

کفن دینے میں عمامے کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت سنت کی رافع ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑے) پر زیادتی ہے - جو نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ و دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملے کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے - ظاہر ہے کہ بدعت سنت کو دور کرتی ہے اور ایسے ہی وہ بات ہے جو علماء نے نماز کی نیت کو مستحسن جانا ہے یعنی دلی ارادے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نیت کے کلمات ادا کرنے چاہیں حالانکہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہے اور نہ اصحاب اکرام رض اور تابعین عظام رح سے کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو - وہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے - پس زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بدعت ہے جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور اس فقیر کا یہ خیال ہے کہ یہ بدعت رفع سنت کا تو ذکر ہی کیا فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس طرح اکثر لوگ زبان کی ادائیگی ہی تک کفایت کرتے ہیں اور انھیں دل کی غفلت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا - پس اس طرح نماز کے ایک فرضوں میں سے ایک فرض یعنی نیت قلبی متروک ہو جاتا ہے اور یہ ترک نماز کو فاسد ہونے تک لے جاتا ہے - تمام بدعتوں کا یہی حال ہے - کیونکہ وہ سنت پر اضافے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں - زیادتی ہر حال میں نسخ ہوتی ہے اور نسخ رفع ہے -

پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں اور اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم کی پیروی پر کفایت کریں کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلنے میں ہدایت یابی ہے - یاد رہے کہ قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں

کیونکہ وہ نصوص کے معنوں کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں اور کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے ....،،۔[1] یہ مکتوب آپ نے کابل کے مفتی خواجہ عبدالرحمن کو لکھا ہے۔

میر محمد نعمان کے استفسار پر مکتوب ۲۳۱ دفتر اول میں فرماتے ہیں۔ ،،آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے۔ حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ان اور چیزوں سے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہیں تھیں مثلاً لباس میں شال اور فرجی وغیرہ ان سے کیوں منع نہین کرتے۔

میرے مخدوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح کا ہے، ایک عبادت کے طریقے پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بڑی تاکید کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے۔ لہٰذا مردود ہے، اور وہ عمل جو عرف اور عادت کے طور ہے اس کے خلاف عمل کو بدعت منکر نہیں جانتا اور نہ اس سے منع کرنے میں شدت و مبالغہ کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ عمل دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر، شہروں کے عرف (رواج) میں فرق اور تضاد ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک ہی شہر میں زمانوں کے تفاوت کی رو کے عرف میں فرق ہوتا ہے۔ البتہ عادی سنت کو بھی (اس ضمن میں) مد نظر رکھنا بہت سے فائدوں اور بے شمار سعادتوں کا موجب ہے ....،،

۱۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۸۶۔

''سنت اور بدعت دونوں پوری طرح ایک دوسرے کی ضد هیں - ایک کی بقا دوسری کی فنا کو لازم هے - پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کا مارنا هے - یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کو فنا کرنا هے اور بالعکس - پس بدعت خواہ اس کو حسنه کہیں یا سیئه ، اس سے سنت کا ترک کرنا لازم ٹھہرتا هے - شاید حسن اضافی کو پیش نظر رکھا گیا هوگا - کیونکه حسن مطلق کا وهاں کوئی مقام نہیں هے - تمام سنتیں الله تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ هیں اور ان کی ضدیں یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ هیں - آج یه بات بدعت کے پھیل جانے کی وجه سے اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم هوتی هے - لیکن کل انهیں معلوم هو جائے گا که هدایت پر کون هے - هم یا وہ -

منقول هے که حضرت مہدی رح اپنی حکومت کے زمانے میں جب دین کو رواج دیں گے اور سنت کا احیاء کریں گے تو مدینے کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنا لیا هوگا اور اسے حسن خیال کرکے دین کے ساتھ (جزو) ملا لیا هوگا تعجب سے کہے گا که اس شخص مہدی رح نے همارے دین کو برباد کر دیا هے ، تباہ کر دیا هے اور مذهب و ملت کو فنا کر دیا هے - حضرت مہدی رح اس بدعتی عالم کے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے - کیونکه وہ اس کے حسنه کو سیئه خیال کریں گے . . . . ''-[1] آپ نے ملا احمد برکی کو یوں لکھا هے ''ایسے مقامات میں جہاں کفر کا دور دورہ هو اور بدعتیں جاری هوں علوم شرعیه کی تعلیم دیں اور فقہی احکام کو پھیلائیں - کیونکه یہی دونوں اصل مقصود هیں اور ان هی پر ترقی و نجات کا انحصار هے . . . . ''-[2]

۱- مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۵۵ ، بنام ملا محمد طاهر لاهوری -
۲ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۷۵ -

ملا صاحب نے اس مکتوب کو حرز جان بنایا اور اس پر عمل کرکے دکھایا ۔ جناب مجدد رح نے اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا ۔ "در احادیث صحاح آمده است که هر که احیاء سنت نماید ، بعد از آن که عمل بآں سنت مرتفع شده باشد ، باشد آں کس را ثواب صد شہید است ۔ ازیں جا بزرگی ایں عمل را دریا مند ، اما ایں قدر دقیقه رعایت کنند ۔ که کار بیاقاظ فتنه نکشد ۔ یک حسنه باعث ظہور بسیار سیئه نگردد که آخرالزمان است و آوان ضعف اسلام ...."۔[1]

"نقشبندیه حضرات نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت میسر ہو اور احوال نہ رکھتے ہوں تو بھی خوش ہیں اور اگر احوال ہوں اور متابعت میں کوئی نقص ہو تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے سماع و رقص کو جائز نہیں سمجھا ۔ بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت مان کر اس سے منع کیا ہے اور جو فائدے اور ثمرات اس کا نتیجہ ہیں ان کی طرف ملتفت نہیں ہوئے ۔ ایک دن میں حضرت ایشان رحمة الله علیه کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا ۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجه رح کے مخلص دوستوں میں سے تھا ۔ کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم الله بلند آواز سے کہا ۔ اس پر حضور بہت ناخوش ہوئے اور یہاں تک اسے جھڑکا کہ فرمایا اس سے کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے اور میں نے حضرت ایشاں سے سنا ہے کہ حضرت خواجه نقشبند قدس سره، علمائے بخارا کو اپنے ساتھ

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر سوم ، مکتوب ۱۰۵ ۔

لے کر حضرت امیر کلال رح کی خانقاہ میں گئے تاکہ انھیں ذکر جہر سے منع کریں۔ علماء نے حضرت امیر رح کی خدمت میں عرض کی کہ ذکر جہر بدعت ہے نہ کیا کریں۔ انھوں نے جواب میں یہ فرمایا کہ نہیں کریں گے''۔[۱]

''بدعت سے بچئے اگرچہ بدعت صبح کے نور کی طرح روشن ہو۔ حقیقت میں اس کی کوئی روشنی اور نور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں بیماری کی دوا ہے۔ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو سنت کو دور کرنے والی ہوگی یا اس سے سکوت کرانے والی ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں یقیناً سنت پر زائد ہوگی اور یوں اس کی ناسخ ہے۔ کیونکہ نص پر زیادتی اس کی تسنیخ کا حکم رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر قسم کی بدعت سنت کی نقیض ہے۔ ہائے افسوس، انھوں نے دین کامل اور پسندیدہ اسلام میں جس میں نعمت تمام ہو چکی ہے بدعت محدثہ کے حسنہ ہونے کا حکم کیسے دیا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ دین کے اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے۔ فما ذا بعدالحق الا الضلال (حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے!) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں امر محدثہ کو حسن کہنا دین کی غیر کاملیت کی دلیل ہے اور نعمت کی ناتمامی کا اظہار ہے تو ہرگز اس قسم کی دلیری نہ کرتے۔۔۔ ربنا لا تواخذنا۔۔۔''۔[۲]

''سنت عہد نبوت کی دوری کے باعث پوشیدہ ہو رہی ہے اور بدعت جھوٹ کے فروغ کی وجہ سے نمایاں ہو رہی ہے۔ بدعت کا

۱۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۶۶، بنام خواجہ عبداللہ و عبیداللہ۔
۲۔ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۱۹، بنام سید میر محب اللہ۔

جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے ۔ کل بدعة ضلالة ، بدعت دین کو کاٹنے والی کلہاڑی ہے اور سنت چمکتا ہوا ستارہ ہے ۔ بدعت کا دور کرنا اسلام کی تقویت کے لئے لازمی ہے ۔ خدا تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ کہنے کی جرأت نہ کریں ۔ گذشتہ زمانے میں اسلام قوی تھا اس لئے بدعت کی تاریکی کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی نظر آتے ہوں ۔ اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں لیکن اب حالت دگرگوں ہے ۔ صوفیہ وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں تو انہیں سوائے سنت کے کسی امر میں اپنے پیروں کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور اپنے شیخوں کا بہانہ کر کے بدعت پر عمل نہ کریں ۔ ۔ ۔ ''۔[1]

''جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں ۔ تب تک کمال کی دولت کی بو جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی ۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کی تاریکی مسلط ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کے دور کرنے کا حوصلہ ظاہر کرے اور سنت کے احیاء کا دعویٰ کرے ۔ ۔ ۔ ''۔[2]

''سب سے اعلیٰ نصیحت سعادت مند دوستوں کے لئے یہ ہے کہ سنت کی متابعت کریں اور بدعت سے بچیں ، جو شخص کسی متروک سنت کو زندہ کرے اسے سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملتا

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۲۳ ، بنام برخوردار خود خواجہ محمدؐ عیسیٰ رحؒ

۲ ۔ مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۵۴ ، بنام سید شاہ محمدؐ ۔

ہے ۔ تو معلوم کرنا چاہئے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے تو اس کا اجر کتنا ہوگا ․ ․ ․ ․ ‘‘ ۔[۱]

انھوں نے دفتر سوم کے مکتوب ۲۷ میں حسام الدین مرزا کو اس کے استفسار پر مولود خوانی کی مجلس قائم کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ دفتر سوم کے مکتوب ۴۱ میں کسی صالحہ کے نام عورتوں کی بیعت کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے اس عہد کی مروجہ بدعتوں سے روکنے کی تاکید ہے ۔ ان میں بی بیوں کے نام کا روزہ رکھنا ، چیچک میں ماتا کی کرامات و اثرات کے بڑے توہمات اور بدعت کی خرابی ، ہندوؤں کی رسومات کے مطابق گیروے کپڑے پہننے وغیرہ کا بیان ہے ۔

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۸۷ ، بنام شیخ فتح خاں افغان ۔

”طریقت کی ضرورت اس لئے ہے کہ شرعی تکلیفات
کو بجا لانے میں آسانی ہو اور استدلالی یقین کشف سے
بدل جائے اور اطمینان نصیب ہو ...... مشاہدے
اور مکاشفے شرع کے خلاف ہوں تو انہیں نیم جو کے
بدلے بھی قبول نہیں کرنا چاہئے ....“ مکتوبات

باب سوم

فصل اول

اصلاح تصوف (اصل طریقت)

بدعت کی لطیف ترین صورت باطنی علوم کے پیراؤں میں جب اپنا ظہور کرتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے تسلیم کر لینے میں ذرا تامل نہیں کیا جاتا ۔ جس طرح شعر میں بے شمار ایسی باتوں کا اظہار کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی جنھیں اگر نثر میں ادا کیا جائے تو ہر حالت میں پرسش اور تنقید کا خدشہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح صوفیانہ اقوال میں ایک عرصے سے شریعت اسلامیہ سے ایک طرح کی بے تعلقی اور احکام شریعت کی بے اثری اور ظاہریت کو موضوع سخن بنایا جا رہا تھا اور یہ خیال عوام سے قطع نظر خواص کے ہاں بھی عام ہو گیا تھا کہ شریعت اور طریقت میں بعد المشرقین ہے ۔ اس طرح اسلام کی اساسی قدروں پر کاری ضرب پڑتی تھی اور اس کا بہت کم لوگوں کو احساس تھا ۔ دین الٰہی اور صلح کل کے فلسفے کے پس پردہ یہی جذبہ کارفرما تھا کہ رسالتؐ پر ایمان لانے کے بغیر اور شریعت اسلامیہ کے احکام کو بجا لانے کے بغیر ہی امن پسند اور صلح جو انسانوں کے لئے بھی خدا کے ہاں وہی مقبولیت تسلیم کی جانے لگی تھی جو شمع رسالتؐ کے پروانوں اور دین اکمل کے شیدائیوں کے لئے موعود ہے ۔ جناب مجدد رح نے اس دقیق مسئلے کو بڑی اچھی طرح جان لیا تھا ۔

"وہ هند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار"

انھوں نے تصوف کی جس طرح اصلاح کی اس کا کچھ اندازہ ذیل کے اقتباسات سے ہو سکتا ہے جو ان کے مکتوبات سے لئے گئے ہیں ۔[1]

"اور یہ جو بعض مشائخ قدس سرہم کی عبارتوں میں سکر کے غلبے کے وقت کفر کی تعریف اور زنار باندھنے کی ترغیب وغیرہ پائی جاتی ہے ۔ اس کا مفہوم ظاہر سے ہٹا کر اس کی تاویل و توجیہ کرنی چاہئے ۔ وہ سکر کے غلبے کے وقت ان ممنوعات کے ارتکاب میں معذور ہیں اور وہ لوگ جو اہل سکر نہیں ہیں وہ اگر ان کی تقلید کریں تو معذور نہیں ہیں نہ ہی ان کے نزدیک اور نہ ہی اہل شرع کے نزدیک . . . . "۔[2]

"علوم لدنی کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعی کے صریح مطابق ہوں ۔ اگر بال بھر بھی فرق ہو تو وہ سکر سے ہے اور حق وہی ہے وہ علمائے اہل سنت والجماعت نے تحقیق کیا ہے ۔ اس کے علاوہ زندقہ یا الحاد یا وقتی فکر یا غلبہ حال ہے اور (شرع کے ساتھ) یہ تمام مطابقت مقام عبدیت میں میسر ہے . . . کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اجمالی

---

۱ - ہمیں افسوس ہے کہ ہم طوالت کے خوف سے تمام متعلقہ حوالوں کو پیش نہیں کر سکتے ۔

۲ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۳ ، بنام عبدالرحیم خانخاناں ۔

معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی علم کشفی علم سے بدل جائے ۔ انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ (سلوک میں) معارف شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے ۔ البتہ یہ درست ہے کہ اثنائے راہ میں بعض امور علوم شرعیہ کے علاوہ پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر منزل مقصود تک پہنچ جائیں تو یہ امور زائدہ پریشان ہو کر دور ہوجاتے ہیں اور وہی شرعی معارف مفصل طور پر باقی رہ جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے کھلے اور صاف میدان میں آ جاتے ہیں ۔ یعنی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان علوم کو بذریعہ وحی حاصل کرتے تھے ۔ یہ بزرگوار (اصحاب کشف) انھیں الہام کے طور پر ان کی اصل یعنی حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں ۔ علماء نے ان علوم کو شرائع سے اخذ کرکے اجمال کے طریق پر بیان کیا ہے ۔ ان بزرگواروں (کشف والوں) کو یہ علوم انبیاء کی طرح تفصیلی اور کشفی طور پر حاصل ہوتے ہیں ۔ فرق صرف اصالت اور تبعیت کا ہے ۔ اس قسم کے اولیاء میں سے بعض کو دور دراز زمانوں کے بعد منتخب فرماتے ہیں ۔ ۔ ۔ ''۔[1]

''آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ عالم‌الغیب نہیں ہے ۔ میرے مخدوم ! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں ۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آ جاتی ہے اور اس میں توجیہ و تاویل کی طرف فرصت نہیں دیتی ۔ ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی ، ہمیں تو محمد عربی علیہ الصلوۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام ، ہم کو

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۳۰ ، بنام شیخ نظام تھانیسری ۔

نص سے کام ہے نہ فص سے ، فتوحات مدینہ (احادیث) نے ہم کو فتوحات مکہ سے لاپروا و بے نیاز کر دیا ہے - حق تعالیٰ قرآن مجید میں اپنی تعریف علم غیب سے کرتا ہے اور اپنے آپ کو عالم غیب فرماتا ہے - اب حق تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت ہی برا ہے اور حقیقت میں حق تعالیٰ کا انکار ہے - غیب کے کچھ اور معنی بیان کرنے اس برائی کو دور نہیں کر سکتے - چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ ہے - کاش ان کو اس قسم کے صریح خلاف شرع کلمات ادا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا - اگر منصور اناالحق اور بسطامی ، سبحانی کہتے ہیں - تو وہ معذور ہیں ' کیونکہ جملہ احوال میں مغلوب ہیں - لیکن اس قسم کی کلام احوال پر مبنی نہیں - بلکہ علم سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی تاویل اس مقام میں مقبول نہیں ہے ، کیونکہ تاویل صرف مستوں کے کلام کی کیا کرتے ہیں - اگر متکلم کی مراد ایسے کلمات سے خلق کی طرف سے ملامت حاصل کرنی ہو تو تب بھی مکروہ ہے - ملامت کے کئی اور طریقے ہیں - ایسی باتوں کی کیا ضرورت ہے جو کفر تک پہنچا دیں . . . ''-[1]

'' . . . جہان کو اپنے صانع کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے - سوائے اس کے کہ اس کی مخلوق ہے اور اس کے اسماء ، شیون اور کمالات پر دلالت کرتا ہے وہاں اتحاد ، عینیت ، احاطہ ، سریان اور معیت ذاتیہ کا حکم لگانا مغلوب الحال لوگوں کا کام ہے - مستقیم الاحوال بزرگوار جنہیں اس نے صحو کا پیالہ پلایا ہے - جہان کو اپنے صانع کے ساتھ سوائے مخلوق اور مظہر ہونے کے اور کوئی

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ' مکتوب ۱۰۰ ، بنام ملا حسن کشمیری -

نسبت نہیں دیتے اور علمائے اہل حق کی طرح احاطه ، سریان اور معیت کو علمی جانتے ہیں -

تعجب ہے کہ صوفیه کی ایک جماعت ذاتی نسبت کو احاطه اور معیت کی طرح ثابت کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات کے بھی معترف ہیں کہ ذات سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں حتیٰ کہ صفات ذاتیه بھی ، حالانکه یه تناقض ہے - اس تناقض کے رفع کرنے کے لئے ذات میں مراتب (تنزلات) کا ثابت کرنا فلسفیانه تحقیقات کی طرح بے جا تکلف ہے - صحیح کشف والے بزرگوار ذات حق کو بسیط حقیقی کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اس کے سوا جو کچھ ہوا ہے اسما میں داخل سمجھتے ہیں . . . ‘‘ -[۱]

’’ طریقه نقشبندیه میں واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرتے ‘‘ -[۲]

’’ منازل سلوک طے کرنے کا مقصد ایمان حقیقی حاصل کرنا ہے - جو نفس کے مطمئنه ہونے پر وابسته ہے ، جب تک نفس مطمئنه نه ہو نجات ناممکن ہے - یه اطمینان کے درجے پر قلبی سیاست کے بغیر نہیں پہنچتا اور یه سیاست قلبی اس وقت حاصل ہوتی ہے - جب دل اس کام سے جو اس کے سامنے ہے فارغ ہو کر ماسوا سے مخلصی پائے اور اس مخلصی کی علامت ماسوائے کا نسیان ہے ‘‘ -[۳]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۲۵ ، بنام میر صالح نیشاپوری -
۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحه ۱۳۰ -
۳ - مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحه ۱۶۱ بنام ملا صالح -

"شریعت کے لئے ایک صورت یعنی ظاہر ہے اور ایک حقیقت یعنی باطن ہے - ظاہر کے بیان کرنے کے ذمہ دار علمائے ظاہر ہیں اور حقیقت سے صوفیہ علیہ ممتاز ہیں - شریعت کی صورت کا نہایت عروج سلسلہ ممکنات کی نہایت تک ہے - اس کے بعد اگر وجوب کے مرتبوں میں سیر سلوک واقع ہو تو صورت حقیقت کے ساتھ مل جاتی ہے اور اس آمیزش کا معاملہ بھی شان علم کے عروج تک ہے - اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت اور حقیقت دونوں میں وداع ہو جاتا ہے اور عارف کا معاملہ شان حیات سے جا پڑتا ہے - اسے عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور مقصود کا دروازہ ہے - اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے - لیکن محفوظ ہوتا ہے اور شرع کے دقائق کو نظر انداز نہیں کرتا - اس دولت والے بہت کم ہیں - صوفیوں میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس عالی مقام کے ظلال تک پہنچے ہیں (ہر مقام عالی کے لئے اسفل میں اس کے لئے ایک ظل ہے) انھوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے قدم دائرہ شریعت سے باہر رکھا ہے اور پوست کو چھوڑ کر مغز تک پہنچ گئے ہیں - یہ مقام صوفیوں کے قدم پھسلنے کا ہے - بہت سے ناقص یہیں سے الحاد و زندقہ میں جا گرے ہیں اور شرع کی متابعت ترک کرکے اوروں کو بھی گمراہ کیا ہے، کامل لوگ جو ولایت کے کسی درجے میں مشرف ہوتے ہیں وہ اگر اس اعلیٰ مقام کے ظل میں ہی ہوں تاہم وہ شرع کی پابندی ترک نہیں کرتے جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم کے طفیل اس فقیر پر اس معمے کا بھید منکشف ہو گیا ہے اور اصل معاملہ کماحقہ، واضح ہو گیا ہے - اس کا تھوڑا سا ماجرا معرض بیان

میں لایا ہے شاید کہ ناقص راہ راست پر آجائیں اور کاملوں پر معاملے کی حقیقت واضح اور ظاہر ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ شرعی تکلیفات قالب اور قلب سے ہی مخصوص ہیں۔ اس لئے کہ تزکیہ نفس انہی پر موقوف ہے اور دوسرے لطائف دائرہ شریعت سے قدم باہر رکھتے ہیں اور غیر مکلف ہیں اور یہ جو مکلف ہیں۔ ہمیشہ کے لئے مکلف ہیں (ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی) سلوک سے پہلے لطائف ایک دوسرے سے ملے جلے ہوتے ہیں اور قلب سے جدا نہیں ہوتے جب سیر و سلوک سے جدا ہو کر اپنے اپنے اصل مقام پر پہنچے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے (شرع کا) مکلف کون تھا اور کون نہیں تھا''۔[۱]

''بسیط حقیقی کو کثرت کے احاطے سے باہر تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ذکر کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہئے اور قلب میں نگاہ رکھ کے ذکر کرنا چاہئے۔ تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے۔ پیر وہ شخص ہے جس سے خدا تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راہ میں تو اس سے مدد و اعانت حاصل کرے۔ صرف کلاہ، دامنی اور شجرہ جو معروف ہوگیا ہے پیری کی اور مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت میں داخل ہے۔ ہاں اگر تجھے شیخ کامل سے کوئی کپڑا تبرک کے طور پر ہاتھ لگے اور تو اسے اعتقاد و اخلاص کے ساتھ پہن کر زندگی بسر کرے تو اس طرح

۱۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب صفحہ ۱۷۲ بنام شیخ بدیع الدین۔

بے شمار فوائد کے حاصل ہونے کا قوی امکان ہے - تجھے جاننا چاہئے
کہ خواب و واقعات کسی اعتماد اور اعتقاد کے لائق نہیں ہیں - اگر
کسی نے اپنے آپ کو خواب میں بادشاہ یا قطب وقت دیکھا تو حقیقت
میں وہ بادشاہ یا قطب نہیں ہے - ہاں اگر خواب یا واقعے کے بغیر
بادشاہ یا قطب بن جائے تو مسلم ہے - صرف وہی احوال و مواجید
اعتماد کے لائق ہیں جو بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں
اور جاننا چاہئے کہ ذکر کا نفع اور اس پر نتائج کا مترتب ہونا
شریعت کے احکام کی بجا آوری سے وابستہ ہے - پس فرضوں اور سنتوں
کے ادا کرنے اور حرام و مشتبہ سے بچنے میں بڑی احتیاط کرنی
چاہئے اور قلیل و کثیر میں علماء کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور
ان کے فتوے کے مطابق عمل کرنا چاہتے " -[1]

" نفحات میں شیخ ابن السکینہ قدس سرہ کے مرید کی نسبت
مذکور ہے کہ اُس نے ایک دن دریائے دجلہ میں غسل کرتے وقت
غوطہ لگایا اور سر دریائے نیل سے جانکالا اور مصر میں پہنچ گیا -
وہاں شادی کی - اس کے بعد بیٹے پیدا ہوئے اور وہاں سات سال
مقیم رہا اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دریائے نیل میں غسل کرتے
ہوئے غوطہ لگایا اور سر دریائے دجلہ سے جا باہر نکالا - دیکھا تو
اس کے کپڑے جو دریائے دجلہ کے کنارے اس نے اتارے تھے
بدستور وہاں موجود ہیں - اس نے وہ کپڑے پہنے اور گھر آیا -
اس کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے لئے جو کھانا آپ نے فرمایا تھا
تیار ہے . . .

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۹۰ میر محمد نعمان کے ایک فرزند
کے نام -

میرے مخدوم اس حکایت کا اشکال اس وجہ سے نہیں کہ برسوں کا کام ایک گھڑی میں ہوگیا ۔ اس قسم کا معاملہ بہت واقع ہوتا ہے ۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شب معراج عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصل کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہوسکیں ، جب اپنے دولت خانہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے اور کوزے میں وضو کا پانی بھی حرکت میں ہے ۔

اس کی وجہ وہی ہے جو اس حکایت کے نقل کرنے کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات بسیط زمان کی قسم ہے ۔ بلکہ اس حکایت کی اشکال اس سبب سے ہے کہ بغداد میں وہی وقت ہو جو مصر میں ہو ۔ حالانکہ سات سال کا عرصہ درمیان ہے ۔ مثلاً اہل بغداد اس وقت ۳٦۰ھ میں ہوں اور اہل مصر اس وقت ۳٦۷ھ میں ہوں ۔ عقل و نقل دونوں کو یہ بات پسند نہیں ۔ یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہے ۔ لیکن مختلف شہروں اور متعدد مکانوں کی نسبت محال ہے ۔ جو کچھ اس فقیر کی خاطر فاتر میں گزرتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ یہ حکایت حالت بیداری سے متعلق نہیں ہے ۔ بلکہ خواب و واقعے کی قسم سے ہے کہ سننے والے کے لئے خواب رویت (دید) سے مشتبہ ہو گیا ہے اور نیند سے بیداری کا وہم گزرا ہے ۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں ''۔[۱]

''... اول عقائد کو درست کرنا چاہئے اور اس امر کی تصدیق جو تواتر و ضرورت کے طور پر دین سے معلوم ہے لازمی

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۱۰ بنام ملا شکیبی اصفہانی ۔

ھے ۔ دوسرے ان باتوں کا علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ
ھے ۔ تیسرے طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ھے ۔ یہ اس غرض
کے لئے نہیں ھے کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاھدہ کریں اور نوروں
اور رنگوں کو دیکھیں ۔ حسی صورتیں اور ظاھری انوار کیا کم ھیں
کہ ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاھدوں سے غیبی صورتوں اور
انوار کا تمنائی ھو ۔ حالانکہ یہ حسی صورتیں اور انوار اور باطنی
صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ھیں اور اس کے صانع
ھونے پر دلیلیں ھیں ۔ چاند و سورج کا نور جو عالم ظاھر سے ھے
ان انوار سے جو عالم مثال میں دیکھیں کئی گنا زیادہ ھے ۔ لیکن
چونکہ یہ دید (ظاھری) دائمی ھے اور خاص و عام اس میں شریک
ھیں ۔ اس لئے اس کو نظر و اعتبار میں نہ لاتے ھوئے لوگ انوار
غیبی کی ھوس کرتے ھیں ۔ ع آبے کہ رود پیش درت تیرہ نماید ،
بلکہ طریقہ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ھے کہ معتقدات شرعیہ
میں یقین زیادہ حاصل ھو جائے ۔ تا کہ استدلال کی تنگی سے نکل کر
کشف کے میدان میں آجائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف میلان
کریں ۔ مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود جو پہلے استدلال
یا تقلید کے طور پر معلوم ھوا تھا اور اس کے اندازہ کے مطابق یقین
زیادہ حاصل ھوا تھا ۔ جب طریق صوفیہ کا سلوک میسر ھوتا ھے تو
یہ استدلال و تقلید کشف شہود سے بدل جاتا ھے اور کامل یقین
حاصل ھو جاتا ھے ۔ اسی طرح سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ھے ۔
اور نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ھے کہ احکام فقیہہ کے
ادا کرنے میں آسانی حاصل ھو جائے اور وہ مشکل دور ھو جائے جو
نفس کی آمارگی سے پیدا ھوتی ھے ۔ اور اس فقیر کا یقین ھے کہ طریق
صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ھے ، نہ کہ شریعت کے مخالف

کچھ اور امر - اپنی کتابوں اور رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کی ھے - اور اس غرض کے حاصل ھونے کے لئے تمام طریقوں میں سے طریقۂ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ھے - کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم گردانا ھے اور بدعت سے کنارہ کیا ھے - یہی وجہ ھے کہ اگر متابعت کی دولت ان کو حاصل ھو اور احوال و مکاشفات کچھ نہ رکھتے ھوں تو خوش ھیں اور اگر باوجود احوال کے متابعت میں قصور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے - حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ھے کہ اگر تمام احوال و مواجید ھمیں دے دیں اور ھماری حقیقت کو اھل سنت والجماعت کے اعتقاد سے نوازش نہ فرمائیں تو سوائے خرابی کے ھم کچھ نہیں جانتے اور اگر اھل سنت والجماعت کا اعتقاد ھم کو دے دیں اور احوال کچھ نہ دیں تو پھر کچھ غم نہیں ھے . . . . "۔[1]

" اے عزیز اس غیب الغیب راستے میں سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ھیں - آپ اعتقادات اور عملیات میں شریعت کو مدنظر رکھ کر زندگی بسر کریں - حضور و غیبت میں فقیر کی یہی نصیحت ھے - اس میں غفلت نہ ھونے پائے . . . . "۔[2]

" شرعی احکام کے بجا لانے کی توفیق فرط محبت کا نتیجہ ھے اور باطنی جمعیت کا حاصل ھونا اسی محبت کا ثمر ھے - اگر تمام جہاں جتنی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں ڈال دیں لیکن اس محبت کو

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۱۰ ، بنام ملا شکیبی -
۲ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۲۰ ، بنام شیخ حمید بنگالی -

(جو خدا کے بندوں سے ہو) قائم کر لیں تو کچھ غم نہیں کرنا چاہئے ۔ بلکہ امید رکھنی چاہئے اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں زیادہ کریں ۔ لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی کمی کر دیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہئے اور اس کو استدارج شمار کرنا چاہئے ۔۔۔۔ "۔[1]

"۔۔۔ اپنے احوال کو علوم و اصول شرعی کے مطابق درست کریں ۔ کسی قول و فعل میں شریعت کا خلاف پیدا ہو تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہئے ۔۔۔۔ "۔[2]

"۔۔۔ مشائخ نقشبندیہ نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور ذوق و معارف کو علوم دینیہ کے خادم جانتے ہیں ۔ احکام شرعی کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے خزف ریزوں کے بدلے نہیں دیتے اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے ۔ نص کو چھوڑ کر فص کی خواہش نہیں کرتے اور فتوحات مدینہ کو چھوڑ کر فتوحات مکہ کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے ان کے لئے دائمی ہے اور ماسوا کا نقس ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ ہزار سال کوشش کریں تب بھی غیراللہ کا خیال دل میں نہیں لا سکتے ۔۔۔ "۔[3]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۲۵ ، بنام ملا عبدالغفور سمرقندی و حاجی بیگ فرکتی ۔

۲ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۴۰ ، بنام شیخ یوسف برکی ۔

۳ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۴۳ ، بنام ملا عمر ایوب محتسب ۔

”اس کشف و الہام کی تصدیق اور کسوٹی علمائے اہل حق کے معانی مفہومہ کو قرار دیں - کیونکہ وہ معانی جو ان کے مفہومہ معنوں کے برخلاف ہیں وہ محل اعتبار سے ساقط ہیں - کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ کتاب و سنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنی ناقص فہم کے موافق انہی سے غیر مطابق معانی سمجھ لیتا ہے - یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا .... “-[۱]

”اگر صوفیہ کا کلام احکام شرعی کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی حجت اور تقلید کے لائق ہے - کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق علمائے اہل سنت والجماعت کے اقوال ہیں - پس صوفیہ کا جو کلام ان علماء کے اقوال کے موافق ہے وہ معقول ہے اور جو مخالف ہے وہ مردود ہے - مستقیم الاحوال صوفیہ احوال و اقوال ، اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے - اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے - اس کی تقلید ناجائز اور نا درست ہے - اس کی تاویل کرنی چاہئے .... “-[۲]

”کمال محبوب کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی متابعت پر موقوف و منحصر ہے - جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے .... “-[۳]

---

۱ - مکتوبات دفیر اول ، مکتوب ۲۸۶ ، بنام مولانا امان اللہ فقیر -

۲ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۸۹ ، بنام ملا بدرالدین -

۳ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۴۲ ، بنام خواجہ حسام الدین احمد و جمال الدین -

"سچے اور جھوٹے کے درمیان شریعت میں استقامت اور عدم استقامت کو دیکھ کر فرق معلوم ہو جاتا ہے ۔ جو سچا ہے وہ باوجود سکر و مستی اور بے خودی کے ایک بال کے برابر بھی شرع کے مخالف عمل نہیں کرتا ۔ منصور باوجود اناالحق کہنے کے قید خانے میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہر رات پانچسو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور جو کھانا اسے ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ حلال ہوتا نہ کھاتا تھا ۔ جو شخص جھوٹا ہے اس کے لئے احکام شرعیہ کا بجا لانا کوہ قاف کی طرح بوجھل ہے .... "۔[۱]

"علماء صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں ۔ باطن کی درستی میں کوشش کرنا شرعی احکام کے بجا لانے کے لئے ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے باطنی احوال استدراج ہیں۔ استقامت کا طریقہ شریعت ہے اور باطن کی درستی کی علامت ظاہر کو شرعی احکام سے سنوارنا ہے ... سنت اور فرض کا زندہ کرنا سب سے بڑا کام ہے اور سب سے بڑا ثواب انہی پر مترتب ہوتا ہے .... "۔[۲]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۹۵ ، بنام مقصود علی تبریزی ۔

۲ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۸۷ ، بنام فتح خان افغان ۔

فصل دوم

سماع اور رقص و وجد

'' جان لے کہ سماع اور وجد ان لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے ۔ جن کے احوال متغیر ہوتے نہیں اور جن کے اوقات متبدل ہوتے رہتے ہیں ۔ یعنی کبھی حاضر ہیں اور کبھی غائب ، یہ لوگ ارباب قلوب ہیں ۔ جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل اور متحول ہوتے رہتے ہیں ۔ احوال کا مختلف ہونا ان کا فقد وقت ہے اور امیدوں کا پراگندہ ہونا ان کے حسب حال ہے ۔ دوام حال ان کے لئے محال ہے یعنی کبھی قبض میں ہیں اور کبھی بسط میں ، یہ لوگ وقت کے مغلوب ہیں کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی نزول ، لیکن تجلیات ذاتیہ والے لوگ جو پورے طور پر قلب سے نکل گئے ہوں اور مقلب القلوب (خدا) تک پہنچ گئے ہوں ۔ تو وہ احوال کی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہو چکے ہوتے ہیں اور سماع و وجد کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ ان کا وقت دائمی اور ان کا حال سرمدی ہے ، بلکہ وہاں نہ وقت ہے نہ حال ، یہی لوگ صاحب تمکین ہیں اور ایسے واصل ہیں کہ ان کے لئے ہرگز نہ رجوع ہے نہ فقد ہے ۔ پس جس کے لئے فقد (انقطاع) نہیں وجد بھی نہیں ۔ ہاں منتہیوں ہی سے ایک قسم کے لوگ ایسے ہیں ۔ جن کو سماع باوجود کہ ان کا وقت و حال دائمی ہے فائدہ دیتا ہے ۔

اگر سوال کریں کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتحیہ نے فرمایا ھے۔ لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔ اس حدیث سے معلوم ھوتا کہ وقت دائمی نہیں ھوتا۔ میں اس کے جواب میں کہتا ھوں کہ اس حدیث کو صحیح مان لینے پر بعض مشائخ نے اس وقت سے وقت مستمرہ مراد رکھا ھے۔ پس اس میں کوئی اشکال نہیں ھے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ھے کہ وقت مستمرہ میں کبھی خاص کیفیت حاصل ھوتی ھے۔ تو ھو سکتا ھے کہ وقت سے وقت نادرہ اور یہ کیفیت نادرہ مراد ھو۔ اس صورت میں بھی یہ اشکال دور ھو جاتا ھے۔ اگر یہ سوال کریں کہ ھوسکتا ھے کہ نغمہ سننے کو اس کیفیت نادرہ کے حاصل ھونے میں دخل ھو اور یوں منتہی بھی اس کیفیت کے حصول کے لئے نغمے و سماع کا محتاج ھوا۔ تو اس کا جواب یہ ھے کہ وہ کیفیت کاملاً ادائے نماز کے وقت متحقق ھوتی ھے اور اگر کبھی نماز کے علاوہ بھی حاصل ھوجائے تو نماز ھی کے نتائج و ثمرات سے ھے۔ ممکن ھے حدیث قدسی ” قرۃ “ عینی فی الصلوٰۃ میں اس کیفیت نادرہ کی طرف اشارہ ھو اور نیز خبر میں ھے کہ اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ھے۔ و اسجد واقترب ، اور کچھ شک نہیں ھے کہ جس وقت میں اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ ھو۔ اس وقت غیر کی گنجائش ھرگز نہیں ھے۔ پس اس حدیث و آیت سے بھی مفہوم ھوتا ھے کہ وہ وقت خاص نماز میں ھے اور وقت کے استمرار اور وصل کے دوام پر مشائخ کا اتفاق ھے۔

ذوالنون مصری رح نے فرمایا ھے۔ مارجع من وجع الا من الطریق ومن وصل لا یرجع ، یاد داشت جو خداوند جل شانہ

کے ساتھ دوام حضور سے مراد ہے ۔ حضرت خواجگان قدس سرھم، کے طریقے میں امر واقع ہے ۔ غرض دوام وقت سے انکار کرنا نارسائی کی علامت ہے اور بعض مشائخ مثلاً ابن عطا وغیرہ جو اس بات کے قائل ھیں کہ واصل کا صفات شریعت کی طرف عود کرنا جائز ہے ۔ اس سے وقت کا دائمی نہ ھونا مفہوم ھوتا ہے ۔ (معلوم ھو) کہ ان کا خلاف رجوع کے جواز میں ہے نہ کہ وقوع (وصل استمرار) میں کیونکہ رجوع بے شک واقع نہیں ہے ۔ کما لا یخفی علی ارباہ اس پر مشائخ کا اجماع واصل کے عدم رجوع پر ثابت ہے اور بعض کا خلاف رجوع کے جواز کی طرف ہے ۔

ھاں منتہیوں میں سے ایک گروہ کا یہ حال ہے کہ کمال کے درجات میں سے کسی درجے پر پہنچے اور جمال لایزال کے مشاھدے کے بعد انھیں سخت برودت (بے ذوقی) حاصل ھو جاتی ہے اور پوری پوری تسلی حاصل ھو جاتی ہے اور اس طرح منازل وصول تک عروج نہیں ھو سکتا ۔ جو ابھی آگے ھوتی ھیں ۔ انھوں نے قرب کے مدارج نہایت تک طے نہیں کئے ھوتے ۔ اس برودت کے باوجود عروج کی خواھش اور طلب مطلوب رکھتے ھیں ۔ اس صورت میں ان کے لئے سماع فائدہ مند اور حرارت بخش ھوتا ہے ۔ ھر لمحہ سماع کی مدد سے انھیں منازل قرب کی طرف ترقی میسر ھوتی ہے اور تسکین ھونے پر ان منازل سے نزول کرآتے ھیں ۔ لیکن ان مقامات عروج سے کوئی نہ کوئی رنگ اپنے ساتھ لے آتے ھیں اور اس میں رنگے جاتے ھیں ۔ یہ وجد فقد کے بعد نہیں ہے ۔ کیونکہ فقد ان کے حق میں مفقود ہے ، بلکہ دوام وصل کے باوجود یہ وجد وصول کی منزلوں کی طرف ترقی کے لئے ہے ۔ منتہیوں اور واصلوں کا سماع و وجد اسی قسم سے

ھے ۔ فنا و بقا کے بعد انھیں جذبہ تو عطا فرماتے ھیں ۔ لیکن برودت کی
شدت کی وجہ سے یہ جذبہ تنہا منازل عروج تک ترقی کے لئے ان کو
کافی نہیں ھوتا ۔ اس لئے سماع کے محتاج ھوتے ھیں ۔ مشائخ میں
ایک گروہ اور ھے ۔ جن کے نفوس درجۂ ولایت تک پہنچنے کے بعد
مقام بندگی میں اتر آتے ھیں اور ان کے ارواح نفوس کی مزاحمت کے
بغیر اپنے اصل مقام میں جناب قدس سرہ کی طرف متوجہ رھتے ھیں ۔
اور ھر لحظہ انھیں نفس مطمئنہ کے مقام سے جو مقام بندگی میں راسخ
ھو چکا ھوتا ھے ۔ ان کی روح کو مدد پہنچتی رھتی ھے اور اس
امداد سے اسے مطلوب کے ساتھ خاص نسبت پیدا ھو جاتی ھے ۔ ان
بزرگواروں کو عبادت میں آرام ملتا ھے ۔ بندگی اور طاعت کے حقوق
ادا کرنے پر تسکین پاتے ھیں ۔ عروج کی خواھش کم رکھتے ھیں ۔
ان کے وقت کی پیشانی ملت کی متابعت سے درخشاں اور ان کی چشم
بصیرت اتباع سنت کے سرمہ سے روشن ھوتی ھے ۔ اس واسطے یہ لوگ
تیز نظر والے ھیں اور دور سے اس چیز کو دیکھ لیتے ھیں جسے
دیکھنے سے نزدیک کے لوگ عاجز ھوتے ھیں ۔ یہ لوگ اگرچہ
عروج کمتر رکھتے ھیں لیکن نورانی ھیں اور اصلی نور سے منور
ھیں اور اسی مقام میں شان عظیم کے مالک ھیں ، انھیں سماع و وجد
سے کیا سرو کار ، ان کے لئے عبادتیں سماع کا کام دیتی ھیں اور
انھیں اصل کی نورانیت عروج سے کفایت بخشتی ھے ۔

اھل سماع و وجد کے مقلد لوگ جو ان بزرگواروں کی شان
سے واقف نہیں ھیں ۔ اپنے آپ کو عاشق خیال کرتے ھیں اور انھیں
زاھد ، گویا ان کے نزدیک عشق و محبت رقص وجد ھی میں منحصر
ھے ، منتھیوں میں سے ایک گروہ ایسا ھے جن کو سیرالی اللہ کے قطع

کرنے اور بقا باللہ کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد قوی جذب عطا ہوتی ہے ۔ جس سے انہیں کشاں کشاں اپنی جانب لے جاتے ہیں ۔ ان میں برودت کا کچھ اثر نہیں ہوتا ۔ ان کے لئے تسلی و آرام ناجائز ہے ۔ یہ لوگ عروج میں عجیب و غریب امور کے محتاج نہیں ہوتے اور سماع و رقص ان کی خلوت میں راہ نہیں پا سکتے ۔ وجد و تواجد کو ان سے کیا کام ، اس انخراج عروج سے وہ نہایت النہایت مرتبہ تک جہاں تک کہ وصول ممکن ہے پہنچ جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کے وسیلے سے اس مقام سے جو جناب ص کے ساتھ مخصوص ہے ۔ حصہ پالیتے ہیں ۔ اس قسم کا وصول افراد کے گروہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے ۔ اقطاب کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہے اور اگر محض فضل ایزدی جل شانہ، سے اس واصل کو عالم کی طرف واپس لائیں اور مستعدوں کی تربیت اس کے حوالے کریں ۔ تو اس کا نفس مقام بندگی میں اُتر آتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش اور مزاحمت کے بغیر جناب قدس کی طرف متوجہ رہتی ہے ۔ ایسا شخص کمالات فردیہ کا جامع اور قطبیہ تکمیلات کا حامل ہوتا ہے ۔ قطب سے مراد اس جگہ قطب ارشاد ہے ، نہ کہ قطب اوتاد ، مقامات ظلی کے علوم اور مدارج اصل کے معارف اسے حاصل ہوتے ہیں ۔

مبتدی کے لئے وجد وسماع مضر ہے ۔ اسے عروج سے روکتا ہے ۔ خواہ شرائط کے موافق ہی واقع ہوا ہو ۔ اس کا وجد روگی اور اس کا حال وبال ہے ۔ اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کی تحریک ہوائے نفسانی سے پر ہے ۔ مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے ۔ جو ارباب قلوب میں سے ہو اور یہ لوگ مبتدیوں اور منتہیوں کے درمیان

ہوتے ہیں ۔ منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ اور واصل کامل ہو ۔ انتہا کے بہت سے درجات ہیں اور وصول کے بہت سے مراتب ہیں ۔ جن کا ابدالاباد تک قطع کرنا ناممکن ہے غرض سماع متوسطوں اور ایک قسم کے منتہیوں کے لئے بھی نافع اور مفید ہے ۔ جیسے کہ مذکور ہوا ۔

لیکن یہ جاننا چاہئے کہ ارباب قلوب کو بھی (یعنی تمام کو) سماع کی حاجت نہیں ہے ۔ بلکہ ان کے لئے سماع کی ضرورت ہے ۔ جو جذب کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے اور سخت ریاضتوں اور کٹھن مجاھدوں کے ساتھ راستے کو طے کرنا چاہتے ہیں ۔ ایسی صورت میں سماع اور وجد ان کا مددگار بن سکتا ہے ۔ اگر صاحب قلب مجذوبوں میں سے ہو تو اس کا سلوک جذبے سے طے ہو جاتا ہے اور اسے سماع کی حاجت نہیں پڑتی ۔

سماع کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اسے اپنے کمال کا اعتقاد نہ ہو ۔ اگر اپنی کمالیت کا معتقد ہے تو پھر محبوس ہے ، اسے سماع ایک قِسم کا عروج بخشے گا ۔ لیکن تسکین کے بعد وہ اس مقام سے نیچے اتر آئے گا ۔ باقی تمام شرائط مستقیم الاحوال بزرگوں کی کتابوں مثلاً عوارف المعارف وغیرہ میں مفصل طور پر درج ہیں ، جن میں سے اکثر اس وقت کے لوگوں میں مفقود ہیں ۔ بلکہ جو رقص و سماع آج کل متعارف ہے ۔ اور جو مجلس و اجتماع آج کل مشہور و معروف ہیں ان کے مضر محض اور منافیٔ سلوک ہونے میں کچھ شک نہیں ہے ۔ عروج وھاں بے معنی ہے ۔ سماع سے مدد و استعانت مفقود ہے اور اس کی مضرت و نقصان موجود ہے ''۔[۱]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۸۵ ، بنام میر سید محب اللہ ۔

آپ نے اپنے مخدوم زادوں خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کی خدمت میں۔ عقائد کے بیان میں ایک طویل خط لکھا ہے ۔ اس میں سماع سے متعلق یوں فرمایا ہے :

''سماع و رقص در حقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں ۔ آیۃ ۔ ومن یشتری لہو الحدیث ، (جو خرافات مول لے لیتا ہے) سرود کے منع ہونے کے لئے نازل ہوئی ہے ۔ مجاھدرح نے جو ابن عباس رض کا شاگرد ہے ۔ اسے سرود کے لئے ہی قرار دیا ہے ۔ نیز ابن مسعود اور ابن عباس نے بھی یہی تصریح کی ہے . . . آیات و احادیث اور فقہی روایات غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر نہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے ۔ اگر کوئی شخص منسوخ حدیث ، روایت شاذ کو سرود کے مباح ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرے ۔ تو یہ امر قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ کسی فقیہ نے کسی عہد میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے ۔ اور صوفیا کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے ۔ صرف یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں ۔ یہاں تو امام ابوحنیفہ رح ، امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی رح ، ابی حسن نوری رح کا عمل ، اس زمانہ کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کرکے سرود و رقص کو اپنا دین بنا لیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے ۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہیں ہوئے ۔ اور ہم تابعداروں کو ایسے امور کی تقلید سے چھڑا دیا ہے . . . ''۔[1]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۶۶

فصل سوم

سیر و سلوک

مکتوبات میں سیر و سلوک (طریقت) کے بارے میں بڑی وضاحت ہے - ذیل کے حوالے دیکھئے :

" ولایت کے بہت سے درجے ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں - ہر نبی کے قدم کے نیچے ایک ولایت ہے - جو اس سے مخصوص ہے - ولایت کے درجات میں سے بلند اور اعلیٰ وہی درجہ ہے جو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے قدم کے نیچے ہے - کیونکہ وہ تجلی ذاتی جس میں اسماء، صفات، شیون و اعتبارات کا کچھ دخل نہیں ہے - وہ اس ولایت سے مخصوص ہے - جس میں تمام وجودی اور اعتباری پردے زائل ہو جاتے ہیں - اور یہ بات علمی اور عیبی طور پر ثابت ہے - پس اس وقت وصل عریانی حاصل ہوجاتا ہے - اور وجد حقیقی متحقق ہوتا ہے - نہ کہ ظنی اور تخمینی اور نادر مقام سے آنحضرتؐ کے کامل تابع افراد کو بڑا حصہ حاصل ہوتا ہے " - [1]

" تجلی ذاتی حضرت ذات کے حضور سے مراد ہے جسے مشائخؒ نے تجلی برقی کہا ہے - کہ تھوڑی دیر کے لئے حضور ہے اور پھر شیون و اعتبارات کے پردے چھا جاتے ہیں - دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اسے ہی نہایت النہایت کہا ہے - لیکن سلسلۂ علیہ نقشبندیہ کے کاملوں کے نصیب یہ تجلی دائمی ہے - لہذا ان کی نسبت کو دوسروں

---

۱ - مکتوبات دفتر اول نمبر ۲۱ بنام شیخ محمد مکیؒ

کی نسبت کے مقابلے میں دیکھنا چاہئے - اور بے تکلف اسے سب سے برتر جاننا چاہے "۔[۱]

" اس تجلی کے دائمی حصول کی نسبت طریقہ نقشبندیہ میں مسلم ہے - اور اس کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ طالبوں کو رغبت زیادہ ہو "۔[۲]

" ہمارے پیغبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے - اور آپ ؐ کی کتاب میں تمام آسمانی کتابیں شامل ہیں - لٰہذا اس شرع کی متابعت سابقہ تمام شریعتوں کی متابعت ہے - پس تابعدار اپنی استعداد کے مطابق انبیاءؑ گذشتہ میں سے کسی ایک کے ساتھ نسبت رکھتا ہے - اور اس کی ولایت کو حاصل کر لیتا ہے - جناب نبی کریم ؐ کی ولایت تمام ولایتوں پر حاوی ہے - لٰہذا کسی دوسرے نبی کی ولایت میں ہونا آپ کی ولایت خاصہ کے اجزا میں سے کسی جزو تک پہنچنا ہے - اگر کمال اتباع حاصل ہو جائے - تو اس ولایت عالی تک پہنچنا ممکن ہے "۔[۳]

" حضرت خواجگان قدس سرہ کے طریقے میں یادداشت سے مراد حضور بے غیبت ہے - یعنی حضرت ذات تعالیٰ کا دوامی حضور شیون و اعتبارات کے پردوں کے درمیان میں ہوئے بغیر - ان کے نزدیک تجلی برقی اعتبار سے ساقط ہے . . . . دوام حضور ہی

---

۱ - دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷ بنام خواجہ عمک

۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱ بنام شیخ مکی رحہ

۳ - مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۷۷ بنام جباری خان

فنائے اکمل ہے - اور نہایت سلوک ہے ''-[۱]

'' ناقص سالک سے طریقہ سیکھنا نقصان دہ ہے - وہ خود حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے - لہٰذا اسکی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ حرص میں اضافہ کریگی اور سیاہی پر مزید سیاہی چڑھے گی - چونکہ ناقص خود واصل نہیں ہوتا - اسواسطے خدا کی طرف پہنچانے والے اور راستے میں ہی رہ جانے والے راستوں کے درمیان تمیز نہیں ہوتی - اور وہ طالبوں کی مختلف استعدادوں میں فرق نہیں جانتا - اس لئے بسا اوقات جذبہ والے سلوک کی راہ پر اور سلوک والے کو جذبے کی راہ پر ڈال دیتا ہے - اور یوں اسے گمراہ کر دیتا ہے ''-[۱]

'' طالب کو ابتدا میں حق تعالیٰ کی پاک جناب کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے - اُسے خست کو دور کرنا ہوتا ہے - جس کے لئے شیخ کامل سے جو برزخ کے طور پر ہوتا ہے - رجوع کرنا ضروری ہے - طلب میں فتور و سستی آجانے کا سب سے بڑا سبب ناقص شیخ سے رجوع کرنا ہے - اسکی صحبت طالب کو اسکی بلند استعداد سے گرا دیتی ہے - اور اسکے لئے زہر قاتل بنتی ہے - مثلاً جو مریض کسی ناقص طبیب سے دوا کھاتا ہے وہ اپنے مرض کو بڑھا لیتا ہے - اور اپنے مرض کے دور کرنے کی قابلیت کو ضائع کرنے لگتا ہے - اگرچہ ابتداً اس کی دارو سے ذرا تخفیف محسوس ہوتی ہے لیکن آخر کار عین نقصان ہوتا ہے - اب کسی حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ پہلے سابقہ طبیب کے دارو کی تاثیر کو

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۱۵۱ بنام میر مومن بلخی

۲ - مکتوبات دفتر اول نمبر ۲۳ بنام عبدالرحیم خانخانان

دور کرنے کیلئے مسہل وغیرہ دیگا ۔ اور اس کے بعد اصلی مرض دور کرنے کی فکر کریگا . . . ان بزگواروں کے طریق کا مدار صحبت پر ھے ۔ صرف کہنے اور سننے سے کچھ نہیں ھوتا بلکہ طلب میں سستی واقع ھو جاتی ھے '' ۔[۱]

'' جواھر خمسہ جو فلسفیوں نے ثابت کئے ھیں وہ سب عالم خلق سے ھیں ۔ نفس و عقل کو مجردات سے گننا نادانی ھے ۔ نفس ناطقہ خود یہی نفس امارہ ھے جو تزکیہ کے لئے محتاج ھے ۔ اور بالذات ھمیشہ خست اور پستی کی طرف متوجہ ھے ۔ عالم امر سے اس کو کیا نسبت ؟ عقل معقولات میں سے سوائے ان امور کے جو محسوسات کے ساتھ مناسبت رکھتے ھیں ۔ بلکہ انہوں نے محسوسات کا حکم پیدا کر رکھا ھے کچھ ادراک نہیں کر سکتی ۔ لیکن جو امر محسوسات کے ساتھ مناسبت ھی نہیں رکھتا ۔ اور مشاھدات میں اس کی شبہ و مثال ھی نہیں ھے اس تک عقل کی رسائی نہیں ھے ۔ پس عقل کی نظر بے چونی تک نہیں پہنچتی اور یہی عالم خلق کی علامت ھے ۔ عالم امر کی ابتدا قلب سے ھوتی ھے ۔ قلب کے اوپر روح اور روح سے اوپر سر اور اس کے اوپر خفی اس سے اوپر اخفی ھے ۔ اس پنجگانہ عالم امر کو جواھر خمسہ کہنا بجا ھے ۔ لیکن اپنی نظر کی کوتاھی سے فلسفیوں نے چند ٹھیکریوں کو جمع کر کے ان کا نام جواھر رکھ لیا ھے ۔

ان جواھر کا ادراک اور ان کی حقیقت کی یافت حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ عیلہ وسلم کے کامل تابع افراد کو میسر ھے ۔

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ٦١ بنام سید محمود

عالم صیغر یعنی انسان جو عالم کبیر کا نمونہ ہے ۔ عالم کبیر میں بھی ان جواہر خمسہ کے اصول ثابت ہیں ۔ انسان کے دل کی طرح عرش ، عالم کبیر کے ان جواہر کا مبداء ہے ۔ اسی مناسبت کی رو سے قلب کو بھی عرش اللہ کہتے ہیں ۔ باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں ۔ عالم کبیر میں عرش ، عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے ۔ جس طرح قلب انسان میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان ایک برزخ ہے ۔ قلب اور عرش اگرچہ بظاہر عالم خلق میں ہیں لیکن حقیقت میں عالم امر سے ہیں اور بے چونی سے حصہ رکھتے ہیں ۔ ان جواہر خمسہ کی حقیقت پر اطلاع پانا کامل اولیاء اللہ کے لئے مسلم ہے جو مراتب سلوک کو طے کر کے نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں ۔ اگر محض خدا کے فضل و کرم سے کسی صاحب دولت کی چشم بصیرت مرتبۂ وجوب کی تفصیل کے لئے بقدر ضرورت کشادہ کر دی جائے تو وہ اس مقام میں بھی ان جواہر کے اصول کا مطالعہ کر لیتا ہے ۔ اور ان جواہر صغیرہ و کبیرہ کو ان حقیقی جواہر کے ظل کی طرح پاتا ہے ۔

جواہر مقدسہ علیا کی ابتدا صفات اضافیہ سے ہے ، جو وجوب اور امکان کے درمیان برزخوں کی طرح سے ہیں ۔ ان کے اوپر صفات حقیقی ہیں ۔ جن کی تجلیات سے روح کو حصہ حاصل ہے ۔ قلب کا تعلق صفات اضافیہ سے ہے ۔ اور ان کی تجلیات سے مشرف ہے ۔ ان جواہر علیا میں سے باقی جواہر صفات حقیقی کے اوپر اور حضرت ذات تعالیٰ کے دائرے میں داخل ہیں ۔ اس لئے ان تینوں مراتب کی تجلیات کو تجلیات ذاتیہ کہتے ہیں ۔ ان کی نسبت گفتگو کرنا اچھا نہیں ۔ قلم اینجا رسید و سر بشکست "۔[۱]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۴ بنام ملا حاجی محمد لاہوری ۔

"نقشبندیه مشائخ قدس سرہ نے سیر کی ابتدا عالم امر سے
کی ہے - اور عالم خلق کی سیر کو اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے
ہیں - بر خلاف دوسرے حضرات کے جنہوں نے سیر کی ابتدا عالم خلق
سے کی ہے - اور اس کے طے کرنے کے بعد عالم امر میں قدم رکھتے
ہیں اور مقام جذبہ میں پہنچتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ طریقۂ نقشبندیہ
سب طریقوں سے اقرب ہے اور اسی سبب سے دوسروں کی انتہا
ان کی ابتدا میں مندرج ہے - ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا -
بعض طالب اس طریقے میں باوجویکہ ان کی سیر کی ابتدا
عالم امر سے ہوتی ہے - جلدی متاثر نہیں ہوتے اور جذبے کی ابتدائی
بات یعنی لذت و حلاوت جلدی حاصل نہیں کرتے - اس کی وجہ یہ
ہے کہ ان میں عالم امر ، عالم خلق کی نسبت کمزور ہوتا ہے -
اس کی کمزوری کا علاج کسی کامل تصرف والے کا تصرف تام ہے -
دوسرے طریقے والوں کے لئے ایسے مرض کا علاج تزکیہ نفس اور
سخت ریاضتیں اور مجاہدے ہیں - یاد رہے کہ تاثیر کا دیر سے
ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے - بعض کامل استعداد
والے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں" -[۱]

"وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے - اس کے سیر کی ابتدا
قلب سے ہوتی ہے - اس کے بعد روح کے مراتب میں سیر واقع ہوتی
ہے - روح سے گزر کر سر میں اور اس کے بعد خفی میں اور اس کے بعد
اخفی میں ، ان پانچ لطائف کی منازل طے کرنے اور ان میں سے ہر ایک
سے متعلق علٰحدہ علٰحدہ علوم و معارف کے حاصل ہونے اور ان کے
احوال و مواجید کے لئے متحقق ہونے کے بعد عالم کبیر میں جو ان

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۴۵ بنام ملا عبدالرحمن مفتی -

پانچ لطائف کی اصل ہے سیر واقع ہوتی ہے - جو کچھ عالم صیغر یعنی انسان میں ہے اس کی اصل عالم کبیر یعنی مجموعہ کائنات میں ہے ان پانچ لطائف کی اصل میں سیر کی آغاز عرش مجید سے ہوتی ہے - جو انسان کے قلب کی اصل ہے - اس کے اوپر روح انسانی کی اصل ہے ، اس کے بعد سر انسانی کی اصل ہے - اور اس کے بعد خفی اور اخفی کا معاملہ ہے -

جب عالم کبیر کے ان پانچ مرتبوں کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں - تو اس وقت دائرہ امکان تمام طے ہو جاتا ہے اور فنا کی منزلوں میں سے پہلی منزل میں قدم رکھا جاتا ہے - اس کے بعد اگر ترقی نصیب ہو تو اسما و صفات واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہوتی ہے - جو وجوب اور امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں - ان میں بھی اسی ترتیب سے سیر ہوگی - اور یہ نئے اصول ہیں - اگر اللہ کے فضل سے ظلال کو بھی طے کر کے ان کے آخری نقطے تک پہنچ جائیں - تو پھر واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سیر ہوتی ہے اور ان کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں - اور شیون و اعتبارات کا ظہور ہوتا ہے اور اس وقت عالم امر کے پانچ لطائف کی سیر ختم ہو جاتی ہے - اس مقام سے بلند ترقی واقع ہو تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑتا ہے اور سلوک کی انتہا یعنی مقام رضا حاصل ہوجاتا ہے - جہاں کہ شرح صدر ہوتی ہے اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں - اس مقام کے کمالات کے مقابلے میں عالم امر کے سابقہ کمالات بے وقعت ہیں اور یہ سب کمالات مذکورہ اسم ظاہر سے متعلق ہیں - اسم باطن کا معاملہ اور ہے جو پوشیدگی چاہتا ہے - جب ان دونوں مبارک اسموں کے تمام کمالات

حاصل ہوجائیں تو سالک کے لئے پرواز کے دو پر میسر ہوتے ہیں - جن کی مدد سے عالم قدس میں پرواز کرتا ہے اور بے اندازہ ترقیاں حاصل کرتا ہے . . . . ''-[۱]

''مراتب کمال میں سالکوں کی استعداد کے فرق کے مطابق فرق ہوتا ہے - اس کمال میں فرق کبھی کمیت کے لحاظ سے اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے ہے اور کبھی دونوں کے لحاظ سے - پس بعض کا کمال تجلی صفاتی پر ہے اور بعض کا تجلی ذاتی تک ہے - بعض کا کمال ماسوا سے دل کی سلامتی تک ہے اور روح کی آزادی تک ہے اور بعض کا کمال اس کے علاوہ شہود سری تک اور تیسرے کا کمال ان تینوں کے علاوہ اس حیرت تک ہے جو خفی کی طرف منسوب ہے اور چوتھے کا کمال ان چاروں کے علاوہ اس وصل تک ہے جو اخفیٰ سے منسوب ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے - مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کمال کے حصول کے بعد رجوع واقع ہوتا ہے - یا اس مقام میں ثابت و برقرار رکھتے ہیں - پہلا مقام تکمیل اور ارشاد کا ہے اور دوسرا مقام (یعنی رجوع نہ کرنا) مغلوب الحال رہنے اور مخلوق سے علاحدہ و تنہا رہنے کا مقام ہے . . . . ''-[۲]

''یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں - انسان کے سات لطائف کے مطابق سات قدم ہے - دو قدم عالم خلق میں جن کا تعلق قالب اور نفس کے ساتھ ہے اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں - جو قلب ، روح ، سر ، خفی اور اخفیٰ سے وابستہ ہیں - اور ان سات

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۰۷ بنام میر محمد نعمان

۲ - ایضاً مکتوب ۱۵۸ بنام شیخ حمید بنگالی

قدموں میں ہر ایک قدم میں دس هزار حجابات دور کرنے پڑتے هیں ۔ خواه یه پردے نورانی هوں یا ظلمانی ، ان لله سبعین الف حجاب من نور و ظلمة ۔ پہلے قدم میں جو عالم امر میں اٹھاتے هیں ۔ تجلی افعال ظاهر هوتی هے ، دوسرے پر تجلی صفات ، تیسرے پر تجلیات ذاتیه کی ابتدا هوتی هے ۔ اسی طرح درجوں کے فرق کے لحاظ سے ترقی هوتی جاتی هے ۔ جیسے که اس راه کے سالکوں کو معلوم هے ۔ هر قدم پر سالک اپنے آپ سے دور هوتا جاتا هے اور حق تعالیٰ کے نزدیک ، ان سات قدموں کے خاتمے پر قرب بھی پورا هوجاتا هے ۔ اس کے بعد فنا اور بقا سے مشرف کرتے هیں ۔ اور ولایت خاصه کے درجے تک پهنچ جاتے هیں ۔ نقشبندیه بزرگوں کا طریقه بعینه اصحاب کرام رض کا طریقه هے ۔ اصحاب کبار رض کو حضرت سیدالبشر ص کی پہلی هی صحبت میں انتہا کا ابتدا میں درج هونے کی وجه سے وه کچھ حاصل هوجاتا تھا ۔ جو امت کے کامل اولیا کو انتہا میں بھی حاصل هونا مشکل هے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''[۱]

''سات قدم کا ذکر کرنے کے بعد یوں فرمایا هے که ''یه سب کچھ نبی کریم ص کی متابعت پر منحصر هے اور یه جو بعض حضرات نے فرمایا هے که یه راه صرف دو قدم هے تو اس سے ان کی مراد مختصر طور پر یه هے ۔ که ایک قدم عالم خلق اور دوسرا عالم امر ، تاکه طالبوں کی نظر میں یه کام آسان دکھائی دے ۔ ۔ ۔ ۔ ''۔[۲]

''بعض اوقات سالک یه معلوم کرتا هے که وه انبیائے ع کرام کے مقامات سے بھی بلند چلا گیا هے، حالانکه اولیا رح کا کمال انبیاء ع کی متابعت

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۵۸ بنام سید محمود

۲ - ایضاً مکتوب ۱۹۶ بنام منصور عرب

پر منحصر ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقامات عروج کے یہ مقامات انبیاءؑ کے عروج کے مقامات نہیں ہیں بلکہ ان کا عروج ان مقامات سے کئی مرتبہ بلند ہے وہ مقامات اسمائے الٰہی ہیں ۔ جو ان کے تعینات کے مبادی اور اللہ کی طرف سے فیوض کے وسیلے ہیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اسماء کے وسیلے کے بغیر عالم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے ۔ ان اللہ لغنی عن العلمین ، اس معنی پر گواہ ہے ۔ لہٰذا انبیائے کرامؑ مراتب عروج سے نزول فرماتے ہیں ۔ اور اوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لیکر نیچے آتے ہیں ، تو ان اسماء میں ان کے مراتب کے اختلاف کے بموجب جو ان کے طبعی مقامات سے مناسب ہوتے ہیں ، اقامت فرماتے ہیں ۔ اور وطن بناتے ہیں ۔ لہٰذا اگر کوئی ان کو اس استقرار کے بعد تلاش کرے تو انہیں انہی اسماء میں پائیگا ۔ اس لئے بلند استعداد والے سالک کو جو حضرت ذات کی طرف متوجہ ہے ، اسے عروج کے وقت ان میں ضرور پہنچنا ہوتا ہے ، اور اسی سفر میں اس جگہ سے اوپر گزرنا ہوتا ہے ۔ لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آتا ہے تو اس اسم میں جو اس کے اپنے وجود کے تعین کا مبداء ہوتا ہے ، نزول کرتا ہے اور یہ اسم بلا شک انبیائےؑ کے مقامات سے بہت نیچے ہوتا ہے اور اس وقت مقامات کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے کیونکہ جس کا مقام بلند ہے وہی افضل ہے ۔ جب تک سالک اپنے اسم میں واپس نہیں آتا ۔ اسے عروج کے ضمن میں بڑے خدشات کا سامنا ہوتا ہے ۔ اور وہ انبیاءؑ کی افضلیت کا قائل تو ہوتا ہے لیکن اس کا ذوق و وجدان اس کی نفی کرتا ہے ۔ اس وقت التجا اور زاری کرنی چاہئے تاکہ اصلیت و حقیقت واضح ہوجائے ۔ یہی وہ مقام ہے ۔ جہاں سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں ۔ یہ باتیں منتہی کے حال کے مناسب کہی گئی ہیں ۔ اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہوجائے اور

اپنے آپ کو بزرگوں کے مقامات میں معلوم کرے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے، کہ سلوک کی ابتدا اور وسط میں ہر مقام کا ظل اور مثال موجود ہے، اور مبتدی و متوسط ان ظلال کو غلطی سے اصل خیال کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک واصل ہوگئے ہیں - ایسے ہی ان بزرگوں کے شبہ و مثال کو جب ان ظلی مقامات میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات میں ان بزرگوں کے ساتھ مشترک ہیں ...،،[۱]

،،طریقۂ نقشبندیہ کے سر حلقہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جو انبیائے کرامؑ کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں - اسی اعتبار سے اس طریقہ کے بزرگواروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے - ان کی نسبت سے مراد خاص حضور اور آگاہی ہے جو بعینہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت اور حضور ہے - جو تمام آگاہوں سے بڑھ کر ہے اور اس طریقے میں نہایت اس کی ابتدا میں درج ہے - حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ابتدا میں درج کرتے ہیں -

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اگر کوئی یہ کہے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں مندرج ہے تو پھر ان کی انتہا کیا ہوگی، نیز جب دوسروں کی نہایت حق سے ملنا ہے تو ان کو حق سے آگے کہاں تک سیر میسر ہوگی - اس طریقہ کی نہایت اگر میسر ہوجائے تو وصل عریانی ہوتا ہے - جس کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے پر نا اُمیدی کا حاصل ہونا ہے - اس گروہ میں سے بعض نے وصل عریانی کا دم مارا ہے اور بعض نے مطلوب

---

۱ - مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۰۸ بنام صاحبزادہ میاں محمد صادق

کے ملنے سے ناامیدی ظاہر کی ہے - یہ اجتماع ضدین نہیں ہے جو وصل کے دعوے دار ہیں وہ یاس کو حرمان سمجھتے ہیں - جو یاس کے مدعی ہیں یاس کو حرمان سمجھتے ہیں - جو یاس کے مدعی ہیں وہ وصل کو عین فصل خیال کرتے ہیں - یہ سب کچھ اس بلند مرتبہ تک نہ پہنچنے کی علامت ہے - اس عالی مقام کا ایک پر تو ان کے باطن پر چمکا ہے - جسے بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض نے یاس ، اور یہ فرق ہر ایک گروہ کی استعداد کے مناسب ہوتا ہے - اس فقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے - اگرچہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں - وصل مطلق اور ہے اور وصل عریان اور ہے - وصل عریان سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجاب سب کے سب اٹھ جائیں - اگر اسماء و صفات میں سیر مفصل طور پر واقع ہو تو اس لحاظ سے تجلیات کی انتہا نہیں ہوتی اور حضرت ذات تک پہنچنا میسر نہیں ہوتا - وصل عریان اسماء و صفات کو مجمل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے - پس اس طرح تجلیات کی نہایت ہوتی ہے - اس وصل کو عقل سے سمجھنا ممکن نہیں ہے اور جسے عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جناب پاک کے لائق نہیں ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے - طریقۂ نقشبندیہ کے بزرگوں میں سے کسی نے اپنی نہایت کی خبر نہیں دی ہے - سب نے ابتدا کی نسبت کہا ہے کہ نہایت اس میں مندرج ہے - جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہے تو ان کی نہایت بھی اسی مناسبت سے ہونی چاہئے اور اس نہایت تک پہنچنے والے تھوڑے ہیں - ان کی خصوصیتوں میں سے ایک سفردر وطن ہے - اس سے مراد سیرالنفس ہے - اسی سے ابتدا ہوتی ہے - دوسرا خاصہ خلوت درانجمن ہے - پہلے کے میسر ہونے کے ضمن میں یہ بھی میسر ہو جاتی ہے یعنی

انجمن تفرقه میں سالک کسی طرف متوجه نه هو حواس کو تکلف کے
ساتھ بیکار کرنا مراد نہیں ھے ۔ انتہا میں عین تفرقه کے ھوتے ھوئے
بھی جمعیت ھوتی ھے ۔ بعض دفعه ظاھر کے تفرقه سے چاره نہیں ھے ۔
تاکه خلق کے حقوق ادا ھوسکیں لیکن تفرقه باطن کسی وقت بھی
جائز نہیں ھوتا ۔ اس طریقه میں جذبه سلوک پر مقدم ھے اور سلوک
کی منزلیں جذبه کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں طے ھوجاتی ھیں ۔
اور عالم خلق کی سیر عالم امر کی سیر کے ضمن میں میسر ھوجاتی ھے ،
اگر اس اعتبار سے بھی کہیں که اس طریقے میں ابتدا میں ھی انتہا
درج ھے تو اس کی گنجائش ھے ۔ اس طریقے میں ابتدا میں
سرور و وجدان ھے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان ھے جو نا امیدی کے
لوازمات میں سے ھے اور دوسرے طریقوں میں معامله برعکس ھوتا
ھے ۔ قرب و شہود اور حلاوت و وجدان ، دوری اور مہجوری کا پته
دیتے ھیں اور عقلمند یه جانتے ھیں که حرمان اور بے مزگی قرب کی
نہایت کی خبر دیتے ھیں ۔ جیسے که ھر شخص کو اپنے نفس کی انتہائی
نزدیکی میسر ھوتی ھے اور قرب و شہود ، حلاوت و وجدان اس کے اپنے
نفس کے لئے مفقود ھیں اور اپنے سے غیر شخص کی نسبت جس سے
بیگانگی ھوتی ھے یه سب نسبتیں موجود ھوتی ھیں ۔

شرع کے خلاف احوال کو پسند نہیں کرتے اور صوفیه کی
بے ھوده باتوں پر فریفته نہیں ھوتے ۔ نه رقص و سماع پسند کرتے
ھیں اور نه ذکرجہر کی طرف متوجه ھوتے ھیں اور ان کا حال دائمی
ھے ۔ ان کے ھاں پیری و مریدی طریقه کی تعلیم و تسلیم پر موقوف
ھے نه که دوسرے طریقوں کی طرح کلاه و شجره پر ، جیسے که
متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاه پر منحصر کردیا ھے ۔ اس لئے

پیر کا تعدد نہیں مانتے ۔ طریقہ سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے ، اور پیری کے آداب اسی پیر کے حق میں ہی جائز سمجھتے ہیں اور مرشد کے حق مدنظر نہیں رکھتے ۔ یہ ان کی نادانی ہے ۔ ہمارے بزرگوں نے پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے بلکہ پہلے پیر کی زندگی میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے ۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس امر کے لئے بخارا کے علماء کا فتویٰ درست فرمایا تھا ۔ ہاں ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے بلکہ تبرک کے طور پر لے ۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے ، طریقت کی تعلیم دوسرے سے ، صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے ۔ اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی صاحب سے مل جائیں تو زہے نصیب ۔

پیر وہ ہے جو مرید کو حق سجانہ کی طرف رهنائی کرے ۔ یہ بات طریقت کی تعلیم میں زیادہ واضح ہے ۔ کیونکہ پیر شریعت کی تعلیم کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رهنما بھی ، برخلاف پیر خرقہ کے ، پس پیر تعلیم کے آداب کی رعایت زیادہ کرنی چاہئے کہ پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے ۔ اس طریقے میں ریاضتیں اور مجاهدے احکام شرعی کی بجا آوری اور سنت کی متابعت ہیں تا کہ نفس امارہ کی خواهشیں دور هوجائیں ۔ احکام شرعی کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے ۔ سنت کی تقلید کے علاوہ ریاضتیں معتبر نہیں ہیں ۔ اس طریقے میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے ۔ اس کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں هوسکتا ۔ کیونکہ ابتدا میں نہایت کا اندراج اسی کی اعلیٰ توجہ کا نتیجہ هوتا ہے ۔

بےخودی کی وہ کیفیت جسے انھوں نے مخفی راہ سے تعبیر کیا ہے اس کا حاصل ہونا انہی کی توجہ پر مبنی ہے - جیسے یہ نسبت کے عطا پر قدرت رکھتے ہیں - اسی طرح ان کی ایک بے التفاتی صاحب نسبت کی نسبت کو سلب کردینے کے لئے کافی ہوتی ہے - اس طریقہ کا افادہ زیادہ تر خاموشی میں ہے - جنھیں ان کی خاموشی سے جو تکلف سے نہیں ہوتی بلکہ یافت سے ہوتی ہے فائدہ نہیں ہوسکتا انھیں ان کی گفتگو سے کیا حاصل ہوسکتا ہے - ان کی توجہ احدیت مجردہ کی طرف ابتدا ہی سے ہوتی ہے . . . ''-[۱]

''سیر و سلوک یعنی سیر الی اللہ حرکت علمی سے مراد ہے - جو عالم اسفل سے عالم اعلیٰ تک اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر جاتی ہے - حتیٰ کہ ممکنات کے علوم طے کرنے کے بعد اور ان کے زائل ہونے پر واجب تعالیٰ کے علم تک پہنچ کر منتہی ہوجاتی ہیں - اسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں - اور سیر فی اللہ سے مراد وہ علمی حرکت ہے جو مراتب وجود یعنی اسماء ، صفات ، شیون و اعتبارات ، تقدیسات و تنزیہات ، میں ہوتی ہے اور اس مقام تک پہنچتی ہے جسے کسی عبارت و نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی رمز و اشارہ سے اس کا بیان ممکن ہے - اسے بقا کہتے ہیں - اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے اس سے بھی حرکت علمی مراد ہے - جو علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف عود کرتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہاں تک کہ ممکنات کی طرف عود کرآتی ہے - ایسا سالک واصل مہجور اور قریب بعید ہوتا ہے - چوتھی سیر سے مراد اشیاء میں سیر ہے - یعنی یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم حاصل ہونے سے مراد

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۲۱ بنام سید حسین مانکپوری

ہے - تا کہ تمام اشیاء کے علوم سیر اول میں زائل ہوجائیں یعنی سیر اول سیر چہارم کے مقابل ہے - دوسری سیر تیسری کے مقابلہ میں ہے - اول و دوم سیر میں نفس ولایت کے حصول کے لئے ہیں یعنی فنا و بقا کے لئے ، اور سوم و چہارم مقام دعوت کے حاصل ہونے کے لئے ہیں - جو انبیائے مرسلؑ کے ساتھ مخصوص ہے اور کامل تابع افراد کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے . . . ''-[1]

''سیر الی اللہ کی نہایت اس اسم تک ہے ، کہ سالک جس کا مظہر ہوتا ہے - اس کے بعد اس اسم میں اور اس اسم کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے - اور جب اس سے گزر کر مسمیٰ تک پہنچتا ہے - اور وہاں فنا و بقا حاصل کرے تو اسے منتہی حقیقی کہا جاتا ہے - سیر فی اللہ بقا کے وقت شروع ہوتی ہے - اور عروج کی منازل طے کرنے کے بعد ہے اور اس سیر کا سالک اگر اس اسم میں مفصل طور پر سیر کرے تو اس کی نہایت نہیں ہوتی - لیکن اگر عروج کے وقت اس اسم سے گزرنا چاہیں تو ایک ہی قدم سے اس اسم کو طے کرنا ہو سکتا ہے ، اور یہ یافت و کمال بڑا دشوار اور محنت طلب ہے . . . . صوفیہ کا ایک گروہ تنزیہ روحی تک پہنچا ہے اور اسے عرش کے اوپر معلوم کیا ہے ، اور یوں اسے تنزیہ الٰہی جلشانہ تصور کیا ہے - حالانکہ یہ نور روح کا نور ہے - فقیر کو بھی اس مقام میں اس قسم کا شبہ ہوا تھا - مگر اللہ تعالیٰ نے اس بھنور سے نکال دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور روح کا تھا - وجہ یہ ہے کہ روح لامکانی ہے ، اور بے چونی کی صورت مخلوق ہے - اس لئے شبہ کا محل ہے ، فی الواقع روح بے چونی حقیقی کے مقابلہ میں دائرہ چون میں داخل ہے اور یوں عالم چون اور

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۸۷ بنام حافظ محمود لاہوری

بارگاہ بے چون کے درمیان برزخ ہے۔ جب تک روح کے تمام مقامات سے عروج نہ ہو اس اسم تک نہیں پہنچ سکتے یعنی اول آسمان سے لیکر عرش تک کے تمام طبقات سے گزرنا پڑتا ہے اور مکان کے لوازم سے نکل کر لامکان کے لوازم سے ہوتے ہوئے اس اسم تک رسائی ہوتی ہے۔ حق وراء الوراء ہے۔ اسے ظلی، اصلی اور ربانی اور تفصیلی مراتب کے بعد تلاش کرنا چاہئے۔

جو علم عالم کو اپنی ذات کے ماسوا کا حاصل ہوتا ہے۔ اس کا حاصل ہونا عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے اور جس علم میں صورت کے حصول کی احتیاج نہ ہو وہ اپنی ذات کا علم ہے، اور یہی علم حضوری ہے۔ کیونکہ ذات بنفسہ عالم کے نزدیک حاضر ہے۔ علم حصولی میں جب تک شے معلوم کی صورت ذہن میں رہتی ہے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس کے زوال پر توجہ کا زوال ہو جاتا ہے۔ پس علم حصولی میں توجہ کا دائمی ہونا محال عادی ہے۔ برخلاف علم حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غافل ہونا غیر متصور ہے۔ کیونکہ اس علم کے ثابت ہونے کا منشا عالم کی ذات کا حضور دائمی ہے۔ بقا باللہ میں علم حضوری ہے۔ جس کا زوال متصور نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا عین معلوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کیونکہ بقا باللہ فنائے مطلق کے بعد حاصل ہوتی ہے اوو اس قسم کے علوم کے ساتھ اسے کچھ مناسبت نہیں ہے اور دوام حضور اسی بقا میں میسر ہے۔۔۔ ''۔[1]

''علمائے اہل سنت و الجماعت نے خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ

۱۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۸۵ بنام میر سید محب اللہ مانکپوری

تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے ۔ اسے عین ذات کہنا قصور نظر ہے ۔ شیخ علاؤالدولہؒ نے فرمایا ہے کہ فوق العلم الوجود عالم الملک الودود ، اس فقیر کا جب مرتبہ وجود سے اوپر گزر ہوا تو کچھ مدت تک کہ مغلوب الحال تھا ۔ اپنے آپ کو ذوق و وجدان سے ارباب تعطیل میں سے پاتا تھا ۔ اور حق تعالیٰ کے وجود کا حکم نہیں کرتا تھا ۔ کیونکہ وہ راستے میں چھوڑ گیا تھا اور مرتبۂ ذات میں وجود کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی ۔ فقیر کا اسلام اس وقت تقلیدی تھا نہ کہ حقیقی ، غرض ممکن کا حوصلہ ممکن ھی کی گنجائش رکھتا ہے اور ذات کی معرفت سے عاجزی کا اقرار ھی بہتر راستہ ہے ۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا یہ مطلب ھرگز نہیں ہے کہ ممکن ، واجب ھوجاتا ہے ۔ اس سے حقائق کا تغیر لازم آتا ہے ۔ پس جب ممکن واجب نہ ھوا تو اس کا نصیب سوائے عجز کے کیا ہے ؟

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کایں جا ھمیشہ باد بدست است دام را "[۱]

"بائیں جانب گوشت کا لوتھڑا قلب حقیقی کے لئے حجرہ سا ہے ۔ اسم مبارک اللہ کو اس قلب پر وارد کرنا چاھئے ۔ اس وقت مقصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں ، اور ھمہ‌تن قلب کی طرح متوجہ ھو کر بیٹھیں ، اورقوت متخیلہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں ۔ کیونکہ مقصود قلب کی طرف متوجہ ھونا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور ، لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بےچونی اور بےچگونی کے ساتھ ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو اس کے ساتھ شامل نہ کرے اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ھو ۔ تا کہ ذات کی بلندی سے صفات کی

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۲۶ بنام میر صالح نیشا پوری

پستی میں نہ آجائیں - اور وہاں سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائیں - بے چون کو چون کے دائرے سے باہر ڈھونڈنا چاہئے ....''-[۱]

''اس اسم مبارک کو اچھی طرح دل میں توجہ کے ساتھ حاضر رکھیں اور کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھیں ...''-[۲] ''اپنے باطن کو ذکر الٰہی سے آباد رکھیں - اور وہ سبق جو طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرھم میں حاصل کیا ھے اس کی تکرار کریں کیونکہ ان بزرگواروں کے مسلک میں انتہا ابتدا میں درج ھوتی ھے''-[۳]

''اس راہ کے سالک دو حال سے خالی نہیں ھیں - یا مرید ھیں یا مراد ، اگر مراد ھیں - تو یہ ان کی خوش بختی ھے انھیں محبت و جذب کی راہ سے کھینچ کر لے جائیں گے - اگر پیر ظاھر کی انھیں حاجت ھوگی تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت کی طرف ان کی رھنمائی کریں گے - اگر مرید ھیں تو ان کے لئے کامل مکمل پیر کے وسیلے کے بغیر کام مشکل ھے .... صحبت کے آداب اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ میں نہایت ضروری ھے - ورنہ صحبت سے کوئی فائدہ نہیں ھوگا - اپنے دل کو تمام اطراف سے ھٹا کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کریں - اور اس کی خدمت اس کے اذن کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ھوں - اس کے حضور میں کسی اور امر کی طرف متوجہ نہ ھوں - جب دنیا کے وسائل کے لئے آداب ضروری ھیں تو وصول الی اللہ کے لئے آداب کی رعایت لازمی ھے - جہاں تک

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۹۰ بنام میر نعمان کے ایک فرزند کے نام
۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۰۳ بنام ملا حسینی
۳ - ایضاً مکتوب ۲۰۶ بنام ملا عبدالغفور سمرقندی

ہوسکے ایسی جگہ کھڑے نہ ہوں کہ سالک کا سایہ پیر کے کپڑے یا سائے پر پڑتا ہو ۔ اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھیں ۔ اس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کریں اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کریں ۔ اور اس کے حضور میں پانی نہ پئے ، کھانا نہ کھائیں ۔ اور کسی سے گفتگو نہ کریں اور اس کی عدم موجودگی میں جہاں وہ مقیم ہو اس طرف پاؤں دراز نہ کرے اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اسے صواب و بہتر جانے ۔ کیونکہ پیر کامل کا عمل الہام سے ہوتا ہے ۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے ۔ لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے اور ملامت و اعتراض اس پر جائز نہیں ۔ جب اسے پیر سے محبت ہے ۔ تو پھر اقتدا میں کوئی مشکل نہیں ۔ اور اس کا ہر فعل نظر میں محبوب دکھائی دیگا ۔ کھانے ، پینے ، پہننے اور طاعت کے چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنی چاہئے ۔ اور نماز کو بھی اسی طرز پر ادا کرنا چاہئے اور فقہ بھی اسی کے طریقہ و عمل سے سیکھنا چاہئے ۔ پیر سے کرامت طلب نہ کرے ۔ کیونکہ کسی مومن نے پیغمبر ص سے معجزہ طلب نہیں کیا ۔ اگر دل میں کوئی شبہ ہو تو بلا توقف عرض کرے ، اگر حل نہ ہو اپنی تقصیر سمجھے ، اپنے کشف پر بھروسہ نہ کرے ۔ تمام برکات و فیوض کو اپنے پیر کی جانب سے ہی تصور کرے ۔ لیکن جو مرید پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبے تک پہنچ چکا ہو اور پیر اس کے کمال کی گواہی دے دے تو اس وقت مرید پیر کی تقلید سے نکل چکا ہوتا ہے ۔ اب تقلید اس کے حق میں خطا ہے اور اسے پیر کے برخلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے دور ہے بلکہ عین ادب ہے ۔ ابو یوسف رح کے لئے مرتبہ اجتہاد پر پہنچ کر ابوحنیفہ رح کی تقلید خطا ہے ۔ اس

کی بہتری اپنی رائے کی متابعت میں ہے ۔ اس کا قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہ رح کے ساتھ خلق قرآن کے مسئلے پر چھ ماہ تک جھگڑا کیا ۔ ایک صفت بہت سے افکار کے ملنے سے کامل ہوتی ہے ۔ اگر ایک ہی فکر پر رہے تو اس میں کوئی زیادتی نہ ہو ۔ وہ نحو جو سیبویہ کے عہد میں تھی اب بہت سے فکروں کے ملنے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی ہے ۔ لیکن فضیلت اور تقدم اس کے لئے ہے ۔ جس نے بنا رکھی ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ مثل اُمتی کمثل المطر لا یدری اولھم خیرا او آخر ھم ، میری امت کی مثال بارش کی سی ہے ۔ کیا پتہ ہے اس کا اول اچھا ہے یا آخر . . . ''۔[۱]

بدایت میں نہایت کا اندراج یہ ہے کہ اس طریق کے مبتدی رشید کو نہایت کی دولت کی چاشنی شیخ منتہی کی توجہ اور تصرف سے حاصل ہوجاتی ہے ۔ اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے ۔ کہ اس طریق کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے مساوی ہے ۔ طریقہ نقشبندیہ کے مبتدی کو وصول کے طریق کو قطع کرنے کی فرصت نہ ملے تاہم اسے نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رکھا جاتا ۔ اور وہ چاشنی کا ذرہ اس کے کل کو ملیح اور نمکین بنادیتا ہے ۔ دوسرے طریقوں کے مبتدی اگر منزلوں کو قطع نہ کر جائیں ۔ یعنی انھیں فرصت نہ ملے تو نہایت سے بہت دور ہونے کی وجہ سے ان کی حالت قابل افسوس ہے . . . ''۔[۲]

''یہ راستہ طے کرنا دس مشہور مقامات کے طے کرنے پر

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۹۲ بنام شیخ حمید

۲ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴۳ بنام مولانا محمد افضل

موقوف ہے - پہلا توبہ ہے اور آخری رضا ، ان مقامات کی مناسبت سے تجلیات سے مستفید ہوتے ہیں - یعنی تجلی افعال ، تجلی صفات اور تجلی ذات ، مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے ''۔[۱]

مزید تفصیلات کے خواہش مند حضرات مکتوبات شریف سے رجوع کریں -

حضرت مجددرح کا سلوک :- اب ہم جناب مجددرح کے سلوک کے بارے میں چند اقتباس پیش کرتے ہیں - تاکہ اس طرح ان کا ذاتی مسلک بھی واضح ہوجائے :

''جب مجھے راہ سلوک کی تمنا ہوئی تو اللہ کی عنایت سے مجھے خانوادۂ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا - جن کی توجہ سے خواجگان کا جذبہ حاصل ہوا - اور اندراج النہاینہ فی البدایت سے بھی ایک جرعہ نصیب ہوا - اس جذبہ کے بعد سلوک شروع ہوا - اور یہ راستہ میں نے حضرت علیرض کی روحانیت کی تربیت سے اس اسم تک جو میرا پرورش کرنے والا ہے طے کیا - اس کے بعد اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہٗ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ یعنی حقیقت محمدیہص تک ترقی ہوئی - وہاں سے حضرت فاروقرض کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا - وہاں سے آگے نبی کریمص کی روحانیت کی مدد سے اقطاب محمدیہص کے مقام تک ترقی ہوئی - یہ مقام قابلیت اولیٰ کی اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے - اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبند کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطاررح کی روحانیت سے بھی مجھے مدد ملی ، قطب کا انتہائی عروج اسی مقام تک ہوتا ہے - دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر

---

۱ - رسالہ مبدء و معاد

ختم ہوجاتا ہے ۔ اس کے بعد یا خالص اصل سے واسطہ ہوتا ہے یا اس کے ساتھ ظل کی آمیزش ہوتی ہے ۔ یہ مقام افراد کے لئے مخصوص ہے ۔ ہاں بعض اقطاب بھی افراد کی ہم نشینی کے سبب مقام ممتزج (ظل اصل) تک ترقی کرتے ہیں ۔ لیکن محض ذات تک رسائی افراد کا حصہ ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے ۔ اس مقام پر پہنچ کر جناب رسالت مآب ص نے مجھے خلعت ارشاد عنایت فرمایا ۔ اس کے بعد اللہ کے فضل سے مقام ممتزج تک رسائی ہوئی ۔ اور گذشتہ مقامات کی طرح وہاں بھی فنا و بقا نصیب ہوئی ۔ اور وہاں سے ترقی کر کے اصل الاصل تک پہنچا ۔ اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے ۔ حضرت غوث اعظم رح کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عروج کرا کے اصل الاصل تک پہنچایا ۔ وہاں سے رجوع واقع ہوا ۔ اور لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور ہوا ۔

نسبت فردینہ جس سے آخری عروج مخصوص ہے ۔ یہ نسبت مجھے اپنے والد ماجد سے حاصل ہوئی ۔ انھیں شاہ کمال قادری رح سے ، لیکن شروع میں مجھے ضعف بصیرت اور نسبت کی قلت ظہور کی وجہ اس نسبت کا حصول معلوم نہیں ہوتا تھا ۔ جب منازل طے ہوئیں ۔ تو معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع سے موجود تھی ۔ عبادات نافلہ کی توفیق بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوئی ۔ انھیں یہ سعادت شیخ عبدالقدوس رح سے (چشتی) نصیب ہوئی تھی ، جب تک میں مقام اقطاب سے عبور نہ کرسکا مجھے لدنی علوم حضرت خضرؑ کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے ۔ اس کے بعد اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرتا رہا ۔ اس وقت کسی اور کو درمیان میں دخل کی مجال نہ تھی ۔

نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد سیر عن اللہ باللہ ھے ۔ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور واقع ھوا ۔ اور ھر ایک مقام سے کافی حصہ ملا ۔ ان مشائخ کرام نے میری بڑی مدد کی اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عطا فرمائے ۔ پہلے پہل اکابر چشتیہ رح کے مقام میں عبور واقع ھوا ۔ ان اکابر میں سے خواجہ قطب الدین رح نے دوسروں کی نسبت زیادہ مدد فرمائی ۔ آپ اس مقام کے سردار ھیں ۔ اس کے بعد اکابر کبرویہ رح کے مقام میں گزر ھوا ۔ یہ دونوں مقامات بلحاظ عروج برابر ھیں ۔ لیکن نزول کے وقت یہ مقام (کبرویہ) شاھراہ کے دائیں طرف واقع ھے اور دوسرا بائیں طرف ، یہ شاھراہ وہ ھے جس سے بعض بڑے بڑے اقطاب ارشاد گزر کر مقام فردیت میں جاتے ھیں ۔ اور وھاں سے نہایت النہایت تک پہنچتے ھیں ۔ صرف افراد کی راہ اور ھے ۔ بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں گزر سکتے یہ مقام (کبرویہ) مقام صفات اور اس مذکورہ شاھراہ کے درمیان واقع ھے ۔ یعنی دونوں کا وہ ایک طرح سے برزخ ھے ۔ یعنی دونوں طرف سے اسے حصہ ملتا ھے ۔ مقام چشتیہ شاھراہ کی دوسری طرف واقع ھے اور اسے صفات سے بہت کم مناسبت ھے اس کے بعد اکابر سہروردیہ رح کے مقام میں جو شیخ شہاب الدین رح سے اس طرف ھے ۔ عبور واقع ھوا ۔ یہ مقام سنت نبوی کی اتباع کے نور سے آراستہ ھے ۔ عبادات کی توفیق اس مقام کی رفیق ھے اور عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ھیں ۔ جو سالک ابھی مقام تک نہیں پہنچے ۔ انہیں بھی عبادات نافلہ کا اطمینان اور اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ھوتا ھے ۔ یہ مقام دوسرے مقامات سے زیادہ نورانی نظر آیا ۔ اتباع کی وجہ سے اس مقام کے بزرگوں کی شان بڑی بلند ھے ۔ اگرچہ دوسرے مقامات میں بلحاظ عروج اوپر ھی ھیں لیکن یہ شان میسر نہیں ھوتی ۔ اس کے بعد مجھے مقام جذبہ میں

اتار لائے ۔ اس مقام میں بے شمار مقامات جذب ہیں ۔ وہاں سے بھی نیچے لائے ۔ نزول کا آخری مرتبہ مقام قلب ہے ۔ جو حقیقیت جامعہ ہے اور ارشاد و تکمیل اس مقام پر نزول سے متعلق ہے ۔ لیکن اس مقام میں نزول پر استقرار حاصل ہونے سے پہلے پھر عروج نصیب ہوا ۔ اور اس عروج سے جو مقامات قلب میں ہوا مجھے استقرار حاصل ہوا . . . . ''۔[1]

''جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہو ۔ جو اس کے تعین کا مبدا ہوتا ہے ۔ یہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہوتا ہے ۔ کیونکہ انسان کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کے باعث ہے ۔ اس طرح اس ضمن میں ان اسماء کو بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات میں مجمل طور پر طے کرتا ہے اور یہ مقامات ان مشائخ کے مقامات کا نمونہ ہوتے ہیں اور ان کو طے کرنے پر یہ وہم و گمان ہوجاتا ہے کہ سالک ان بزرگواروں کے مقامات سے عروج کر گیا ہے ۔ حالانکہ وہ ان کے نمونوں سے عروج کر گیا ہوتا ہے ۔ نہ کہ اصل سے ''۔[2]

''جب لطائف کو ترتیب وار طے کرکے آخری نقطے تک سالک پہنچتا ہے ۔ تو اس وقت دائرہ امکان سیر الی اللہ کے ساتھ طے ہوجاتا ہے اور فنا کے اسم کا اپنے اوپر اطلاق کرکے ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیا میں شروع کرتا ہے ۔ اس کے بعد وجوبی اسماء میں جو پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں ۔ اور جن میں عدم کی گنجائش نہیں ہے سیر ہوتی ہے ۔ اگر اسے اللہ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریقے سے طے کرلے ۔ تو اس طرح اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ طے ہوجاتا ہے اور

---

۱ ۔ ابتدائے رسالہ مبدء و معاد

۲ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۲۰

اسما و صفات واجبی کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور یہیں تک ولایت صغریٰ کی نہایت ہے - اس کے بعد ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء قدم رکھا جاتا ہے - اگر اس سیر میں کامیاب ہو تو اس کے بعد ان کے اصول کے دائرے میں سیر ہے اور اس دائرہ اصول کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے - اس دائرے کو طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوتی ہے - اسے طے کرنا ہوتا ہے - ولایت کبریٰ کا انتہا یہی ہے اور یہی مقام رضا ہے - جب میں اس سیر تک پہنچا - تو ندا آئی کہ یہ تمام سیر اسم ظاہر سے متعلق ہے - اور ابھی اسم باطن کی سیر باقی ہے - جیسے علم کی سیر کے بعد علیم کی سیر ہے ''-[1] اس کے اسرار بڑے دقیق ہیں - لہٰذا ان کے لکھنے سے احتراز کیا گیا ہے - صاحب طلب حضرات اس مکتوب کا بقیہ حصہ دیکھ لیں - اور اس کے بعد دفتر اول کا مکتوب ۲۹۰ ، دفتر دوم کے مکتوب ۳۰۰ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ اور دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ اور ۱۰۰ ، ملاحظ فرمائیے گا - ہم منصب امامت اور قیومیت کے بارے میں چند باتیں عرض کرکے اس موضوع کو عمداً تشنہ رہنے دیتے ہیں

''جب نبی کریم کے کامل تابعدار مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان ہی میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز فرماتے ہیں اور بعض کو خلافت عطا کرتے ہیں - یہ دونوں کمالات اصلیہ ہیں - اور ان کے ظلی کمالات یوں ہیں کہ منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا مقام ہے اور منصب خلافت سے مناسب قطب مدار کا منصب ہے اور یہ دونوں مقام اپنے سے بالا مقامات کے ظل ہیں - غوث قطب مدار سے الگ ہوتا ہے اور اس

۱- مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰ بنام محمد صادقؒ

کے روزگار کا مددگار ہوتا ہے اور قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب کے تقرر میں بھی اس کا دخل ہوتا ہے ۔ اس قطب کو اس کے مددگاروں کے لحاظ سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں ۔ صاحب منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے ۔ لیکن جو منصب نہ رکھتا ہو اور اس کا کمال رکھتا ہو تو اسے اس کا علم ہونا لازمی نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "۔[۱]

"قطب ارشاد جس میں فردیت کے مقام کے کمالات بھی پائے جاتے ہیں ۔ کئی صدیوں کے بعد ایسا موتی ظاہر ہوتا ہے ۔ جس کے نور سے دنیا روشن ہوجاتی ہے اور ایمان و معرفت اس کے وسیلے سے حاصل ہوتے ہیں ۔ اس کے منکر کو ہدایت کی صورت تو حاصل ہوسکتی ہے مگر اس کے معنی سے بے خبر اور بے بہرہ رہتا ہے ، اور اس کا دوست و محب ہدایت کے نور سے بہرہ مند ہوجاتا ہے "۔[۲]

"یہ علوم انوار نبوت کی مشکوۃ سے مقتبس ہیں ۔ جو الف ثانی کی تجدید پر وراثت و تبعیت کے طور پر تازہ ہوتے ہیں ۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے ۔ چنانچہ ان علوم و معارف میں جو ذات و صفات ، اور افعال و احوال ، مواجید و تجلیات و ظہورات سے متعلق ہیں ۔ ان پر غور کرنے میں یہ پوشیدہ نہیں رہتا ۔ کہ یہ تمام علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء الوراء ہیں ۔ بلکہ یہ علوم ان کے مقابلے میں پوست کی طرح ہیں ۔ ۔ ۔ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے ۔ لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ۔ جس قدر سو اور ہزار کے

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۵۶ بنام شیخ بدیع الدین -

۲ - رسالہ مبدء و معاد -

درمیان فرق ہے ۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ان دونوں میں فرق ہے
اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے
اس کے ذریعے سے پہنچتا ہے ۔ خواہ اس وقت کے اقطاب ہوں خواہ
ابدال و نجبا . . . ''۔[۱]

'' امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء
کی قیومیت ہے ۔ جو انسان کامل کے لئے مخصوص ہے ۔ یعنی انسان
کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے ۔ کہ اسے خلافت کے حکم
سے تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور تمام مخلوق کو ظاہری اور
باطنی کمالات کا افاضہ اور بقا اس کے ذریعے سے پہنچاتے ہیں ۔ اگر
فرشتہ ہے تو بھی اس کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن و انس ہے تو
وہ بھی اسی کو وسیلہ پکڑتا ہے ۔ یعنی حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ
اس کی طرف ہوتی ہے ۔ خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں ۔
انہ کان ظلوماً یعنی اپنی جان پر وہ یہاں تک ظلم کرتا ہے ۔ کہ اپنے
وجود اور توابع وجود کے احکام باقی نہیں چھوڑتا ۔ واقعی اگر وہ ایسا
نہ کرے تو بار امانت کو اٹھانے کے لائق نہیں ہوسکتا ۔ جھولا یعنی
اس قدر جاھل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب کا ادراک نہیں ۔ جاننا
چاھئے کہ ادراک سے عاجز ہونا اور اس کی معرفت سے جاھل ہونا
اس کا مقصود ہے ۔ یہ عجز و جہل اس مقام میں معرفت کا کمال ہے ۔
کیونکہ جو سب سے زیادہ عارف ہوگا وھی اس مقام میں سب سے
زیادہ عارف ہوگا ۔ اور وھی بار امانت کے لائق ہوگا ۔ یہ دو اوصاف
گویا بار امانت کے اٹھا لینے کا باعث ہیں ۔ یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت
کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے ۔ وزیر کا حکم رکھتا ہے ۔ جس کی

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴ بنام میر محمد نعمان ۔

طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں ۔ انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں ۔ لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں ۔ اس دولت کے سردار حضرت آدمؑ ہیں اور یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کو اس سے مشرف کرتے ہیں ۔ جو ان بزرگواروں کی وراثت و تبعیت کے طور پر اس لائق ہوں ۔

ع بر کریماں کارہا دشوار نیست[۱]

---

۱ ۔ مکوبات دفتر دوم مکتوب ۴۷ بنام خواجہ ہاشم

فصل چہارم

وحدت‌الوجود اور وحدت‌الشہود

دین اسلام اور تصوف میں جو بعد واقع ہو گیا تھا اس کی ابتدا کی نشاندھی کے لئے ھمیں وحدت‌الوجود کے مسئله پر غور کرنا ھے ۔ اسی مقام سے نادانسته طور پر جمود و تعطل کی قوتیں ھنگامه رستاخیز رکھنے والی طبائع میں بھی جاگزین ھوئی ھیں اور اس طرح اسلام کا دھکا ھوا چمن خزاں آشنا ھوا ھے اور اسی لے نے کاروان والوں کو مدھوش کر کے متاع کاروان کے لٹ جانے کے سامان پیدا کئے ھیں ۔ اس موضوع پر جناب مجددرح کے خیالات کسی تعارف کے محتاج نہیں ھیں ۔ علامه اقبال مرحوم نے انھیں کی بنا پر جناب مجددرح سے عقیدت کا اظہار کیا ھے ۔ اس موضوع پر چند اقتباس ملاحظه ھوں :

”وجود ھر خیر و کمال کا مبداء ھے اور عدم ھر نقص و زوال کی آماجگاہ ، اللہ کے لئے وجود ثابت ھے اور ممکن کے لئے عدم ، تاکه تمام کمال حق‌تعالیٰ سے راجع ھو اور تمام شر و نقص ممکن کی جانب ھو سکے ۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا حق‌تعالیٰ کے ملک و ملک میں اس کو شریک بنانا ھے ۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو واجب کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کے حق میں الحاد و شرک ھے ۔

اکثر صوفیه اور خاصکر متاخرین نے ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین بتایا ہے اور اس کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کی صفات و افعال کا عین خیال ہے۔

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے اسے بیان کرنا ہے۔ پہلے اس مسئلے میں شیخ محی الدین عربی رح کا مذہب بیان کرنا ہے جو متاخرین صوفیه کا امام ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اپنے کشف میں آیا ہے وہ بیان ہوگا تاکہ دونوں مذاہب کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

شیخ محی الدین رح اور اس کے پیرو فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات حق تعالیٰ کی ذات کا عین ہیں اور ایک دوسرے کے بھی عین ہیں۔ مثلاً علم و قدرت کی صفات حق کی ذات کی بھی عین ہیں اور ایک دوسرے کی عین بھی۔ ان کے نزدیک اس مقام میں کثرت کا نام تک نہیں ہے اور ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر فرق و تمیز پیدا کر لی ہے۔ اگر یہ تمیز اجمالی ہے تو اسے تعین اول کہتے ہیں اور اگر تفصیلی ہے تو اسے تعین ثانی کہا جاتا ہے۔ تعین اول کو وحدت بھی کہتے ہیں اور اسی کو حقیقت محمدی ص جانتے ہیں۔ تعین ثانی کو واحدیت کہتے ہیں اور اسے تمام ممکنات کے حقائق جانتے ہیں اور ان حقائق کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور ان دونوں تعینات (اول ۔ دوم) کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے خارجی وجود کی بو تک نہیں سونگھی، اور یوں خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے اور یہ کثرت جو نظر آتی ہے محض ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے

آئینے میں جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں منعکس ہوئی ہے اور اس کا وجود تخیلی ہے جس طرح کہ آئینہ میں کسی صورت کا عکس تخیلی ہوتا ہے اور آئینے میں اس شے کا حلول نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا نقش وہاں منقش ہوتا ہے ۔ یہ نقش صرف تخیل میں ہوتا ہے اور آئینہ میں وہمی طور پر ظاہر ہوا ہے ۔ چونکہ یہ وہمی عکس خدائی صفت کی وجہ سے نہایت مستحکم ہوتا ہے اس لئے وہم و تخیل کے دور ہونے پر بھی یہ دور نہیں ہوتا اور ابدی ثواب و عذاب اس پر مترتب ہے ۔ خارج میں نمودار ہونے پر یہ کثرت تین قسم کی ہے پہلی قسم تعین روحی ہے ، دوسری قسم تعین مثالی ، تیسری قسم تعین جسدی ہے جو اس عالم شہادت سے تعلق رکھتی ہے ۔ ان تینوں تعینات کو تعینات خارجیہ کہتے ہیں اور انہیں مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں ۔ انہی تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں ۔ ان کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات ، اس کے اسماء و صفات کے سوا خارج میں کسی کا علم ثابت نہیں ہوا اور انہوں نے صورت علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے نہ اس کا شبہ و مثال ۔ اسی طرح ظاہر وجود کے آئینے میں اعیان ثابتہ کی منعکس صورت کو ان کی شبہ و مانند کی جگہ ان اعیان کا عین تصور کیا ہے اس لئے اتحاد کا حکم کیا ہے اور ' ہمہ اوست ' کہا ہے ۔ شیخ ابن عربیؒ کے مذہب کا اس ضمن میں اجمالاً یہی مسلک ہے ۔ انہی علوم کو شیخ نے خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص بتایا ہے اور کہا ہے کہ خاتم النبوۃ ان علوم کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اور اس کی توجیہ میں فصوص کے شارحین نے بڑے تکلفات کئے ہیں ۔ اس سے پہلے توحید و اتحاد کی باتیں سکر کے غلبے کے وقت لوگوں سے ظاہر ہوتی آئی ہیں جیسے انا الحق اور سبحانی وغیرہ ۔

لیکن کسی نے اتحاد کی وجہ سے متعلق اور ان علوم اور اسرار کے بارے میں زبان نہیں کھولی ، پس شیخ کی اولیت ثابت ہے لیکن اس مسئلے میں ابھی بہت سے دقائق پوشیدہ رہ گئے ہیں اور کئی اسرار ظاہر نہیں ہوئے جن کے اظہار کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو دی ہے ۔

اللہ کی صفات ثمانیہ جو اہل حق کے نزدیک خارج میں موجود ہیں ۔ حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں تمیز کئے گئے ہیں اور وہ تمیز بھی ذات و صفات کی طرح بے چوں و بے چگون ہے ۔ صفات بھی ایک دوسرے سے متمیز ہیں ۔ بلکہ بے چونی کی تمیز حضرت ذات کے مرتبے میں بھی موجود ہے لیکن اس کی کیفیت ہمارے فہم اور ادراک سے دور ہے ۔ اس بے چونی تمیز کے باوجود اس کے اسماء و صفات نے خانۂ علم میں تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر متمیزہ اسم و صفت کے لئے مرتبۂ علم میں ایک مقابل اور نقیض ہے ۔ مثلاً مرتبۂ علم میں صفت علم کا مقابل عدم علم ہے جسے جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صفت قدرت کے مقابل میں عجز ہے ۔ علیٰ ہذا لقیاس ان متقابلہ عدمات نے بھی حق تعالیٰ کے علم میں تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور اپنے مقابل کے اسماء و صفات کے آئینے اور مظہر بن گئی ہیں ۔

فقیر کے نزدیک یہ علامات اسماء و صفات عکسوں سمیت ، حقائق ممکنات ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیات کے مواد و اصول ہیں اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کردہ صورتیں ہیں جبکہ شیخ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں متمیز ہیں اور فقیر کے نزدیک معاملہ یوں ہے کہ

جب قادر مختار جل‌شانہ نے چاہا کہ ان ماہیات ممتزجہ میں سے کسی ماہیت کو ظلی وجود کے ساتھ جو حضرت وجود کا پرتو ہے متصف کر کے موجود خارجی بنائے تو اس حضرت وجود کا اس ماہیت ممتزجہ پر پرتو ڈال کر اس کو آثار خارجہ کا مبداء بنایا ۔ پس ممکن کا وجود علم و خارج میں اس کی باقی صفات کی طرح حضرت وجود اور اس کے کمالات تابع کا پرتو ہے ۔ مثلاً ممکن کا علم واجب کے علم کا پرتو اور ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہو گیا ہے اور ممکن کی قدرت بھی واجب کی قدرت کا ظل ہے جو اپنے مقابل یعنی عجز میں منعکس ہو گئی ہے ۔ اسیطرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو اپنے مقابل یعنی عدم کے آئینے میں منعکس ہوا ہے ۔ فقیر کے نزدیک شے کا ظل اس شے کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے اور ایک کو دوسرے پر حمل کرنا محال ہے ۔ اس لئے ممکن واجب کا عین نہیں ہے ۔ پس ہمہ اوست کہنا درست نہیں ہو گا بلکہ ہمہ ازوست کہنا درست ہے ۔ سب خیر و کمال واجب سے ہے اور سب نقص ممکن کے لئے ہے ۔ ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ و ما اصابک من سیۃ فمن نفسک ۔

پس یہ ثابت ہو گیا کہ عالم وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ وجود اصلی کے ساتھ بلکہ بذات خود خارج میں موجود ہے شیخ کے نزدیک بھی عالم حق تعالیٰ کا ظل ہے ۔ لیکن وہ اس ظلی وجود کو صرف وہم میں خیال کرتے ہیں اور وجود خارجی کی بو تک بھی ان کے حق میں تسلیم نہیں کرتے ۔ کثرت موہومہ کو وحدت وجود کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں صرف واحدتعالیٰ کو موجود جانتے ہیں اور

یہ فقیر اس ظل کو خارج میں موجود مانتا ہے اور ان کے نزدیک خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور صفات ثمانیہ کو بھی علم کے سوا خارج میں موجود نہیں مانتے۔ علماء ظاہر اور شیخؒ افراط و تفریط کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور متوسط راستہ اس فقیر کے نصیب ہوا ہے۔ علما اس سر سے واقف ہوتے تو ممکن کے لئے اصلی وجود ثابت نہ کرتے۔ ممکن خارج میں حقیقت کے طور پر موجود ہے نہ کہ وہم و تخیل کے طور پر، لیکن اس کا وجود ظلی ہے''۔[۱]

''اہل حق کی بات برحق ہے کیونکہ انہوں نے انوار نبوت سے نور لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سبعہ یا ثمانیہ خارج میں موجود ہیں۔ دیکھئے صفات اگر موجود ہوں تو دو امر سے خالی نہیں ہیں یا ممکن ہیں یا واجب، ممکن ہوں تو حادث ہونگی اور یوں ذات سے الگ ہونگی اور ذات کے لئے جہل و عجز کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ واجب ہوں تو یہ توحید کے منافی ہے۔ اس اشکال کا حل اس فقیر پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، خواہ یہ وجود عین ہو یا زاید ہو اور اس کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ، کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ علاءالدولہ نے اس مقام کی جانب اشارہ کیا ہے۔ فوق عالم الوجود عالم الملک الودود، اور امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں، کیونکہ امکان و وجوب، وجود اور ماہیت کی درمیانی نسبت کا نام ہے۔ لیکن وہاں نہ وجود ہے نہ امکان و وجوب، یہ

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱ بنام شیخ عبدالعزیز جونپوری۔

معرفت فکر و نظر سے ماورا ہے ۔ جو دائرۂ عقل میں گرفتار ہو وہ اس معرفت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں اور سوائے انکار کے ان کے حصے میں کیا آ سکتا ممکن ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''۔[۱]

'' حق تعالیٰ کی صفات موجود ہیں اور دو اعتبار رکھتی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ فی حد ذاتہا ثابت ہیں ۔ اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں ۔ پہلی رو سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کی مبادی ہیں اور دوسرے اعتبار میں عالم سے مستغنی ہیں ، اور اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں ۔ کشفی نظر میں اعتبار اول میں حق تعالیٰ کی ذات سے الگ معلوم ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات ان کے سوا ثابت نظر آتی ہے ۔ اور اعتبار دوم میں اس طرح نہیں ہیں اور ان کا ذات سے الگ ہونا متصور نہیں ہے ۔ اعتبار اول میں حق تعالیٰ کی ذات کا حجاب ہیں اور اعتتار دوم میں حجاب سرفوع ہیں ۔ جس طرح کہ سفیدی جو کپڑے کے ساتھ متحقق اور قائم ہے کپڑے کا حجاب نہیں ہے ، حاصل کلام یہ کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی دونوں اعتباروں سے ذات جامہ کی حجاب نہیں ۔ اگرچہ محسوس وہی سفیدی ہے لیکن حجابیت مرفوع ہے ، برخلاف واجب تعالیٰ کی صفات کے جو کہ اعتبار اول میں حاجب ہیں اور اعتبار دوم میں غیرحاجب ، ان دو اعتبارات میں فرق معمولی نہیں ہے ۔ اس فقیر نے باوجود جذب قوی اور تیز رفتاری کے ان کے درمیانی مسافت کو تقریباً پندرہ سال میں طے کیا ہے ''۔[۲]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۲ بنام میر شمس الدین ۔

۲ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵ بنام میر شمس الدین ۔

شیخ عبدالعزیز جونپوری نے چند شکوک ظاہر کئے تو مولانا محمد طاہر بدخشی کے لئے دفتر دوم کے مکتوب ۲۷ میں آپ نے یوں اس مسلئے کو واضح کیا ہے، سوالات درج ذیل ہیں :

"سوال ۱ - ممکنات کے حقائق عدمات ہوں تو اس طرح ذات میں عدمات کا حاصل ہونا لازم آتا ہے - حالانکہ حق تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے :

جواب : اللہ تعالیٰ تمام شریف و کثیف اشیاء کو جانتا ہے مگر اس کی ذات میں کسی کا حصول نہیں ہے، اور ان میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں - تو اس صورت میں حصول کیسے لازم آتا ہے -

۲ - ممکنات کے حقائق وجودی ہونے چاہئیں نہ کہ عدمی، کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کے ارواح و نفوس ہیں -

جواب : اس کا وجود و ثبوت علمی ہے - جو حقائق کے لئے درکار ہے، یہ اعتراض پہلے شیخ ابن عربیؒ پر ہونا چاہئے تھا - جن کے نزدیک اعیان نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی عجب معاملہ ہے کہ حقائق سے ارواح و نفوس مراد لئے ہیں اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے -

۳ - اگر تمام انبیائے کرام کے حقائق عدمات ہوں تو اس گروہ بلند کی شرافت و کرامت مسلوب و معدوم ہوجاتی ہے -

جواب : مسلوب نہیں ہوتی، خدا نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ان عدمات کو اپنے حسن تربیت سے اپنے

اسماء و صفات کا آئینہ بنا کر نبوت و ولایت کے شرف سے سربلند کیا ہے اور اپنے کمالات کے ظلال سے آراستہ کر کے معزز کیا ہے ۔ عجب بات ہے کہ آپ آدمی کی شرافت کو تو نظر میں لے آئے ہیں اور حق تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کو ترک کرکے ہمہ اوست کہتے ہیں اور اشیائے رذیلہ و خسیسہ تک کو حق تعالیٰ کا عین کہنے سے کنارہ نہیں کرتے ، اور انسان کے لئے حقائق عدمیہ تجویز کرنے سے ڈرتے ہیں ۔ اللہ آپ کو انصاف دے ۔

۴ ۔ اجماعی سخن ہمہ اوست کو نئی بات ہمہ ازوست سے رفع نہیں کیا جا سکتا ۔

جواب : نئی بات ہمہ اوست ہے ، ہمہ ازوست پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے ۔ اب تک جو ملامت شیخ پر ہوئی ہے صرف اسی ایک مقولہ ہمہ اوست کے باعث ہے ۔ فقیر کے معارف کا حاصل ہمہ ازوست ہے ۔ جو شرع و عقل کے نزدیک ہے۔ بھلا کیسے مقبول نہ ہو جب کہ کشف و الہام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے .... حقائق ممکنات کو کسی نے انسانی ارواح نہیں کہا ۔ افسوس صد افسوس ، شیخ مشار الیہ نے کیا خیال کیا ہے کہ ہر ایک شخص قیاس و ظن سے بات کہتا ہے اور جو کچھ اس کے فکر و تخیل میں آئے بکواس کردیتا ہے ۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے جو معارف کشف و الہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا شہود و مشاہدہ کے بغیر

تحریر و تقریر میں آئیں ، سراسر بہتان ہیں ۔ افترا ہیں خاص کر جب کہ قوم کے مخالف ہوں "۔[۱]

"صوفیہ علیہ جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا اعلان کرتے ہیں ان کی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور واجب ممکن ہوتا ہے ۔ کہ ایسا کہنا کفر و الحاد و زندقہ ہے ۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں ۔ کہ اشیاء نہیں ہیں ۔ اور حق تعالیٰ موجود ہے ۔ منصور نے جو اناالحق کہا ۔ اس کی یہ مراد نہیں کہ میں حق ہوں ، اور اس کے ساتھ متحد ہوں ۔ کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے ۔ بلکہ اس کے قول کے معنی یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے ۔"

حاصل کلام یہ کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور انہیں صفات و اسماء کے آئینے خیال کرتے ہیں ۔ بغیر اس بات کے کہ ان میں کسی قسم کا تنزل اور تغیر و تبدل ہوا ہے ۔ جس طرح کہ کسی شخص کا سایہ دراز ہوجائے ۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عین ہے ، یا وہ شخص تنزل کر کے اس ظل کی شکل و صورت میں ظاہر ہوا ہے ۔ بلکہ وہ شخص اپنی اصل پر قائم ہے اور تنزل و تغیر کے بغیر ظل اس سے وجود میں آیا ہے ۔ ہاں بعض اوقات جسے اس شخص سے محبت ہو کمال محبت کے باعث ان کی نظر میں سایے کا وجود آتا ہی نہیں اور سوائے اس محبوب شخص کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ اس وقت

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۲۷

اگر یہ کہہ دیں کہ ظل عین شخص ہے - یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے - تو یہ ہوسکتا ہے - اس تحقیق سے ثابت ہوا - کہ اشیاء صوفیہ کے نزدیک اللہ کی ظہورات ہیں - پس ان کے کلام کے معنی ہمہ ازوست ہونگی - جو علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں - درحقیقت علماء اور صوفیہ کے درمیان کوئی نزاع نہیں - البتہ فرق یہ ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کی ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی بچتے ہیں تا کہ حلول و اتحاد کا وہم نہ پیدا ہو - صوفیہ اشیاء کے وجود کو وہمی اور ثابت خیال کرتے ہیں اور علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں - لیکن حق تعالیٰ کے وجود کی نسبت فانی اور نیست سمجھتے ہیں - گویا فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہے - صوفیہ اس وجود کو وہمی اس لئے کہتے ہیں - کہ عروج کے وقت حق تعالیٰ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا اور علماء وجود سے اس واسطے کنارہ کرتے ہیں کہ کہیں کوئی کوتاہ نظر اس وجود کے رفع ہونے کا حکم دے کر اس پر جو ابدی ثواب و عذاب مرتب ہوتا ہے - اس سے یوں انکار نہ کردے - اشیاء کا وجود نمود کے اعتبار سے خیالی ہے - لیکن حق تعالیٰ نے اس نمود کو ثبات و استقرار بخشا ہے - جو وہم کے اٹھ جانے سے دور نہیں ہوتا - اس طرح اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری ہوگیا ہے اور ضل سے محفوظ ہے ''-[۱]

''ممکن حق تعالیٰ کی صفات و اسماء کی صورتوں پر مخلوق ہے - اس لئے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جوہریت کی بو نہیں - اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور یہ اعراض متعددہ حق تعالیٰ

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴۴ بنام محمد صادق ولد حاجی محمد مومن

کے اسما و صفات کے مظہر ہیں اور ان اعراض کو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے اور اس قیام سے مراد ثبوت اور تقرر ہے ۔ یعنی ممکن کا ثبوت و تقرر حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے ۔ عرض وہ ہے ۔ جسے بذات خود قیام نہ ہو ۔ بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو ۔ ارباب طلسم ایسی ایسی چیزیں دکھاتے ہیں ۔ جو اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی قسم سے ہوتی ہیں اور ان اجسام کا اعراض کی طرح خود بخود قیام نہیں ہوتا ۔ بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کا کوئی محل ثابت نہیں ہوتا اور اس قیام میں حالیت و محلیت کی آمیزش نہیں ہوتی ۔ بلکہ حلول کے وہم کے بغیر ان سب کا ثبوت صاحب طلسم کی ذات سے ہوتا ہے ۔ اسی طرح اشیاء کا وجود مرتبہ حس و وہم میں ہے اور ان کی صنعت میں اتقان اور استحکام رکھا گیا ہے اور ان کا قیام خود بخود نہیں ہے ۔ بلکہ یہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں ۔ بغیر اس کے کہ کسی قسم کے حلول ، حال اور محل کا وہم و خیال پایا جائے ۔

ابن عربیؒ عالم کو اعراض مجتمعہ جانتا ہے جو عین واحد نہیں ہیں اور عین واحد سے مراد ذات احدیت لیتا ہے ۔ لیکن دو زمانوں میں ان اعراض کی عدم بقا کا حکم کرتا ہے ، اور کہتا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہوجاتا ہے ، اور ویسا ہی اور موجود ہوجاتا ہے ۔

فقیر کے نزدیک یہ بات شہودی ہے نہ کہ وجودی ، سالک احوال کے دوران میں پیشتر اس سے کہ ماسوا اس کی نظر سے بالکل دور ہوجائے ، ایک آن میں ایسا دیکھتا ہے کہ عالم معدوم ہو گیا ہے اور دوسری آن میں یوں دیکھتا ہے کہ عالم موجود ہے اور

اسی طرح اس کے ساتھ ہوتا رہتا ہے ۔ لیکن جب فنائے مطلق کے ساتھ مشرف ہوتا ہے تو ماسوا کو ہر آن میں معدوم پاتا ہے ، اس وقت اس کے مشاہدے میں عالم ہمیشہ کے لئے معدوم ہے ۔ اسی طرح بقا کے حاصل ہونے اور عالم کی طرف عود و رجوع کرنے کے درمیان عالم کبھی نظر میں آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہوجاتا ہے ۔ اس وقت بھی تجدد امثال کی حالت کا وہم پیدا ہوتا ہے ۔ اور جب رجوع تمام ہوجاتا ہے اور تکمیل و ارشاد کے مقام میں آجاتا ہے ۔ تو پھر عالم اس کی نظر میں آتا ہے اور اسے دائمی طور پر موجود پاتا ہے ۔ پس یہ معاملہ شہود سے متعلق ہے ۔ نہ کہ عالم کے وجود کی طرف ۔ کیونکہ عالم کا وجود ہمیشہ ایک وضع پر ہے ....'' ۔ [۱]

جناب مجدد الف ثانیؒ کو یہ فیضان نظر پہلے اپنے والد ماجد خواجہ عبدالاحدؒ سے ملا ہے ۔

'' فقیر کو اپنے والد بزرگوار کے فیض صحبت سے اہل توحید کے مشرب سے از روئے علم بہت دلچسپی تھی ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں صحبت نصیب کی اور حضرت نے فقیر کو طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور مسکین کے حال زار پر بڑی توجہ فرمائی ۔ اس طریقہ کی مشق سے تھوڑے سے عرصے کے بعد توحید وجودی منکشف ہوئی ۔ اور اس مقام کے علوم و معارف بہت ظاہر ہوئے ۔ اور شاید ہی کوئی دقیقہ ہوگا جو منکشف نہ ہوا ہو اور شیخ ابن عربیؒ کے جملہ اسرار و دقائق ظاہر ہوئے اور تجلی ذاتی سے بھی مشرف ہوا اور تجلی کے

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴۴ بنام حسام الدین احمد ۔

علوم و معارف جنھیں شیخ نے خاتم الولایت سے مخصوص بتایا ھے مفصل طور پر معلوم ھوئے اور سکر کی کیفیت طاری ھوئی اور سالوں تک ایسا معاملہ رھا کہ اچانک اللہ کے فضل و کرم سے وحدت وجود کی خبر دینے والے علوم زائل ھونے لگے ۔ احاط و سریان ، قرب و معیت ذاتی جو اس مقام میں ظاھر ھوئی تھی دور ھوئی اور معلوم ھوا کہ حق تعالیٰ کا قرب و احاطہ علمی ھے اور وہ کسی چیز سے متحد نہیں ھے ، خدا خدا ھے اور عالم عالم ۔ وہ بے چون ھے اور عالم سراسر چون کے داغ سے داغدار ھے ۔ واجب ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ھرگز نہیں ھوسکتا ۔ بات وھی درست ھے جو علمائے حق نے کی ھے ، اب سابقہ علوم کے مخالف ان علوم کے ظاھر ھونے پر یہ فقیر بڑا مغموم ھوا کہ یہ وحدت وجود سے بڑھ کر کوئی بات اعلیٰ نہیں سمجھتا تھا ۔ یہاں تک کہ تمام حجاب دور ھوگئے اور حقیقت کماحقہ ، منکشف ھوگئی ۔ عالم اپنے صانع کے وجود کے لئے علامت ھے اور اس کے صفاتی اور اسمائی کمالات کے ظھور کا مظھر ھے ۔

بعض کو توحید کے مراقبوں کی کثرت اتحاد پر لے آتی ھے ۔ کیونکہ ان مراقبوں کی صورت متخیلہ میں نقش ھوجاتی ھے اور بعض کو توحید کا علم اور ان احکام کے ساتھ اس کا تکرار ایک قسم کا ذوق و شوق بخشتا ھے ۔ یہ دونوں صورتیں دائرہ علم میں داخل ھیں ۔ تیسری قسم یہ ھے کہ محبت کے غلبہ کے باعث سوائے محبوب کے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ یہ قسم پہلی دونوں سے اعلیٰ ھے اگرچہ شریعت اور اصل حقیقت سے دور ھے ۔ اور اسے شرع سے موافق کرنا ایسا ھی بے ھودہ تکلف ھے جیسا کہ اخوان الصفا کے مسلمان

فلاسفه نے فاسد اصولوں کو شرعی قوانین کے مطابق کرنا چاہا ہے۔

خطائے کشفی خطائے اجتہادی کی طرح ہے جس کے لئے ثواب کے درجوں میں ایک درجه ہے اور عتاب نہیں ہے۔ لیکن کشف کا مقلد عتاب میں آجاتا ہے۔ اور اجتہاد کے مقلد کی طرح صواب کا حق دار نہیں ہے۔ اس لئے که کشف غیر پر حجت نہیں ہے اور مجتہد کا قول غیر پر حجت ہے اور خطا کے احتمال پر جائز بلکه واجب ہے، دائرہ ولایت کے قطب حضرت خواجه نقشبندرح نے فرمایا ہے که جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا۔ سب غیر اور حجاب ہے۔ کلمه لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے اور چون کے دائرے سے باہر بے چون کو ڈھونڈنا چاہیے۔ مشائخ نقشبندیه کو اثنائے سلوک میں توحیدی مشرب کے حالات درپیش آتے ہیں۔ لیکن اس مقام سے گزرنے پر یه حالت نہیں رہتی اور بعض ظاہر میں ان احکام اور ان شہود سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور باطن میں ان کی نظر احدیت صرف کی طرف ہوتی ہے جیسا که فقیر کے والد کا حال تھا۔

پہلے اگر فقیر نے وحدت وجود کو قبول کیا تھا۔ تو وہ کشف سے تھا۔ نه از روئے تقلید، اور اب جو انکار ہے۔ وہ الہام سے ہے۔ جس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ اگرچه الہام غیر پر حجت نہیں ہے . . . . ''۔[۱]

''توحید شہودی ایک کو دیکھنا ہے۔ یعنی سالک کو ایک کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ توحید وجودی ایک موجود کو جاننا اور اس کے غیر کو نابود سمجھنا اور اس غیر کو نابود جاننے کے باوجود

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۱ بنام شیخ صوفی

اس کا ایک مظہر خیال کرنا ہے - یعنی توحید وجودی علم‌الیقین کی قسم سے ہے اور توحید شہودی عین‌الیقین کی قسم سے ہے - توحید شہودی راہ سلوک کی ضروریات میں سے ایک ہے - کہ اس کے بغیر فنا ثابت نہیں ہوتی - کیونکہ اس میں ایک کو غلبے کے ساتھ دیکھنا ماسوائے کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے - جبکہ توحید وجودی ضروری نہیں ہے - کہ اس معرفت کے بغیر علم‌الیقین حاصل ہے - کیونکہ علم‌الیقین ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں - یعنی ایک کے علم کا غلبہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی نہیں کردیتا - مثلاً آفتاب کے وجود کا علم ستاروں کو نابود جاننے کو مستلزم نہیں ہے - لیکن آفتاب کا دیکھنا اس وقت ستاروں کو نہ دیکھتا ہے - کیونکہ آفتاب کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا اور اس وقت بھی جب ستاروں کو دیکھا نہیں جاتا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں - بلکہ موجود ہیں - لیکن مستور ہیں - اور سورج کی روشنی میں مغلوب ہیں - ایسا مشاھد اس وقت ان لوگوں کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی و انکار کرتے ہیں انکار میں شامل ہے، لیکن یہ جانتا ہے کہ یہ معرفت صحیح نہیں ہے - پس توحید وجودی جس میں ماسوا کی نفی ہے شرع کے مخالف ہے - لیکن توحید شہودی میں ایک کے دیکھنے میں کچھ مخالفت شرع نہیں ہے - جیسے طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کو معدوم سمجھنا خلاف واقع ہے - لیکن اس وقت انہیں نہ دیکھنا خلاف واقع نہیں ہے - بلکہ وہ نہ دیکھنا بھی آفتاب کی روشنی کے غلبے اور اپنی کمزوری کے سبب سے ہے - اگر آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے روشن ہوجائے - تو ستارے آفتاب سے علاحدہ اور جدا نظر آئیں گے اور یہ دیکھنا حق‌الیقین ہے - پس صوفیہ کی باتوں کو توحید شہودی پر محمول کرنا مناسب ہے . . . آج کل بعض

لوگوں نے تقلید سے اور بعض نے مجرد علم سے اور بعض نے اجمالی طور پر اور ذوق کی دستیابی سے ، اور بعض نے الحاد و زندقہ سے اس توحید وجودی کا دامن ہاتھ میں لے رکھا ہے اور شرعی تکلفات سے یوں کنارہ کئے ہوئے ہیں - کہ سب کچھ اللہ سے ہی ہے - اگر شرعی تکلفات بجا لانے کا اقرار بھی کریں تو اسے اصلی مقصود شریعت کے علاوہ کچھ اور خیال کر کے اپنے آپ کو طفیلی جانتے ہیں - حاشا و کلا ہرگز ایسا نہیں ہے - طریقت اور شریعت ایک دوسرے کی عین ہیں اور بال بھر اُن کے درمیان فرق نہیں ہے - ایک اجمال ہے اور دوسری تفصیل ، ایک استدلال ہے اور دوسری کشف ، اور جو کچھ شرع کے مخالف ہے وہ مردود ہے - شریعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے . . . ''-[۱]

دفتر اول کے مکتوب ۱۶۰ میں بھی اسی مطلب کی وضاحت ہے - اسی طرح دفتر اول کے مکتوب ۲۳۴ بنام صاحبزادہ محمد صادق میں وجود اور عدمات کے اسرار تفصیل سے واضح کئے گئے ہیں - خواجہ باقی باللہ رح کی رباعیات کی شرح میں بھی تفصیل سے ان مسائل کا حل کیا گیا ہے - جن کا ذکر دفتر اول کے مکتوب ۲۴۶ میں ہے -

''انبیائے کرامؑ نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں دی ہے اور نہ ایک سے زائد وجود کہنے والوں کو مشرک کہا ہے - بلکہ ان کی دعوت وحدت معبود کی طرف ہے اور انھوں نے ماسوا کی عبادت کو شرک کہا ہے . . . . وہ واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بے چون ہے رہنمائی کرتے ہیں - کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۳ بنام شیخ فرید رح

پیغمبر نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت دی ہو۔ اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ بلکہ ان کی دعوت تنزیۂ صرف کی طرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی کے ساتھ ناطق ہیں“۔[۱]

۱۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۷۲ بنام سید محب اللہ مانکپوری

''جو کچھ اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سنت ہے -
جو وحی قطعی سے مقرر ہوئے ہیں - علماء کا اجتماع اور
اجتہاد مجتہدین بھی ان دو اصولوں سے رجوع کرنا ہے -
ان کے علاوہ جو کچھ ہو، خواہ صوفیہ کے معارف ہوں
یا ان کے کشف و الہام اگر ان اصولوں کے موافق ہوں
تو مقبول ہیں - ورنہ مردود، ...- '' مکتوبات دفتر
اول مکتوب ۲۱۷ بنام ملا طاہر بدخشی

فصل پنجم

کشف و شہود

''رویت الہی کا وعدہ آخرت میں ہے - دنیا میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور وہ مشاہدے اور تجلیاں جن پر صوفیہ خوش ہیں - وہ ظلال اور شبہ و مثال کے ساتھ اپنی تسلی کئے بیٹھے ہیں - حق تعالیٰ وراء الوراء ہے - مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی پوری پوری حقیقت بیان کی جائے تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور واقع ہو جائیگا - اور اس امر کا بھی خوف ہے - کہ اگر باوجود علم کے کچھ نہ کہوں تو حق و باطل میں تمیز نہیں ہوسکے گی - البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں - کہ اس راستے کی تجلیات و مشاہدات کو حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے لئے حق کے جلوۂ طور اور آن کے شہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے - حق تعالیٰ کی تجلی کی برداشت کسے ہے ؟ . . . '' -[1]

''حضرت نبی کریمؐ کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا - اور وہ وقت ' لی مع اللہ وقت ' ادائے نماز میں ہوتا تھا - اسی طرح آپ کے تابع افراد بھی وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوسکتے ہیں - حضرت ابو ذر غفاریؓ سے بھی اسی طرح کا قول واقع ہوا ہے اور یہ ممکنات سے ہے . . . خوارق و کرامات کا بکثرت ہونا کسی ولی کی فضیلت پر دلیل نہیں ہے - ممکن ہے کہ کوئی شخص جس سے کوئی خرق عادت واقعہ ظاہر نہ ہوا ہو - وہ

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۱۷ بنام ملا طاہر بدخشی

اس شخص سے افضل ہو جس سے اکثر خوارق کا اظہار ہوتا رہتا ہو ۔ شیخ الشیوخ نے عوارف میں یہ فرمایا ہے کہ کرامات اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہیں اور ان کا ظہور یقین کی تقویت کے لئے ہوتا ہے ۔ جسے یقین خاص دے دیا گیا ہو ۔ اسے ذکر قلبی اوز ذکر ذات کے سوا ان کرامات کی کوئی حاجت نہیں ہے ۔ خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کو افضلیت کی دلیل بنانا ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت امیر رضؓ کے لئے حضرت صدیق رضؓ پر مناقب کی بنا پر افضلیت مقرر کی جائے ۔ کیونکہ حضرت صدیق رضؓ سے اس قدر فضائل و مناقب ظہور میں نہیں آئے جتنے کہ جناب امیر رضؓ سے ۔

خرق عادت کی دو قسمیں ہیں ۔ اول : وہ علوم و معارف جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہیں ۔ اور عقل کے حیطہ اقتدار سے پرے ہیں ۔ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ان سے ممتاز کرتا ہے ۔

دوسری قسم : مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور پوشیدہ چیزوں سے مطلع ہونا اور ان معاملات کی خبر دینا جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ۔ پہلی قسم اہل حق اور اہل معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری قسم جھوٹے اور سچے دونوں کو شامل ہے ۔ استدراج والوں کو بھی اس سے کافی حصہ حاصل ہوتا ہے ۔

پہلی قسم حق تعالیٰ کے نزدیک شرافت و اعتبار والی ہے ۔ کیونکہ اسے اپنے دوستوں سے ہی مخصوص کیا ہے اور دشمنوں کو اس امر میں شریک نہیں کیا ۔ دوسری قسم عام لوگوں کے نزدیک محترم ہے اور یہی باتیں اگر استدراج والوں سے ظہور کریں ۔ تو عجب نہیں کہ لوگ اپنی نادانی سے ان کی پرستش کرنے لگ جائیں ۔

بلکه معامله یوں ہے کہ یہ لوگ قسم اول کو کرامات ہی نہیں گنتے ، اور ان کے نزدیک کرامات قسم دوم ہی کا نام ہے - یعنی مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور پوشیدہ چیزوں کی خبر دینا وغیرہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ مخلوقات کے متعلق علم خدا کی معرفت سے کتنی دوری ہے؟ ، اہل معرفت کی فراست یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق شخص کو پہچان لیتے ہیں اور اہل ریاضت کی فراست بھوک ، خلوت اور تصفیۂ قلب سے ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ حق تعالیٰ تک واصل ہونگے - مخلوقات کے معاملات کی خبر دینا انھیں اللہ کی طرف سے حجاب میں ڈال دیتا ہے - لوگ انھیں بڑا بزرگ خیال کرتے ہیں اور اہل حقیقت کے کشف سے اعراض کرتے ہیں - چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہیں اس لئے انھیں مطعون کرتے ہیں - کہ اگر یہ ولی اللہ ہوتے تو ہمیں ہمارے احوال کی نسبت اطلاع دیتے ، جب یہ مخلوقات کے احوال کے علم پر قادر نہیں تو اس سے اعلیٰ آمور کے کشف پر کیسے قدرت رکھتے ہیں - انھیں یہ معلوم نہیں - کہ اپنے بندوں کو اللہ نے خلق کے ملاحظے سے محفوظ رکھ کے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے - اگر یہ بھی خلق میں الجھے ہوئے ہوتے تو بارگاہ الٰہی کے لائق نہ ہوتے - ہم نے اکثر اہل حق کو دیکھا ہے کہ جب وہ کشف صور کی صرف معمولی سی توجہ دیتے ہیں - تو اللہ کے قرب کی فراست کی بدولت فوراً ایسے امور معلوم کرلیتے ہیں - جن کے ادراک پر دوسرے گروہ کے افراد مطلق قدرت نہیں رکھتے - لیکن جو اہل صفا مقصود اصلی سے بے بہرہ ہو کر خلق کے ساتھ متعلق ہیں ان کی فراست حق تعالیٰ کے قرب کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتی - اس میں مسلمان ، نصاریٰ ، یہود اور باقی گروہ شامل ہیں - کیونکہ یہ

فراست و کرامت اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی شرف نہیں رکھتی اس لئے اسے اہل معرفت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے ....‘‘۔[۱]

میر محمد نعمان کے نام مکتوب میں انہیں باتوں کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ ’’میں نے اپنے خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ شیخ ابن عربی رح نے لکھا ہے کہ بعض اولیاء جن سے کرامات و خوارق ظاہر ہوئے ہیں وہ آخر دم ان کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ خواہش کی ہے کہ کاش ہم سے ان کا ظہور نہ ہوتا ۔ اگر فضیلت خوارق کے اظہار پر ہوتی تو اس طرح ندامت کیوں کرتے ۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوارق کا ظاہر ہونا جب ولایت کی شرط نہیں ہے تو ولی اور غیر ولی میں کیسے تمیز ہوگی اور سچے کو جھوٹے سے کیسے علیحدہ کیا جا سکیگا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمیز نہ ہو ۔ ایسا ہی سہی ۔ حق کا باطل کے ساتھ ملا ہوا رہنا اس جہان کے لوازم سے ہے ۔ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے ۔ بہت سے اولیا ایسے ہیں جنہیں اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا ۔ پھر دوسروں کو ان کی ولایت کا علم کیسے ہو ، ہاں نبی کے لئے خوارق کا ظہور ضروری ہے تاکہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہو سکے ، کیونکہ نبی کے لئے اپنی نبوت کا علم لازمی ہے ۔ ولی اپنے نبی ص کی شرح کے مطابق عمل کرتا ہے اس لئے نبی ص کا معجزہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے ۔ اگر اسے نبی ص کی شرح کے علاوہ دعوت کرنی ہوتی تو اس کے لئے خوارق کا ہونا ضروری تھا ۔ لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی ص کی شریعت کی طرف مخصوص ہے تو پھر اس کے لئے خوارق کی حاجت

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۹۳ بنام شیخ محمد خیری

نہیں ۔ علماء صرف شریعت کے ظاہر کی طرف دعوت دیتے ھیں ۔
اور اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت دیتے ھیں ۔
پہلے مریدوں اور طالبوں سے توبہ کراتے ھیں اور احکام شرعی کی
بجا آوری کی ترغیب دیتے ھیں ۔ پھر ذکر الٰہی بتاتے ھیں اور
تاکید کرتے ھیں کہ تمام اوقات ذکر میں مشغول ھو کر ذکر کو
غالب کر لیں ۔ یہاں تک کہ مذکور کا ماسواء تکلف کے ساتھ
بھی یاد میں نہ لایا جا سکے ، ظاہر ھے کہ ایسے ولی کے لئے خوارق
کی کیا ضرورت ھے ..... اس کے علاوہ ھم یہ بھی کہتے ھیں کہ
مرید رشید اور طالب مستعد ھر ساعت سلوک کی راہ میں اپنے پیر سے
خوارق و کرامات محسوس کرتا ھے اور معاملہ غیبی میں ھر دم
اس سے مدد لیتا ھے ۔ دوسرے لوگوں کے بارے میں خوارق کا ظاھر
ھونا ضروری نہیں ۔ لیکن مریدوں کی نسبت کرامات ھی کرامات
ھیں ۔ مرید کس طرح پیر کے خوارق محسوس نہ کرے جس نے
مردہ دل کو زندہ کر دیا ھے اور اسے مشاھدہ و مکاشفہ تک پہنچا
دیا ھے ۔ عوام کے نزدیک مردے زندہ کرنا عظیم‌الشان بات ھے
جب کہ خواص کے ھاں قلب و روح کو زندہ کرنا اعلیٰ پائے کی
برھان ھے ۔ جسمی زندگی چند روزہ ھوتی ھے اور روحانی زندگی دائمی
ھے ۔ اس لئے اولیاء اللہ نے جسمانی زندگی سے منہ پھیر کر روحانی زندگی
کی طرف قدم بڑھایا ھے ۔ یہی لوگ زمین کا امن اور غنیمت روزگار
ھیں ۔ انھیں کے طفیل لوگوں پر بارش ھوتی ھے اور انھیں کے طفیل
رزق ملتا ھے ۔ بھم یرزقون و بھم یمطرون ۔ انکی نظر شفا ھے ۔ یہی
لوگ اللہ کے ھم‌نشین ھیں اور ان کا ھم‌نشین بدبخت نہیں ھو سکتا اور
رحمت حق سے ناامید نہیں ھوتا ۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز
شریعت پر استقامت کی رو سے ھوتی ھے اور جسکی مجلس میں دل کو

حق تعالیٰ کیطرف توجہ پیدا ہو جائے۔ وہ شخص سچا ہے اور درجات کے فرق کے مطابق اس کا اولیاء میں شمار ہے......"۔[۱]

"اولیاء اللہ متقدم ہوں یا آج کل کے ان سے ہر گھڑی خوارق ظہور میں آتے رہتے ہیں.... کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے۔ جب کہ انبیاءؑ میں اس کا ہونا متحقق ہے تو اولیاءرح میں بطریق اولیٰ ہوگا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ انبیائےؑ کو اس القا سے آگاہ کر کے باطل کو حق سے علٰحدہ کر دیتے ہیں۔ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ ؕ اسی امر پر دلالت کرتی ہے۔ اولیاءرح کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے۔ وہ تو نبیؐ کے تابع ہوتے ہیں اور جو امر نبیؐ کے مخالف پائیں گے اسے رد کر دینگے۔ لیکن وہ کشفی امر جس کے بارے میں نبیؐ کی شریعت خاموش ہے اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے لئے اس سے امر کشف کے لئے اثبات یا نفی دستیاب نہیں ہے۔ تو اس طرح حق و باطل کے درمیان قطعی طور پر تمیز کرنا مشکل ہے کیونکہ الہام ظنی ہے لیکن اس عدم امتیاز سے ولایت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا ہے کیونکہ نبیؐ کی شریعت کی متابعت دونوں جہانوں کی نجات کے لئے کافی ہے اور جن امور میں شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ امور زائدہ ہیں۔ اور ہم ان کی بجا آوری، تسلیم یا انکار پر مکلف نہیں ہیں۔

کشف کا غلط ہونا صرف القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ میں غلط احکام ایک

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۹۲ بنام میر محمد نعمان۔

صورت پیدا کر لیتے ہیں جس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ اسی قسم کی یہ بات ہے کہ بعض خوابوں میں حضرت نبی کریم ؐ کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں اور جنابؐ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہوتے ہیں ۔ اس صورت میں القائے شیطانی کا کوئی دخل نہیں ہوتا کیونکہ شیطان کے لئے حضرت خیرالبشر علیہ والہ الصلوٰۃ و السلام کی کسی صورت میں متمثل ہونا مسلم نہیں ہے ۔ پس اس صورت میں تمام واقعہ محض قوت متخیلہ کا تصرف ہوتا ہے ''۔[۱]

ان اقتباسات سے یہ بات واضع ہو جاتی ہے کہ جناب مجددرحؒ کے نزدیک کشف کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی کے محض اپنی نادانی اور بے بساطی کی وجہ سے عوام میں متعارف ہے ۔

ان اقتباسات کی روشنی میں حضرت مجددرحؒ کا نظریۂ کشف و شہود بھی واضع ہو جاتا ہے اور کشف و الہام کی حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے اور ان سے دین میں کس حد تک خدمت لی جا سکتی ہے ۔ اس کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے ۔

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۷۰ ، بنام محمد صادق کشمیری ۔

” شریعت کے تین جزو ھیں ، علم ، عمل اور اخلاص ،
طریقت اور حقیقت شریعت کی تیسری جزو یعنی
کامل کرنے میں اخلاص کے شریعت کے خادم ھیں “۔

مکتوبات ۔

باب چهارم

فصل اول

ترویج شریعت

آپ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج ہے ۔ آپ نے اس امر کی تکمیل کے لئے علماء اور امراء کے طبقوں کو بیدار کرنا چاہا ہے :

” علماء کے لئے دنیا کی محبت اور رغبت ان کے جمیل چہرے کا بدنما داغ ہے ۔ مخلوقات کو ان سے بہت فائدے ہیں ۔ مگر ان کا علم ان کے اپنے لئے فائدہ بخش نہیں ہے ۔ اگرچہ شریعت کی تائید اور مذہب کی تقویت ان سے متعلق ہے ۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے ۔ کہ یہ تائید و تقویت فاجر فاسق سے بھی ہو جاتی ہے ۔ یہ علماء سنگ پارس کی طرح ہیں کہ تانبا اور لوہے اس کے ساتھ لگ جانے سے سونا ہو جاتا ہے ۔ اور وہ اپنی ذات میں پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے ۔ ایسے عالم کا علم اس کے لئے مضر ہے ، تعلیم دینا اور فتوے لکھنا اس وقت فائدہ مند ہے ، جب کہ خالص اللہ ہی کے لئے ہو ۔ اور جب ریاست و مال و جاہ کی آمیزش سے خالی ہو ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بے رغبت و بے نیاز ہو ۔ جو علماء اس بلا میں مبتلا ہیں دین کے چور یہی لوگ ہیں حالانکہ اپنے آپ کو دین کا پیشوا کہتے ہیں ۔ خبر دار یہ لوگ شیطان کے گروہ سے ہیں اور

شیطان کا کام اپنے ذمے لیکر اسے اپنے کام سے انھوں نے فارغ البال کردیا ہے ۔ اس زمانے میں جو سستی اور غفلت کہ شرعی امور میں واقع ہوئی ہے اور جو فتور مذہب اور دین کے رواج دینے میں ظاہر ہوا ہے ۔ سب کچھ ان برے علما کی کم بختی اور ان کی نیتوں کے بگڑ جانے کے باعث ہے ۔ ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست و منصب کی محبت سے آزاد ہیں ۔ وہ علمائے آخرت سے ہیں اور انبیاء کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سے بہتر ہیں ۔ قیامت کے دن ان کی سیاہی فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون سے بڑھ کر قیمت پائے گی ۔ رجال لا تلہیم تجارۃ ولا بیع'' عن ذکراللہ ۔ یعنی دنیا سے تعلق رکھنے کی حالت میں بے تعلق ہیں یہ آن مشائخ کا حال ہے ۔ جو آرزو کے پنجے سے نکل چکے ہوں ۔ اور نیک نیتوں کے باعث اہل دنیا کی سی صورت رکھتے ہیں ۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا اور اس کا دل ایک لحظہ کے لئے بھی حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ تھا'' ۔[1]

''شریعت کے تین جزو ہیں ۔ علم ، عمل اور اخلاص ، ان کا حصول ، اللہ کی رضا کا حصول ہے اور یہی رضا دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے ، کوئی ایسا مطلب نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے ۔ طریقت اور حقیقت شریعت کی تیسری جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں یعنی ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر اس کے علاوہ مطلوب

۱۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۳۳ بنام ملا حاجی محمد لاہوری

ھے ۔ احوال و مواجید اور علوم و معارف ، جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں ۔ اصلی مقصود نہیں ہیں ۔ بلکہ وہم و خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے ۔ ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا ہے ۔ جو جذبۂ و سلوک کا منتہا ہے تاکہ اخلاص حاصل ہو جائے ۔ اخلاص مقام رضا کا لازمی نتیجہ ہے ۔ مگر ہزاروں میں سے کوئی کسی ایک کو اس دولت سے مشرف کرتے ہیں ۔ بے سمجھ لوگ احوال کو اصل مقصود سمجھ لیتے ہیں اور یوں شریعت کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ ہاں مقام اخلاص کا حاصل ہونا اور رضا تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے اور علوم و معارف کے ثابت ہونے سے وابستہ ہے ۔ فقیر پر یہ بات پورے دس سال کے بعد کما حقہ واضح ہوئی ۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی شریعت کی حقیقت معلوم کرنے کے بغیر کوئی اور مقصد مد نظر نہیں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ''۔[۱]

''فقیر پر ایک عرصہ تک احوال و معارف بہاری بادل کی طرح نازل ہوتے رہے اور جو کام کرنا چاہئے تھا اللہ کے فضل سے کردیا ۔ اب صرف یہی آرزو ہے کہ نبی کریم ؐ کی کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہل ذوق کو مبارک ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ''۔[۲]

''جو لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز کہتے ہیں ۔ وہ اصل معاملہ سے بے خبر ہیں اور صوفیا کی بے ہودہ باتوں پر مغرور اور مقامات و احوال پر دل لگائے بیٹھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ''۔[۳]

۱۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۳۶ بنام ملا حاجی محمد لاہوری
۲۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۷ بنام شیخ محمد خیری
۳۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۰ بنام شیخ محمد خیری

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ صراط مستقیم ھے۔ اور اس کے سوا راستے ٹیڑھے ھیں۔ سب ھدایتوں سے بہتر نبی کریمؐ کی ھدایت ھے۔ باطن ظاھر کو پورا کرنے والا ھے اور بال برابر بھی ایک دوسرے سے مخالف نہیں ھے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ھے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا طریقت اور حقیقت ھے۔ یعنی اگر یہ نفی تکلف اور بناوٹ سے ھے تو طریقت ھے اور اگر تکلف کے بغیر میسر ھے۔ تو حقیقت ھے۔ پس باطن جس کو طریقت اور حقیقت کہتے ھیں۔ ظاھر یعنی شریعت کو پورا اور کامل کرنے والا ھے۔ محبوب کے تابع ھونے کی وجہ سے محبوب کی ھر چیز محبوب ھوجاتی ھے۔ یہ اس رمز کا بیان ھے۔ جو اس آیت کریم میں ھے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ نبی کریم کی متابعت کرنا مقام محبوبیت تک پہنچ جانا ھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"۔[۱]

"انسان کا دل پراگندہ تعلقات سے آزاد ھوکر ھی یافت سے ھمکنار ھوتا ھے اور اس آئینے کا زنگ ماسوا کی محبت کا دور کرنا ھے۔ دل سے یہ زنگ نبی کریمؐ کی بزرگ و روشن سنت کی تابعداری کی بدولت ھی دور ھو سکتا ھے۔ اس سے نفسانی عادتیں رفع ھوتی ھیں ۔ ۔ ۔ ۔"۔[۲]

"اپنے ظاھر کو ظاھر شریعت سے اور اپنے باطن کو باطن شریعت یعنی حقیقت سے آراستہ کریں اور حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ھی کی حقیقت ھیں۔ نہ کہ شریعت اور ھے اور طریقت و حقیقت کچھ اور انہیں علاحدہ علاحدہ کرنا الحاد اور زندقہ ھے ۔ ۔ ۔ ۔"۔[۳]

۱- مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳ بنام شیخ درویش
۲- مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳ بنام شیخ درویش
۳- مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۷ بنام شیخ محمد یوسف

''ابدی نجات کے لئے تین امور ضروری ھیں ۔ اول علم فقه تا که عمل میں صحت ھوسکے ۔ دوسرا علم، علم کلام ھے ۔ تا که اعتقاد اور دل کا یقین مل سکے اور علم کلام وھی مفید اور مقبول ھے جو اھل سنت و الجماعت کے قیاس اور عقیدے کے موافق ھو ۔ نجات ان کے ابتاع کے بغیر محال ھے ۔ ذرا سی مخالفت بھی بڑے خطرے کی حامل ھے ۔ یه بات کشف صحیح اور الھام صریح سے یقینی طور پر حاصل ھوچکی ھے ۔ انھی کی متابعت سے نبی کریمؐ کے اصحابؓ کی بزرگی کا علم حاصل ھوتا ھے اور اھلبیت کی محبت نصیب ھوتی ھے ۔ تیسرا امر اخلاص کا حاصل کرنا ھے ۔ جو علم و عمل کے لئے روح ھے ۔ اسی سے ماسوا کی گرفتاری سے مکمل نجات ملتی ھے ۔ اور تصنع اور تکلیف کے بغیر اخلاص نصیب ھوتا ھے ۔ عام مومنوں کو بھی بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ھوجاتا ھے ۔ لیکن مکمل و افضل اخلاص طریق صوفیه پر چلنے سے حاصل ھوتا ھے اور تمام افعال و احوال میں بلا تکلف و تصنع خلوص میسر ھوجاتا ھے ۔ یعنی جب تک سیر الی اللہ طے نه کریں اور سیر فی اللہ نه کرلیں یه کمال نہیں مل سکتا . . . .''[۱]

''سیر آفاق اور سیر انفی کا حصول سید اولین و آخرین صلے اللہ علیه وآله وسلم کی ابتاع پر منحصر ھے ۔ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نه کریں اور اوامر کے بجالانے میں اور نواھی سے بچنے میں کامیاب نه ھو جائیں ۔ اس دولت کا حاصل ھونا مشکل ھے ۔ محبوب رب العالمین صلے اللہ علیه وسلم کی متابعت کے بغیر خلاصی ممکن نہیں ۔ اگر ذرا بھر بھی شریعت کی مخالفت ھو ۔

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۹ بنام سید محمود

اور بالفرض احوال و سواجید بھی حاصل ہو جائیں تو انہیں استدراج کہتے ھیں - کہ آخر کار رسوائی لازمی ہے - خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننے والے سے ہر گز گناہ صادر نہیں ہو سکتا . . . .'' - [۱]

''شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ھیں - فرق صرف اجمال و تفصیل ، کشف و استدلال ، غیبت و حضوری ، تعمل اور عدم تعمل کا ھے - حق الیقین کی صورت یہی ہے - کہ کشف میں جملہ احکام و علوم شریعت کے سوافق ظاہر ہوں اور ذرا بھی مخالفت معلوم ہو - تو یہ حق الیقین کی حقیقت تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے اور جس شیخ کے کلام میں کہیں کوئی بات خلاف شرع واقع ہوئی ہے - تو وہ سکر سے ہے - جو اثنائے راہ میں واقع ہوا کرتا ہے . . . . کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرۂ سے سوال کیا کہ سیرو سلوک سے کیا مقصود ہے - انہوں نے فرمایا کہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلال کشف سے بدل جائے . . . .'' - [۲]

''سب عبادتوں سے جامع اور مقرب نماز ہے - جسے اس کے ادا کرنے کی توفیق دیں اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے بچالیتے ھیں - اور یہی نماز کی حقیقت ہے - بہر حال اس کے حاصل نہ ہونے سے پیشتر اس کی صورت کو نہیں چھوڑنا چاہئے - اللہ تعالیٰ ھی سہربانی کرنے والا ہے - نماز کو جماعت کے ساتھ عاجزی سے ادا کریں . . . بہادری وہ ھی ہے - جو خطرے کے وقت کی جائے - دشمن کے غلبہ کے وقت ثابت قدمی امن کے زمانے کے مقابلے میں زیادہ باوقعت ہے - جوانوں کی نیکی زیادہ اعتبار رکھتی ہے . . .

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۷۸ بنام جباری خان

۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۸۴ بنام سید احمد قادری

جس کسی نے کسی دولت مند کی عزت اس کی دولت کے باعث کی ، اس کے دین کے دو حصے چلے گئے - چرب لقموں سے عموماً دل کی سیاھی بڑھا کرتی ھے . . . . '' -[1]

''دل کی سلامتی دل سے غیر اللہ کے خیال کے مکمل طور پر دور ھو جانے سے ملتی ھے - جس کا حصول شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے ھوتا ھے - جن کا مقصود نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ھے . . . . اور اس طرح دل پر غیر کا گزر هزار سال میں بھی تکلف کے باوجود نہیں ھوتا اور اسے فنا کہتے ھیں اور یه اس راہ میں پہلا قدم ھے . . . . '' -[2]

''نماز پنجوقتی با جماعت ادا کریں اور زکوٰۃ رغبت سے دیں - جوانی میں معمولی سا عمل بھی بڑا اھم ھوتا ھے - کل بڑھاپے میں حواس اور قوتیں سست ھو جائیں گی اور جمعیت کے اسباب پراگندہ ھو جائیں گے تو سوائے ندامت اور پشیمانی کے کچھ حاصل نہیں ھوگا اور یه بھی ممکن ھے که کل تک مہلت ھی نه دیں اور ندامت و پشیمانی کا موقع جو ایک طرح کی توبه ھے وہ بھی نه مل سکے . . . . '' -[3]

''فقه کی رو سے دس روپے کے بدلے جو بارہ روپے وصول کئے جائیں - تو دو روپے سود والے اور دس روپے اصل والے دونوں حرام ھیں - باقی رھی صورت احتیاج کی ، میرے مخدوم ربا کی حرمت نص قطعی سے ثابت ھے - جو محتاج اور غیر محتاج دونوں کے لئے

---

١ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ٨٥ بنام مرزا فتح اللہ حکیم
٢ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ٩١ بنام شیخ کبیر
٣ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ٩٦ بنام محمد شریف

ہے ۔ محتاج کا خاص کرنا اس قطعی حکم کو منسوخ کرتا ہے ۔
قنیہ کی روایت یہ مرتبہ نہیں رکھتی ہے ۔ کہ قطعی حکم کو منسوخ
کرے ۔ مولانا جمال لاہوری جو لاہور کے علما میں ممتاز ہیں ۔
قنیہ کی اکثر روایات کو نا قابل اعتبار سمجھتے ہیں اور یہ روایت
کتب معتبرہ کی روایات کی مخالف ہیں ۔ اگر اس روایت کو صحیح
مان لیں ۔ تو اس احتیاج کی تاویل اضطرار اور مخمصہ سے کرنی ضروری
ہے ۔ تاکہ آیت فمن اضطر فی مخمصة کے ساتھ اس قطعی حکم کی
تخصیص ہو جائے ۔ اگر محتاج سے عام مراد لی جائے ۔ تو پھر سود
کے حرام ہونے کے لئے کونسا مقام اور محل پیدا کریں گے ۔ کیونکہ
بغیر حاجت کے کون سودی قرضہ لیتا ہے ۔ ایسے قرض سے کسی
ثواب کے لئے کھانا پکانا کہاں کی احتیاج ہے ۔ ایسا شخص صدقہ دینے
سے کہیں زیادہ خود صدقہ لینے کا محتاج ہے ۔ سپاہ گری کو احتیاج کا
حیلہ بہانہ اور یوں سودی قرضہ لینا دینداری سے بعید ہے ۔ روزگار کے
وجوہ بہت سے ہیں ۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا قطعی
بات ہے ۔ جس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔ ظنی امور میں ایسی
صورت نہیں ہوتی ۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج کے پیش نظر ایسے قرضے کے
حلال ہونے کا حکم کیا ہے ۔ احتیاج کا دامن کشادہ ہے ۔ اگر اس
کو بڑھاتے جائیں تو کوئی صورت ربا (سود) کی نہیں رہتی اور نص
قطعی کا حکم عبث ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ،، ۔[۱]

''بعض مشائخ نے سکر کے وقت کہا ہے ۔ کہ ولایت نبوت
سے افضل ہے اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۰۲ بنام ملا مظفر

مراد لی ہے ۔ تاکہ نبی سے ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہوجائے لیکن حقیقت یہ ہے ۔ کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے ۔ ولایت میں سینہ کی تنگی کے سبب سے خلق کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی ۔ نبوت میں کمال شرح صدر ہوتا ہے ۔ جس سے نہ تو حق کی طرف متوجہ ہونے سے خلق کی طرف توجہ میں فرق آتا ہے اور نہ ہی خلق کی طرف متوجہ ہونے سے یاد حق و توجہ حق میں فرق پڑتا ہے ۔ تاکہ ولایت کو جس میں صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوئی ہے اس پر ترجیح دیں ۔ ۔ ۔ ‘‘ ۔[1]

’’علما کے علوم چراغ نبوت سے مستفید ہیں ۔ جن کی وحی قطعی سے تائید کی گئی ہے اور صوفیا کے علوم کشف و الہام سے ہیں ۔ جن میں خطا کو دخل ہے ۔ ان کی صحت کا مصداق علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ ان کی مطابقت ہے ۔ سر مو مخالفت بھی دائرہ صواب سے خارج ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘ ۔[2]

’’تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی متابعت ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے ۔ اہل ہنود نے بہت ریاضتیں اور سخت مجاہدے کئے ہیں ۔ لیکن شریعت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے سب بے اعتبار اور خوار ہیں ۔ اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ہو بھی تو وہ دنیاوی نفع ہی ہوگا ۔ جس کا کیا اعتبار ہے ۔ شریعت کے تابعداروں کی مثال ایسی ہے ۔ کہ وہ قیمتی جواہرات کا کام کرتے ہیں ۔ کام تھوڑا اور محنت مزدوری زیادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘ ۔[3]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۰۸ بنام میاں سید احمد

۲ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۱۲ بنام شیخ عبدالجلیل

۳ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۱۴ بنام صوفی قربان

''فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونا لایعنی میں شمار ہے ۔ اپنے حالات کی تفتیش کرنی لازمی ہے ۔ کہ آدمی فرض میں مصروف ہے یا نفل میں ۔ ایک نفلی حج کے لئے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہ ہونا چاہئے . . . . لایعنی میں مشغولیت خدا سے رواگردانی ہے . . . .'' ۔[۱]

''حج کے لئے استطاعت شرط ہے ۔ اس کے بغیر تضیع اوقات ہے ۔ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول رہنا مناسب نہیں . . . .'' ۔[۲]

''نماز میں لذت کا حاصل ہونا ہی کمال ہے ۔ نفس کا اس میں کیا فائدہ ۔ وہ تو اس وقت نالہ و فغان میں ہوتا ہے ۔ ایسے عالم میں نوافل کا ادا کرنا بیکار ہے اور نہایت النہایت میں فرض نماز کے ادا کرنے میں لذت ملتی ہے اور ابتدا میں نفلی نماز میں ، دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبہ کی طرح ہے ۔ باقی تمام عبادتیں نماز کے لئے وسیلہ ہیں . . . .'' ۔[۳]

''کل قیامت کے دن صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہی کام آئے گی ۔ احوال و مواجیہ ، علوم و معارف اشارات و رموز اس متابعت کے ساتھ میسر ہو جائیں تو بہتر اور زہے نصیب ۔ ورنہ سوائے استدراج اور خرابی کے ان میں کچھ نہیں ہے . . . .'' ۔[۴]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۲۳ بنام ملا طاہر بدخشی
۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۲۴ بنام ایضاً
۳ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۷ بنام حاجی خضر افغان
۴ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۸۴ بنام قلیج اللہ

”وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان میں نہ تولیں۔ نیم جیتل سے بھی نہیں خریدتے ۔ طریقہ صوفیہ سے مراد یہ ہے کہ شرعی معتقدات کا زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور فقہیہ احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو۔ کیونکہ رویت الٰہی کا وعدہ آخرت میں ہے ۔ دنیا میں واقع نہیں ہے ۔ مشاھدات اور تجلیات جن سے صوفیہ خوش ھیں ۔ وہ ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے خوش ہونا ہے ۔ اگر ان مشاھدات کی حقیقت پوری پوری بیان کی جائے ۔ تو یہ خدشہ ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور واقع ہو جائے ۔ اگر خاموش رھا جائے تو حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی ۔ صرف متابعت نبی کریمؐ ھی کمال و کامیابی ہے ۔ ۔ ۔ ۔“ ۔[1]

”سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہوجائے اور نفس کی امارگی دور ہوجائے فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں شرعی علوم کا خادم ہے نہ شریعت کے مخالف کوئی اور بات ۔ ۔ ۔ ۔“ ۔[2]

”آج کل اکثر خاص و عام فرائض کو سستی و غفلت سے ادا کرنا بہتر و غنیمت سمجھتے ھیں ۔ اور روز عاشورہ ، شب برات ، اور ماہ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انھوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے ۔ بڑا اہتمام کرتے ھیں اور نوافل کو بڑے اہتمام کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ھیں ۔ اور اسے بہتر و مستحسن خیال کرتے ھیں ۔ حالانکہ یہ شیطان کے مکر و فریب ھیں ۔ نوافل کو با جماعت ادا کرنا اور فرض کی جماعت

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۰۷ بنام مرزا حسام الدین احمد

۲ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۱۰ بنام ملا شکیبی اصفہانی

کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے ۔ ایسا امر مطلق طور پر مکروہ ہے ۔ دو سے زیادہ آدمی نوافل باجماعت ادا کریں ۔ مکروہ ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت مکروہ ہے ۔ ماہ رمضان کے سوا نوافل با جماعت مکروہ ہیں ۔ مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے ۔ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو نیک و بہتر سمجھنا اس سے ایک درجہ کم ہے ۔ ادائے نوافل کی بنیاد اخفا پر ہے کہ ریا کا گمان نہ گزرے ۔ لہٰذا جماعت مکروہ ہے ۔ فرائض کے ادا کرنے میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے ۔ اس لئے انہیں با جماعت ادا کرنا ضروی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام کے والیوں اور قاضیوں کو چاہئے کہ اس اجتماع سے منع کریں ۔ تاکہ اس سے فتنہ پیدا نہ ہو اور یہ بدعت جڑ سے اکھڑ جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘ ۔[۱]

’’اگر کوئی بات سنت اور بدعت کے درمیان پڑتی ہو ۔ تو سنت سمجھ کر اسے پورا کرنے کی نسبت اسے بدعت سمجھ کر ترک کر دینا بہتر ہے ۔ یوں بدعت میں ضرر کا احتمال ہے اور سنت میں نفع کی امید ۔ ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کردینا چاہئے ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘ ۔[۲]

قصبۂ سامانہ کے خطیب نے عیدالاضحیٰ کے خطبے میں خلفائے راشدین رض کا ذکر نہیں کیا تھا ۔ آپ نے اس شہر کے سادات اور قاضیوں کو ذیل کی فہمائش کی ہے ۔ جس سے آپ کے مزاج کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۸۸ بنام سید امین سارنگپوری

۲ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۱۳ بنام خواجہ محمد ہاشم رح

''خلفائے راشدین رض کا ذکر اگرچہ خطبے کی شرائط میں سے نہیں ہے ۔ لیکن اہل سنت کا شعار ہے ۔ جس شخص کا دل پلید ہو وہی ارادۃ اسے ترک کر سکتا ہے ۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب سے ترک نہیں کیا ۔ تاہم تہمت کے ظن سے کس طرح بچ سکتا ہے ۔ اس کے ساتھ سختی کرنی چاہئے تھی . . . . '' ۔[۱]

''بعض لوگوں نے شریعت کی صورت کے پابند ہوکر اس کی حقیقت سے انکار کیا اور صرف ھدایہ اور بزوری کو اپنا مقتدا سمجھا ہے ۔ بعض لوگ حقیقت کے گرفتار ہوئے لیکن انہوں نے اسے شرع کی حقیقت نہ جانا ۔ بلکہ شرع کو صورت پر موقوف رکھا اور پوست خیال کیا اور مغز کو اس کے سوا کچھ اور خیال کیا ۔ اس لئے اس اصل کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے اور متشابہات کا کچھ حصہ حاصل نہ کر سکے ۔ پس علمائے راسخین ہی ابنیاء کے وارث ہیں . . . . '' ۔[۲]

آپ نے کلمہ طیبہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ۔ ''ولایت کو طہارت یعنی وضو کی طرح سمجھنا چاہئے اور شریعت کو نماز کی طرح ، طریقت اور حقیقت میں تمام نجاستیں دور ہو جاتی ہیں ۔ تاکہ کامل طہارت کے بعد شرعی احکام کی بجاآوری کے لائق ہو جائیں اور اس نماز کے ادا کرنے کی لیاقت حاصل ہو جائے ۔ جو مومن کی معراج اور قرب کی نہایت ہے . . . . '' ۔[۳]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۵

۲ - مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۸ بنام شیخ جمال ناگوری

۳ - ایضاً مکتوب ۴۶ بنام مولانا حمید الدین بنگالی

"ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہوجائے۔ خواہ کسی طرح ہو۔ نہ یہ کہ نفی اثبات کا ذکر یا اسم ذات کی تکرار پر ہی ذکر منحصر ہے۔ اوامر کا بجالانا ، اور نواہی سے دوری اختیار کرنا ذکر ہی میں داخل ہے۔ حدود شرعی کو مدنظر رکھ کر خرید و فروخت کرنا بھی ذکر ہی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ شرعی احکام کا بجالانا شارع علیہ السلام کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہے اور یہ محبت اسم و صفت کے ذکر پر موقوف ہے۔ پس پہلے یہ ذکر کرنا چاہئے تا کہ دوسرا ذکر (احکام کی بجا آوری) حاصل ہو جائے۔ ۔ ۔ ۔" ۔[۱]

ہم آخر میں عقائد کے زیر عنوان فصل دوم میں جناب مجدد الف ثانی رح کا وہ مکتوب درج کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے مخدوم زادوں خواجہ عبد اللہ رح اور خواجہ عبید اللہ رح کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کے دیکھنے سے مسائل کلامیہ کے بارے میں جناب کی رائے معلوم ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دل میں شریعت کے احکام کو ان کی صحیح صورت میں پیش کرنے کی کتنی تمنا تھی۔

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴۶

فصل دوم

عقائد اہل سنت

...''اول فرض ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہل سنت و الجماعت کے عقائد کے موافق درست کریں - بعض ان عقائد کا بیان کیا جاتا ہے جن میں کسی قدر پوشیدگی ہے -

پہلا :- اللہ تعالیٰ و تقدس بذات خود موجود ہے - تمام اشیاء اس کی ایجاد سے موجود ہیں اور وہ اپنی ذات ، صفات اور افعال میں یگانہ ہے ، اور کسی وجودی یا غیر وجودی امر میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے - اس کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہیں اور انہیں ممکنات کی صفات و افعال سے کوئی مناسبت نہیں - مثلاً صفت علم ، حق تعالیٰ کی ایک قدیم اور حقیقی بسیط صفت ہے - جس میں کثرت و تعداد کو ہرگز دخل نہیں ہے ، اگرچہ وہ تعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہی ہو - وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے - کہ جس سے ازل و ابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں - تمام اشیاء کو ان کے مناسب و مخالف احوال کے ساتھ وہ کلی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوصہ اوقات کے ساتھ آن واحد بسیط میں جانتا ہے - یعنی اسی آن واحد میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی ، تخلیق کی ابتدا میں اور بچپن میں بھی ، جوان بھی ، بوڑھا بھی ، زندہ بھی ، مردہ بھی ، قائم بھی ، اور بیٹھا ہوا بھی ، حالت آرام میں بھی اور لیٹا ہوا بھی ، ہنستا ہوا بھی اور روتا ہوا بھی ،

برزخ میں بھی ، حشرات میں بھی ، جنت میں بھی جانا ہے ، تعلق کا تعدد بھی اس مقام میں معدوم ہے ۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد اوقات کا تعدد اور زمانوں کی کثرت چاہتا ہے اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے ۔ حق تعالیٰ پر زمانہ ، تقدیم اور تاخیر کے احکام نہیں لگائے جا سکتے ۔ پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات سے تعلق ثابت کریں ۔ تو وہ ایک ہی ہوگا اور تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہوگا جس کی کیفیت معلوم نہیں اور صفت علم کی طرح بے چون ہے ۔ ہم اس اشکال کو ایک مثال دے کر دور کرتے ہیں ۔ ایک شخص ایک وقت میں کلمہ کو اُس کی مختلف اقسام اور متضاد احوال و اعتبارات کے ساتھ جان سکتا ہے ۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم ، فعل ، حرف ، ثلاثی ، رباعی ، معرب ، مبنی ، متمکن ، غیر متمکن ، متصرف ، غیر متصرف ، معرفہ ، نکرہ ، ماضی ، مستقبل ، امر اور نہی جان لے ، بلکہ اگر وہ شخص یوں کہے کہ میں کلمہ کی تمام اقسام کو کلمے کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو بھی جائز ہے ۔ جب ممکن کے علم بلکہ دید میں اضداد کا اجتماع متصور ہے ۔ تو پھر واجب الوجود کے علم میں یہ بات کیسے بعید ہو سکتی ہے ۔ اس جگہ اگرچہ بظاہر جمع ضدین ہے فی الواقعہ ضدیت نہیں ہے ۔ کیونکہ ہر چند زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سن ہجری کے بعد ہے اور عدم سابق اس معینہ عرصے سے پہلے اور عدم بعید کا وقت اس کے بعد ہے ۔ پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کے تغیر کے باعث کوئی ضدیت نہیں ہے ۔

یعنی حق تعالیٰ کا علم جزئیات کے ساتھ تغیر کی آمیزش سے پاک ہے اور اس صفت میں حدوث کا امکان نہیں ہے ۔ جیسا کہ فلسفیوں نے خیال کیا ہے ۔ کیونکہ تغیر اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو اور سب کو آن واحد میں جان لے تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش کہاں ہے ۔ لہٰذا اس کے واسطے تعلقات متعددہ کے ثابت کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے ۔ کہ تغیر و حدوث کو ان تعلقات سے متعلق کرکے صفت علم سے اس تغیر کو دور کر سکیں ۔ جیسا کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے کیا ہے ہاں اگر معلومات کی جانب میں (آپس میں) تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو یہ ہو سکتا ہے ۔

اس طرح وہ ایک ہی بسیط کلام سے ازل سے ابد تک گویا ہے ، امر ، نہی ، اعلام ، استعلام سب وہیں سے ہے ۔ تمنیٰ بھی وہیں سے ہے ۔ تمام منزلہ کتابیں اور صحیفے اس کلام بسیط کا ایک ورق ہیں ۔ توریت ہے تو وہیں سے ہے اور انجیل ہے تو وہیں سے اس نے لفظی صورت حاصل کی ہے اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے فرقان ہے تو وہیں سے نازل ہوا ہے ۔ واللہ کلام حق کہ علی الحق یکیست وبس ، ہاں نزول میں مختلف آثار پیدا ہیں ۔

اور اس طرح ایک ہی فعل سے اول سے لیکر آخر تک مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں و ما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر (ہمارا امر آنکھ جھپکنے کی طرح ایک ہی ہے) میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ زندگی ، موت ، انعام ، ایلام ، ایجاد ، اعدام وغیرہ اسی فعل سے معرض وجود میں ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہوتا ۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اولین اور

آخرین مخلوقات اپنے اپنے وجود کے متعینہ وقتوں میں ظاهر هو رهی هیں - یہ تعلق بھی اس کے فعل کی طرح بے چون ھے - کیونکہ چون کو بے چون کی جانب کوئی راہ نہیں - اشعری نے چونکہ حق تعالیٰ کے فعل کی حقیقت کی اطلاع نہ پائی - اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا - اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا - اور یہ نہ جان سکا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار هیں - نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال -

بعض صوفیہ نے جو تجلی افعال ثابت کی ھے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں اس واحد جل شانہ ، کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا وہ بھی اس قبیل سے ھے یعنی وہ تجلی در حقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلی ھے نہ کہ اس کے فعل کی تجلی ، کیونکہ اس کے فعل کے لئے جو بے چون ، قدیم اور اس ذات کے ساتھ قائم ھے - اور جس کو کہ تکوین کہتے هیں - محدثات کے آئینوں میں اس کی گنجائش نہیں ھے - اور مظاهر میں اس کا ظہور نہیں ھے -

در تنگنائے صورت معنی چگو نہ گنجد
در کلبہ گدایاں سلطان چہ کار دارد

افعال و صفات کی تجلی اس فقیر کے نزدیک ذات کی تجلی کے سوا نہیں ھے - کیونکہ افعال و صفات اس کی ذات سے الگ نہیں هیں کہ ان کی تجلی ذات کی تجلی سے علٰحدہ تصور کی جائے اور جو چیز حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ھے وہ اس کی صفات اور افعال کے ظلال هیں - جن کی تجلی کو افعال و صفات کی تجلی نہیں کہنا

چاھئے - بلکه ان کے ظلال کی تجلی کہنا چاھئے - لیکن ھر شخص کا فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتا - ذلک فضل الله . . .

دوسرا عقیدہ :- الله تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا - اور نه ھی کوئی شے اس میں حلول کرتی ھے وہ تمام اشیاء کو محیط ھے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ھے - اس قرب و معیت کے مفہوم و ماھیت سے ھم قاصر ھیں اور جو کچھ کشف و شہود سے معلوم ھوتا ھے - وہ اس سے بھی منزہ اور پاک ھے - ممکن کو اس کی ذات و صفات و افعال کی حقیقت سے نادانی اور حیرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ھے - غیب کے ساتھ ایمان لانا چاھئے اور جو کچھ مکشوف و شہود ھو اس کو لا کے نیچے لانا چاھئے -

تیسرا عقیدہ :- الله تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ھوتا - اور نه ھی کوئی چیز اس سے متحد ھو سکتی ھے - جو کچھ صوفیه کی عبارات سے مفہوم ھوتا ھے اور جس سے اتحاد کا وھم گذرتا ھے یعنی اذا تم الفقر فھو الله - اس کے معنی یه ھیں که جب فقر تمام ھو جاتا ھے تو اس وقت الله تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رھتا - نه یه که فقیر خدا سے مل کر خدا بن جاتا ھے - کیونکه یه کفر و زندقه ھے - تعالیٰ الله سبحانه ، عما یتوھم الظالمون علوا کبیرا ، حضرت خواجه قدوس سرہ رح فرمایا کرتے تھے - که انا الحق کے معنی یه نہیں ھیں - که میں حق ھوں - بلکه یه ھیں که میں نہیں اور حق موجود ھے -

چوتھا عقیدہ :- الله کی ذات و صفات و افعال میں تغیر و تبدل نہیں ھے - صوفیه کے تنزلات خمسه مرتبه وجوب میں تغیر و تبدل

کو ظاہر نہیں کرتے ۔ کیونکہ یہ تو کفر و گمراہی ہے ۔ بلکہ یہ تنزلات حق تعالیٰ کے کمالات کے ظہوری مراتب کا ذکر ہے ۔ بغیر اس امر کے کہ اس کی ذات و صفات و افعال میں کوئی تغیر ہوتا ہو ۔

پانچواں عقیدہ :۔ حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات و افعال میں بھی غنی مطلق ہے اور کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں ہے ۔ جس طرح وجود میں محتاج نہیں ۔ اس طرح ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے ۔ بعض صوفیہ کی عبارتوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے ۔ کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی اور صفائی ظہور میں ہمارا محتاج ہے یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے ۔ بلکہ یہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش کا مقصد ان کے اپنے کمالات کا ظہور و حصول ہے ۔ کہ ذات کے کمالات ۔ و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون سے یہی مفہوم ہوتا ہے ۔ حدیث قدسی فخلقت الخلق لاعرف (میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا کہ پہچانا جاؤں) اس جگہ مراد مخلوق کا حق کو پہچاننا ہے اور اس معرفت سے خدا کے لئے کوئی کمال حاصل نہیں ہوتا ۔

چھٹا عقیدہ :۔ اللہ نقصان کی تمام صفتوں اور جسمانی، مکانی اور زمانی حدوث کے نشانوں سے منزا ہے ۔ اس کے لئے کمال کی صفات ثابت ہیں جن میں سے آٹھ صفات ذات تعالیٰ کے وجود پر وجود زائد کے طور پر موجود ہیں ۔ حیات ، علم ، قدرت ، ارادت ، بصر ، سمع ، کلام ، تکوین ، اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں ۔ اس طرح نہیں کہ ان کا وجود زائد علم میں موجود ہے اور خارج میں نفس ذات میں ۔ جیسا کہ صوفیہ وجودیہ نے کہا ہے ۔ اس طرح تو صفات کی نفی ہوتی ہے ۔

ساتواں عقیدہ :۔ حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اس کے سوا کوئی قدیم اور ازلی نہیں اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کے برعکس کہنے والا کافر ہے ۔ امام غزالیؒ نے ابن سینا اور فارابی کی اس واسطے تکفیر کی کہ وہ عقول و نفوس کو قدیم کہتے تھے اور صورت و ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان کرتے تھے اور آسمانوں کو ان اشیاء کے ساتھ جو ان میں ہیں قدیم سمجھا ہے ۔ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کاملین کے ارواح کے قدم کا قائل ہوا ہے ۔ اس بات کی تاویل کرنی چاہئے ۔ تا کہ ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو ۔

آٹھواں عقیدہ :۔ حق تعالیٰ قادر مختار ہے ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے پاک ہے ۔ فلاسفہ نے نادانی سے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ کے اختیار کی نفی کی ہے اور ایجاب کو ثابت کیا ہے ۔ بے وقوفوں نے واجب‌الوجود کو معطل اور بے کار سمجھا ہے سوائے ایک مصنوع کے جو ایجاب سے ہے ۔ زمین و آسمان کے خالق سے اور کوئی شے نہیں مانی اور حوادث کے وجود کو عقل فعال سے نسبت دی ہے جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ لہذا اضطراب کے وقت عقل فعال سے التجا کرتے اور حق تعالیٰ سے رجوع نہ ہوتے ۔ ان بد بختوں نے آسمانوں اور ستاروں کا مدارکار ان کی اپنی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے اور آسمانوں کے خالق ، ستاروں کے موجد اور محرک و مدبر کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں ۔ جو شخص انہیں دانا سمجھتا ہے وہ بہت ہی احمق ہے ۔ علم طب ، نجوم اور علم تہذیب الاخلاق جو ان کے علوم میں سے

بہتر علم ہے ۔ یہ گذشتہ انبیائے کرامؑ کی کتابوں سے چرا کر اپنایا ہے جیسے کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ ' المنقذ عن الضلال ' میں اس کی تصریح کی ہے ۔ اھل اسلام اور انبیاءؑ کے تابعدار دلائل کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ھیں ۔ ورنہ تقلید ھی ان کے لئے کافی ہے . . . . شیخ ابن عربیؒ کی بعض عبارتیں بھی ایجاب کی طرف مائل ھیں عجیب معاملہ ہے ۔ شیخ مقبولوں سے نظر آتا ہے لیکن اس کے اکثر علوم اھل حق کے مخالف ھیں ۔ شاید خطائے اجتہادی کی طرح اس کی خطائے کشفی سے در گزر کی گئی ہے ۔ بعض لوگ شیخ کو ملامت کرتے ھیں اور بعض اس کے علوم کو تمامتر درست کہہ کر دلائل سے انہیں ثابت کرتے ھیں یہ دونوں افراط و تفریط کے شکار ھیں ۔ فقیر کے نزدیک شیخ مقبولوں سے ہے ۔ خطائے کشفی کے باعث اس کی تردید نہیں ہو سکتی اور اس کے علوم جو صواب سے دور ھیں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ بہت سے لوگ مسئلہ وجود میں شیخ کے ھم نوا ھیں ۔ اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی خاص طرز رکھتا ہے ۔ فقیر نے اس مسئلے کا حل شرح رباعیات (حضرت ایشاں قدس سرہ) میں کیا ہے ۔

نواں عقیدہ :— ممکنات ، کیا جواھر ، کیا اعراض ، کیا اجسام ، کیا عقول ، کیا نفوس ، کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادر مطلق کی ایجاد سے منسوب ہے ، اس کی بقا بھی اس سے متعلق ہے ۔ اس نے اسباب و وسائل کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لئے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ بنایا ہے ، جن کی بصیرت انبیائے کرام کی متابعت سے

روشن ہے ۔ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل حقیقت میں جماد محض
ہیں ۔ وہ کس طرح دوسرے وجودوں میں جو انہی کی طرح جماد
ہیں تاثر کر سکتے ہیں اور ان میں اختراع و تاثیر کیسے پیدا
کر سکتے ہیں ۔ بلکہ ان کے سوا قادر مطلق ان کو ایجاد کرتا ہے
اور ہر ایک کے لائق کمالات اسے دیتا ہے ۔ جس طرح عقلمند جماد
محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل کی طرف سراغ لگاتے ہیں
کہ اس جماد میں یہ لیاقت نہیں ہے ۔ پس جماد کا فعل فاعل حقیقی
کے فعل کا روپوش ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی جمادت کی طرف
نظر کرنے سے اس کا وہ فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلیل ہے ۔
لیکن جو نادان اس جماد کو صاحب قدرت سمجھے وہ اس فعل کو
فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش کہے گا اور فاعل حقیقی کا انکار
کرے گا ۔ یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے ۔ ہر ایک کی فہم
یہاں تک نہیں پہنچ سکتی ۔ اکثر لوگ اسباب کے رفع کرنے میں
کمال جانتے ہیں اور اشیاء کو ابتدا ہی سے اسباب کے ذریعے کے
بغیر حق سبحانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ
اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہونا ہے جس میں کئی
مصلحتیں ہیں ۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً

انبیائے کرام اسباب کو مدنظر رکھتے آئے ہیں اور اس
کے باوجود اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے رہے ہیں ۔ حضرت
یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو بد نظری کے خیال سے فرمایا کہ مصر
میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور اس رعایت کے ساتھ ہی
اپنے امر کو اللہ کے سپرد کرکے اللہ پر توکل کا اظہار فرمایا جسے
اللہ نے اسے صاحب علم کہہ کر پسند فرمایا ۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ

پیغمبر اسلامؐ کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ یا یھاالنبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (اے نبی کریمؐ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں) ۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اسباب میں تاثیر بھی پیدا کر دے اور بعض دفعہ نہ کرے۔ جیسا کہ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی اسباب پر نتائج نکلتے ہیں اور کبھی نہیں۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہئے اور اس تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہئے۔ فقیر کی یہی رائے ہے۔

دسواں عقیدہ :- حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور دونوں کے پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی اور شر سے راضی نہیں۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک نہایت باریک فرق ہے جس کی طرف اہل سنت والجماعت کی اللہ نے رہنمائی کی ہے۔ معتزلہ بندے کو اپنے افعال کا خالق کہتا ہے۔ ابن عربیؒ کے نزدیک جس طرح ایمان اور اعمال صالحہ اسم الھادی کے پسندید ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔ یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف مائل ہے۔ جو رضا کا منشا دیتی ہے۔ اللہ نے بندوں کو قدرت اور ارادہ دیا ہے۔ جس سے اپنے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا اس کی طرف سے ہے اور کسب بندوں کی طرف ، اللہ کی عادت یوں ہی ہے۔ کیونکہ بندہ پہلے اپنے فعل کا قصد کرتا ہے پھر اللہ اس فعل کو پیدا کرتا ہے چونکہ فعل بندہ کے قصد و اختیار سے ہوتا ہے۔ اس لئے مدح و ذم ، ثواب و عذاب بھی اسی سے متعلق ہو جاتا

ہے ۔ اس کی حکمت بالغہ کی رو سے کفر کی سزا ہمیشہ کا عذاب اور
ایمان کی جزا دائمی نعمت و لذت ہے ، بعض مشائخ رح نے فرمایا ہے
کہ بہشت میں داخلہ اللہ کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے
ساتھ اسے وابستہ کرنا اس لئے ہے کہ اعمال کی جزا زیادہ لذیذ ہوتی
ہے ۔ فقیر کے نزدیک بہشت کا داخلہ ایمان سے وابستہ ہے ۔ لیکن
ایمان حق تعالیٰ کا فضل و عطیہ ہے ۔ دوزخ میں داخل ہونا کفر
پر منحصر ہے اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے ۔
ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک ۔ بہشت
میں داخلہ کے لئے ایمان کی وابستگی ایمان کی تعظیم کے لئے ہے ۔
بلکہ جس کے ساتھ ایمان لایا ہے اس کی تعظیم ہے اور دوزخ کا
داخلہ کفر کی حقارت اور جس کا انکار کیا تھا اس کی فضیلت کے
اظہار کے لئے ہے ۔

گیارھواں عقیدہ :۔ آخرت میں مومن اللہ تعالیٰ کو بے جہت
و بے کیف ، بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھینگے ۔ یہی اہل حق
کا عقیدہ ہے ۔ ابن عربی رح اس دیدار کو تجلی صوری کی حالت میں
بیان کرتا ہے ۔ اگرچہ یہ تجلی صوری دنیا کی صوری تجلیات سے جدا
ہے تاہم حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے ۔ ایسا کہنا دیدار سے انکار
کرنا ہے ۔ اگر معتزلہ دیدار کو مرتبہ تنزیہ میں مقید نہ کرتے ۔
اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے تو ہرگز دیدار کا انکار نہ کرتے ۔

بارھواں عقیدہ :۔ انبیائے کرام ؑ کی بعثت رحمت ہے ۔ ورنہ
حق کی پہچان اور اس کی مرضی کا جاننا ممکن ہی نہ ہوتا ۔ عقل
اگرچہ حجت ہے لیکن نا تمام ہے اور مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی
ہے ۔ انبیائے کرام ؑ کی بعثت حجت بالغہ ہے جس کے ذریعے نقص و کمال

کا علم ہوتا ہے اور حق باطل سے جدا ہوتا ہے ۔ عقل انسانی
مرتبہ وجوب کے ساتھ بے تکیف مناسبت پیدا کر بھی لے تاہم اسے
پورا پورا تجرد نہیں مل سکتا ۔ واھمہ ، متخیلہ ، قوت غضبی اور
شہوی ہمیشہ اس کی دوست رہتی ہیں ۔ حرص و شر اس کے دامن کو
نہیں چھوڑتیں ۔ سہو و نسیان جو نوع انسان کا لازمہ ہے اس سے دور
نہیں ہوتے ۔ خطا و غلطی جو اس جان کا خاصہ ہے اس سے جدا نہیں
ہوتے ۔ پس عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے ۔ اس کے ماخوذہ احکام
وہم کے غلبہ اور خیال کے تصرف سے نہیں بچ سکتے ۔ بر خلاف
فرشتہ کے کہ وہ ان رذائل سے پاک ہے اور یوں قابل اعتماد ہے ۔
بعض اوقات ان علوم میں جو روحانی القاء سے اخذ کئے جاتے ہیں
محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تبلیغ کے دوران میں قویٰ و حواس کے
ساتھ بعض مسلمہ مقدمات جو صدق پر مبنی نہیں ہوتے اور وہم و خیال
کے ذریعے سے حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں ۔ بے اختیار ان
علوم میں ایسے مل جاتے ہیں کہ اس وقت ان کی تمیز ہر گز نہیں
ہو سکتی بعد میں کبھی اس کا علم ہو جاتا ہے کبھی نہیں ہوتا ۔
پس وہ علوم اس ملاوٹ کی وجہ سے کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے
ہیں اور اعتماد کے قابل نہیں رہتے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تصفیہ
اور تزکیہ کا حاصل ہونا ان اعمال صالحہ پر موقوف ہے ۔ جو اللہ
کو پسند ہیں اور جن کا علم بعثت پر موقوف ہے ۔

پس ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ و تزکیہ کی حقیقت
حاصل نہیں ہوسکتی اور وہ صفائی جو کافروں اور فاسقوں کو
میسر ہوتی ہے ۔ وہ نفس کی صفائی ہے ۔ قلب کی صفائی نہیں ۔ نفس
کی صفائی سے سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس

طرح امور غیبی کا کشف استدراج ہے - جس سے مقصود ان کی خرابی ہے - بعثت سراسر رحمت ہے اور تکالیف شرعیہ اللہ کے شکر کی ادائی کے لئے ہیں - جو بڑا منعم ہے - شرعی احکام نہ ہوتے تو ہر کوئی اپنی مرضی کرتا اور نظام درہم برہم کر دیتا - اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے - جو چاہے کرے اسے اختیار ہے - انبیائے کرامؑ سے اجتہادی غلطی ہوجایا کرتی ہے - مگر اس پر وہ برقرار نہیں رہتے - بلکہ اللہ کی طرف سے اس کی فوراً اصلاح ہوجاتی ہے -

تیرھواں عقیدہ :- قبر کا عذاب کافروں اور بعض گنہگار مومنوں کے لئے حق ہے - مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے -

چودھواں عقیدہ :- قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر و نکیر کا سوال کرنا حق ہے - قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے - اس کا عذاب ایک جہت سے دنیاوی عذاب جیسا ہے اور منقطع ہوجاتا ہے اور ایک لحاظ سے آخرت کے عذاب سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کی قسم سے ہے -

پندرھواں عقیدہ :- روز قیامت حق ہے اس دن تمام اشیاء معدوم اور ناچیز ہوجائیں گی - صور کی پہلی آواز پر ہر شے تباہ ہوجائے گی اور دوسری پر قبروں سے اٹھیں گے اور محشر میں جائیں گے - فلاسفہ آسمانوں وغیرہ کو ازلی و ابدی جانتے ہیں - اس کے باوجود ان ھی سے متاخرین اپنے آپ کو اھل اسلام سے شمار کرتے ہیں - حالانکہ یہ لوگ نص قطعی کے منکر اور اجماع انبیائےؑ سے انکاری ہیں - صرف کلمہ شہادت کا منہ سے بول دینا اسلام میں کافی

نہیں ہے ۔ بلکه ان تمام چیزوں کی تصدیق لازمی ہے ۔ جن کا بجا لانا دین کی ضروریات سے ہے ۔ کفر اور کافری سے بریت ظاہر کرنا بھی ضروری ہے تا کہ اسلام ثابت ہو جائے ۔

سولہواں عقیدہ :۔ حساب ، میزان ، پل صراط سب حق ہیں ۔ مخبر صادقؐ نے ان کی نسبت خبر دی ہے ۔ ایسے امور کا بعید از عقل ہونا اعتبار سے ساقط ہے ۔ عقل بیچاری کی دسترس ان تک کہاں ہے ۔

سترھواں عقیدہ :۔ بہشت و دوزخ موجود ہیں ۔ ابن عربیؒ کہتا ہے که سب کا انجام رحمت پر ہے ۔ ان رحمتی وسعت کل شی ۔ اور یوں کفار کے لئے عذاب تین حقبه تک ثابت کرتا ہے ۔ جس کے بعد آگ ان کے حق میں برد اور سلام کی صورت اختیار کرلے گی ۔ جیسے دنیا میں حضرت ابراهیمؑ پر ہوگئی تھی ۔ شیخ اس مسئله میں بھی صواب سے دور ہے ۔ اس نے یه نہیں جانا که مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت کی وسعت صرف دنیا میں مخصوص ہے ۔ آخرت میں کافروں کو اس کی بو تک نہیں پہنچے گی ۔ انه لا ییئس من روح الله الاالقوم الکافرون ۔ (میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی نا امید نہیں ہوگا) رحمتی وسعت کل شی کے بعد فرمایا ہے ۔ فسا کتبها للذین یتقون و یوتون الزکوٰۃ و الذین هم بایٰتنا یومنون ۔ یه رحمت ان لوگوں کے لئے مرقوم ہے ، جو متقی ہیں ، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں ۔ شیخ نے آیت کے آخری حصے پر عمل نہیں کیا ہے ۔ ان رحمت الله قریب من المحسنین ، شیخ کا یه کشف خطا پر مبنی ہے اور اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے ۔

اٹھارھواں عقیدہ :۔ فرشتے اللہ کے بندے ھیں ۔ گناھوں سے پاک اور خطا و نسیان سے محفوظ ھیں ۔ ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس لئے ھے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے بزرگ مانا گیا ھے ۔ ورنہ یہ زن و مرد ھونے سے پاک ھیں ۔ اللہ نے اپنے لئے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ھے ۔ فرشتوں میں سے بعض دولت رسالت سے مشرف ھیں ۔ تمام اھل حق اس امر پر متفق ھیں ۔ کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ھیں ۔ امام غزالیؒ ، امام الحرمینؒ ، ابن عربیؒ خاص فرشتوں کو خاص انسانوں سے افضل کہتے ھیں ۔ اس فقیر پر جو ظاھر کیا گیا ھے وہ یہ ھے کہ فرشتہ کی ولایت بنی علیہ الصلوٰۃ و اسلام کی ولایت سے افضل ھے ۔ لیکن نبوت اور رسالت کے درمیان نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ھے ۔ جہاں فرشتے کی رسائی نہیں ھے ۔ وہ درجہ عنصر خاک کی راہ سے ظاھر ھوا ھے ۔ جو انسان کے ساتھ مخصوص ھے ۔ نیز کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں ھیں ۔ ان میں قطرہ و دریا کی بھی نسبت نہیں ۔ پس جو زیادتی راہ نبوت سے حاصل ھو وہ راہ ولایت والی زیادتی سے کئی گنا بڑھکر ھے ۔ پس افضلیت مطلق انبائے کرامؑ کے لئے ھے اور فضل جزئی ملائکہ کے لئے ھے ۔ پس بہتر وھی ھے جو جمہور علما نے کہا ھے ۔ کوئی ولی کسی نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اس کا سر ھمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ھوتا ھے ۔ جن مسائل میں علما اور صوفیا کا اختلاف ھے ۔ غور کرنے پر حق علما کی طرف معلوم ھوتا ھے ۔ اس لئے کہ ان کی نظر انبیاء کی متابعت کی بدولت نبوت کے کمالات و علوم سے نورانی ھے اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات سے مستنیر ھے ۔ پس فرق واضع ھے ۔

انیسواں عقیدہ :۔ تمام دینی امور جو ضرورت اور تواتر کے طور پر ہم تک پہنچے ہیں ۔ ان پر ایمان لانا تصدیق قلبی سے مراد ہے ۔ اقرار زبانی کو بھی ایمان کا رکن کہا ہے ۔ لیکن بے تمکین ہے ۔ کفر کے خصائص ، عادات و رسومات سے بریت اور بیزاری کا اظہار لازمی ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول ص کی دوستی ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کرنے پر منحصر ہے ۔ ضرر کے ڈر کے وقت دل سے ورنہ دل اور عمل دونوں سے چاہئے ۔ ابراھیم خلیل ع کی عظمت اللہ کے دشمن سے بیزاری کرنے سے ہے ۔ دوزخ کا دائمی عذاب اللہ کی ذات کے انکار سے ہے ۔ دوسرے برے افعال صفات سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور ذاتی عداوت کی نسبت نہیں رکھتے ۔ اس واسطے کفر کی سزا دائمی جہنم ہے اور رحمت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے ۔ عداوت ذاتی کو دور نہیں کر سکتی ۔ کافروں کے لئے دنیا میں رحمت ان کے حق میں استدراج ہے اور وہ آہستہ آہستہ جہنم کی طرف گھسیٹے جا رہے ہیں ۔ جو مومن ذرہ بھر بھی ایمان سلامت لے گیا اسے دائمی عذاب نہیں ہو گا چاہے وہ کفر کی رسمیں بجالاتا رہا ہو ۔ یہ ایمان کے ایک ذرے کی برکت ہے ۔ ان کے لئے عذاب موقت ہے لہذا ان کا جنازہ پڑھنا چاہئے ۔ جن کے گناھوں کا توبہ ، دنیا کی تکالیف ، سکرات موت سے کفارہ نہ ھوسکا ھو ۔ انہیں قبر کی تکلیفوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے ۔ اگر گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو ان کبیرہ گناھوں کی پاداش میں جہنم میں ڈالا جائے گا ۔ تا آنکہ ان کے گناھوں کا کفارہ ھو جائے گا ۔

ایمان کے کم و بیش ھونے میں علماء کا اختلاف ہے ۔ امام اعظم رح کے نزدیک اس میں کمی بیشی نہیں ھوتی ہے اور امام

شافعیؒ کے نزدیک ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے ۔ قلبی ایمان کے
یقین کو اعمال صالحہ روشن بناتے ہیں ۔ اس لئے اس نورانیت کی
کمی و بیشی کی رو سے ایمان کی کمی و بیشی سے موصوف کر کے
غیر متجلی (کم روشن) ایمان کو ناقص کہہ دیا ۔ فی الواقع ایمان
کی ذات میں جو قلبی یقین کا نام ہے ۔ کوئی فرق نہیں ہے عام مومنوں
کا ایمان انبیائے کرام کے ایمان کی طرح نہیں کیونکہ ان کا ایمان
زیادہ نورانی ہے اور عام مومنوں کا ایمان ان کے درجات کے مطابق
بہت ہی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے ۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا
ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے اسے انجلا اور نورانیت
کے اعتبار سے سمجھنا چاہئے اور زیادتی کو صفات کاملہ کی رو
سے تصور کرنا چاہئے ۔ انبیائے کرامؑ نفس انسانیت میں تمام لوگوں
کے ساتھ برابر ہیں ۔ حقیقت اور ذات میں سب باہم متحد ہیں ۔ ایک
کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے جس میں
یہ صفات کاملہ نہیں وہ اس نوع سے خارج ہے ۔ لیکن باوجود اس فرق
کے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں
کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی اور نقصان کے قابل ہے ۔ اگر
تصدیق قلبی سے مراد تصدیق منطقی لی جائے تو اس طرح اس میں
ظن میں تخمین کی شمولیت کے باعث زیادتی اور نقصان کی گنجائش ہے
مگر صحیح بات وہی ہے جو پہلے بیان ہوگئی ۔ یعنی تصدیق کے معنی
یقین اور اذعان ہے ۔

بیسواں عقیدہ :۔ اولیاء اللہ کی کراسات حق ہیں اور ان کے
خرق عادات کے بکثرت وقوع کی وجہ سے ان کی یہ عادت مستمرہ ہو
گئی ہے ۔ کرامت کا منکر علم عادی اور ضروری کا منکر ہے ۔ نبی

کا معجزہ نبوت کے دعویٰ سے متعلق ہوتا ہے اور کرامت اس بات سے خالی ہے - بلکہ اس نبی کی متابعت کے اقرار کرنے کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے -

اکیسواں عقیدہ :- خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے - شیخین کی افضلیت صحابہؓ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے - ان کے درمیان جھگڑے نیک توجیہ پر محمول کرنے چاہیں -

"عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے فرض و واجب ، حلال و حرام ، سنت ، مشتبہ و مکروہ کا علم ہونا لازمی ہے اور اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے - فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھیں " -[۱]

آپ نے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۶۷ میں ان عقائد کا ایک طرح سے اعادہ فرمایا ہے - یہ مکتوب خان خانان کی طرف ہے اور اسے اس امر پر ترغیب دی ہے کہ کلمۂ حق کو بادشاہ کے کانوں تک پنچا دیں اور انھیں جو تبلیغ کا یہ موقع حاصل ہے ، اس کی قدر پہچانیں -

ان دنوں امامت کی بحث بڑے زوروں پر تھی اور اس طرح نور جہاں اور اس کے بھائی آصف خان کی بڑھتی ہوئی قوت کے باعث اہل سنت و الجماعت کے عقائد کو ٹھیس پہنچانے کے لئے امراء اور وزرا کی محفلوں میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی تھی - آپ نے اس کا سدباب کرنے کے لئے اور عام عقائد کی درستی کی خاطر جو کچھ کیا اس کا اندازہ آئندہ عنوانات کے مطالعے سے ہو سکتا ہے -

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۶۶

فصل سوم

خلفائے راشدین اور ان کے فضائل

''حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدیؐ کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام کے درجوں تک پہنچنے کے باوجود گذشتہ انبیاء کے درمیان ولایت کی طرف میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی طرف میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت ذی النورین (عثمان) رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام سے مناسبت رکھتے ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ چونکہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب سے ولایت کی طرف ان میں غالب ہے اور حضرت امیرؓ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی طرف غالب ہے اور خلفائے اربعہ کے تعینات کا مبادی جہتوں کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت علم ہے اور یہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رب ہے اور باعتبار تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کی رب ہے اور باعتبار اجمال و تفصیل کی برزخیت کے حضرت نوح علیہ السلام کی ' جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی رب صفت کلام ' حضرت عیسیٰ کی صفت قدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کی صفت تکوین ہے ۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدیؐ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیرؓ حضرت عیسیٰؑ کی مناسبت اور ولایت کی طرف سے غلبے کے باعث ولایت محمدیؐ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورینؓ کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو اطراف کے بوجھ اٹھانے والے فرمایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورینؓ کہیں چونکہ حضرت شیخین (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ) بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں اس لئے حضرت موسیٰؑ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ مقام دعوت جو مرتبہ نبوت سے پیدا ہوا ہے نبی کریمؐ کے بعد باقی تمام انبیا کے درمیان موسیٰؑ میں اتم و اکمل ہے - اور قرآن کے بعد ان کی کتاب تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے - اسی واسطے ان کی امت گذشتہ امتوں کے مقابلے میں زیادہ بہشت میں جائے گی - اگرچہ حضرت ابراھیمؑ کی شریعت اور ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے - اسی واسطے تمام پیغمبروں میں سے افضل پیغمبرؐ کو ابراھیمؑ کی ملت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے آیت ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا اس مضمون کی شاھد ہے - حضرت مہدی موعود جن کی رب بھی صفت علم ہے حضرت امیرؓ کی طرح حضرت عیسیٰؑ سے مناسبت رکھتے ہیں - گویا ایک قدم حضرت عیسیٰؑ کا حضرت امیرؓ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدیؓ کے سر پر ہے -

جاننا چاہئے کہ حضرت موسیٰؑ کی ولایت ولایت محمدیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ولایت کے دائیں طرف واقع ہے اور ولایت

عیسوی بائیں طرف ہے ۔ چونکہ حضرت امیرؓ ولایت محمدیؐ کے
حامل ہیں اس لئے مشائخ زادوں کے اکثر سلسلے ان سے منتسب
ہوتے ہیں ۔ حضرت امیرؓ کے کمالات حضرات شیخینؓ کے کمالات
کے مقابلے میں گوشہ نشین اولیاء پر جو کمالات ولایت سے مخصوص
ہیں زیادہ ظاہر ہوتے ہیں ۔ اگر شیخینؓ کی فضیلت پر اہل سنت
کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیرؓ کی
افضلیت کا حکم کر دیتا ۔ حضرت شیخینؓ کے کمالات انبیاءؑ کے
کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے دامن
تک نہیں پہنچتا اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کی بلندی
کے باعث نصف راہ میں رہ جاتا ہے ۔ ولایت کے کمالات ان کے
کمالات کے مقابلے میں راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہیں ۔
کمالات ولایت کمالات نبوت تک پہنچنے کے لئے زینے کے طور پر ہیں
پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مطالب کو مبادیات کا کیا
شعور ۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے اکثر لوگوں کو
ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے ۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ استاد ازل گفت ہماں سے گویم

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں
علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافقت ہے اور ان کے
اجماع سے اتفاق ہے ۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی کیا ہے
اور اجمال کو تفصیل کیا ہے ۔ اس فقیر کو اپنے پیغمبرؐ کی
متابعت کے باعث جب تک مقام نبوت کے کمالات تک نہ پہنچایا ۔
اور ان کمالات سے کامل حصہ نہ دیا تب تک شیخینؓ کے فضائل

پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی اور تقلید کے سوا کوئی راستہ پیش نظر نہ تھا ۔ الحمد للہ الذی ھدانا . . . .

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ھے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر مرقوم ھوگا ۔ دل میں گزرا کہ حضرات شیخینؓ کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ھوں گی ۔ توجہ تام کے بعد ظاھر ھوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ھونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ھوگا ۔ گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ھیں اور لوگوں کے داخل ھونے کی تجویز فرماتے ھیں اور حضرت فاروقؓ ھاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ھیں ۔ ایسا شہود ھوتا ھے جیسے تمام بہشت حضرت صدیقؓ کے نور سے لبریز ھے ۔

اس فقیر کی نظر میں ان کے لئے تمام صحابہؓ کے درمیان علاحدہ شان اور درجہ ھے ۔ گویا یہ کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے ۔ حضرت صدیقؓ نبی کریمؐ کے ساتھ ھم خانہ ھے فرق ھے تو صرف بلندی اور پستی کا ھے ۔ حضرت فاروقؓ بھی حضرت صدیقؓ کے طفیل اس دولت سے مشرف ھیں ۔ تمام صحابہ کرامؓ نبی کریمؐ کے ھم شہر ھونے کی نسبت رکھتے ھیں ۔ پھر اولیائے امت کا وھاں کیا دخل ھے ۔

اے بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

یہ لوگ کمالات شیخینؓ سے کیا حاصل کریں ۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی اور کلانی کے باعث انبیاء ھیں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ھیں ۔ حضرت نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے فرمایا ہے ۔ لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ ۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے ۔ کہ حضرت فاروقؓ کی ماتم پرسی کے ایام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کی مجلس میں کہا آج نو حصے علم اٹھ گیا اور اس کی مزید تشریح کے لئے کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ کہ علم حیض و نفاس ۔

حضرت صدیقؓ کی نسبت کیا بیان کیا جائے ۔ جب کہ حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر نہیں ۔ جیسے کہ محمد صادق صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے ۔ حضرت فاروقؓ کو جو کمی حضرت صدیقؓ سے ہے وہ اس کمی سے زیادہ ہے ۔ جو حضرت صدیقؓ کو جناب رسالت پناہؐ سے ہے ۔ پس قیاس کرنا چاہئے ۔ کہ دوسروں کا حضرت صدیقؓ سے انحطاط کتنا ہوگا ۔ حضرات شیخینؓ موت کے بعد بھی نبی کریمؐ سے جدا نہیں ہوئے ۔ ان کا حشر بھی یکجا ہوگا جیسے کہ فرمایا ہے پس ان کی افضلیت اقربیت کے باعث سے ۔ مجھ بے بضاعت کی کیا ہمت کہ ان کے کمالات کو بیان کروں ، ذرے کی کیا طاقت ہے کہ آفتاب کی بات کرے اور قطرے کی کیا مجال ہے کہ بحر عمان کی نسبت گفتگو کرے ۔

ان اولیا نے جو مخلوق کی دعوت کی طرف راجع ہیں اور ولایت و دعوت دونوں جہتوں سے حصہ رکھتے ہیں اور تابعین و تبیع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے نور سے اخبار صادقہ اور آثار کاملہ سے شیخینؓ کے کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کو جان کر ان کے افضل ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور اس پر اجماع ہے اور جو کشف اس کے خلاف ہے اسے رد کیا ہے

اور ایسے کشف کا کس طرح اعتبار کیا جائے جو صدر اول میں متعین کردہ ھیں ان کی فضلیت کو قبول نہ کرے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ھے کہ 'ھم نبی کریمؐ کے زمانے میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ سے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر آپؐ کے اصحاب میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے'۔ ابوداؤد سے بھی ایسی ھی روایت ھے۔

جنہوں نے کہا ھے کہ ولایت نبوت سے افضل ھے۔ وہ ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوع ھیں جنہیں کمالات نبوت سے زیادہ حصہ نہیں ملا ھوتا۔ فقیر نے اپنے رسائل میں اس امر کی تحقیق کی ھے کہ نبوت ولایت سے افضل ھے۔ خواہ وہ ولایت اسی نبی کی ھو اور یہی حق ھے اور اس کا مخالف کمالات نبوت کا شناسا نہیں ھے۔

اولیاء کے تمام سلسلوں میں سلسلہ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیقؓ سے منسوب ھے۔ صحو کی نسبت ان میں غالب ھے اور ان کی دعوت اتم ھے۔ حضرت صدیقؓ کے کمالات ان پر ظاھر ھوں گے۔ لہذا ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ھے۔ دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ ھے۔ یہ ولایت حضرت صدیقؓ سے منسوب ھونے کی وجہ سے کمالات نبوت سے وافرحصہ رکھتی ھے۔ چونکہ حضرت امیرؓ ولایت محمدیؐ کے حامل ھیں۔ اس لئے اقطاب و اوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ھیں اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ھے) کے مقام کی تربیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امداد و اعانت کے سپرد ھے۔ قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم کے نیچے ھے۔ وہ انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور سر انجام دیتا ھے اور مداریت سے عہدہ بر آ ھوتا

ہے ۔ حضرت فاطمہ رض اور امامین رض اس مقام میں حضرت امیر کے ساتھ شریک ہیں ۔

نبی کریم ص کے اصحاب رض سب کے سب بزرگ ہیں اور ان سب کو بزرگی کے ساتھ یاد کرنا چاہئے ۔ حضرت خطیب رض سے روایت ہے کہ نبی کریم ص نے فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے میرے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے رشتہ دار اور مددگار پسند فرمایا ۔ ان کے حق میں جس سے مجھے محفوظ کیا اسے اللہ نے محفوظ کیا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اللہ کو ایذا دے گا ۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رض سے روایت کی ہے کہ جس نے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے ۔ ابن عدی نے حضرت عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ امت میں سے برے لوگ وہ ہیں جو آپ ص کے اصحاب پر دلیر ہیں ۔

ان لڑائی جھگڑوں میں جو ان کے درمیان ہوئے ہیں نیک خیال پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے ۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے ۔ لیکن جاننا چاہئے کہ حضرت امیر رض کے ساتھ لڑنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت امیر رض کی طرف تھا ۔ لیکن یہ خطا خطائے اجتہادی تھی اس لئے ملامت سے پاک ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہے جیسے کہ شارح مواقف ، آمدی سے نقل کرتا ہے کہ جمل اور صفین کی جنگیں اجتہاد پر مبنی تھیں ۔ شیخ ابو شکور سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ معاویہ رض اور ان کے رفقاء سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی ۔

شیخ ابن حجرؓ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت امیرؓ کے درمیان جھگڑے اجتہاد سے ہوئے ہیں اور اسے اہل سنت و الجماعت کے اعتقادات میں شمار کیا ہے - پس لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق و فجور کا گمان جائز نہیں ہے - قاضی نے شفا میں بیان کیا ہے کہ امام مالکؓ نے کہا ہے کہ جس نے اصحابؓ میں سے کسی کو گالی دی اور کہا کہ وہ گمراہ تھے وہ واجب القتل ہے - اس کے سوا اور کوئی گالی دی جیسے کہ ایک دوسرے کو لوگ دیتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا - کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑنے والے کفر پر نہ تھے جیسے کہ بعض رافضیوں کا خیال ہے اور نہ فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحابؓ کو فاسق کہا ہے - یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت صدیقہؓ ، طلحہؓ اور زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرامؓ ان میں شامل ہیں - طلحہؓ اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار اشخاص کے ساتھ شہید ہوئے - پس ان کو ضلالت اور فسق سے منسوب کرنے والا سوائے اس کے کون ہو سکتا ہے جس کے دل میں مرض ہو اور باطن میں خبث ہو - کوئی مسلمان ایسی دلیری نہیں کر سکتا -

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں معاویہؓ کے حق میں جور کا لفظ آیا ہے اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کا حق دار نہ تھا نہ یہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے - مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے - خطا پر جو کچھ زیادتی کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ "اگر وہ لعنت

کا مستحق ہے . . . ،، اس کی تردید کی کیا حاجت ہے ۔ اس میں
کونسا محل اشتباہ ہے ۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتا تو بے
شک جائز تھا ۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے حق میں کہنا برا ہے ۔
احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ
نے معاویہؓ کے حق میں دعا کی ہے ۔ "اللہ اسے کتاب و حساب
سکھا اور عذاب سے بچا" اور دوسری دعا میں فرمایا "اللہ
تو اس کو ہادی و مہدی بنا" آپ کی دعا مقبول ہے ۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا جامی سے سہو و نسیان کے طور پر سرزد
ہوئی ہے ۔

امام مالکؓ نے معاویہؓ اور عمر بن العاصؓ کو گالی
دینے والے کے قتل کا حکم دیا ہے یعنی ان کو گالی دینا ابوبکرؓ ،
عمرؓ اور عثمانؓ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے پس معاویہؓ
برائی کا مستحق نہیں ہے ۔ اے بھائی معاویہؓ تنہا اس معاملے میں
نہیں ہے کم و بیش آدھے اصحابؓ اس کے شریک ہیں ۔ پس اگر
حضرت امیرؓ سے لڑنے والے کافر یا فاسق ہیں تو اس طرح نصف
دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک
پہنچا ہے ۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصد دین کی
بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا ۔

اے برادر اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمانؓ کی
شہادت اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے ۔ طلحہؓ
اور زبیرؓ جو پہلے مدینہ سے باہر نکلے قصاص میں تاخیر کی وجہ
سے نکلے اور حضرت صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان سے موافقت
کی اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے ۔ ان میں

طلحہؓ اور زبیرؓ شامل ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت عثمان کے قصاص کے باعث ہوئی ہے ۔ اس کے بعد معاویہؓ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کی ہے ۔

امام غزالیؒ نے تصریح کر دی ہے کہ وہ جھگڑا خلافت کے لئے نہیں ہوا ۔ بلکہ قصاص کی خاطر حضرت امیرؓ کی خلافت کی ابتدا میں ہوا ہے ۔ نبی کریمؐ نے معاویہؓ سے فرمایا تھا ”کہ جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر“ شاید اس بات سے معاویہؓ کو خلافت کی طمع پیدا ہوئی ہو لیکن وہ اس اجتہادی خطا پر تھا اور حضرت امیرؓ حق پر ۔ اس کی خلافت کا وقت حضرت امیرؓ کے بعد تھا ۔ ہو سکتا ہے اس منازعت کا منشا قصاص کی تاخیر ہو اور پھر خلافت کی طمع بھی پیدا ہوگئی ہو ۔ بہر حال اجتہاد اپنے محل پر واقع ہوا ہے ۔ اگرچہ خطا پر ہے ۔ لیکن اس کے لئے ایک درجہ ہے اور حق والے کے لئے دو درجے بلکہ دس درجے ہیں ۔

اے برادر اس معاملے میں بہتر طریقہ یہی ہے ۔ کہ اصحاب کرامؓ کے تنازعات کے ضمن میں خاموش رہیں اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑ لیں ۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ میرے اصحابؓ کے حق میں اللہ سے ڈرو اور انھیں تیر (ملامت) کا نشانہ نہ بناؤ ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی منقول ہے ۔ ’یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا ہے ۔ پس ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں ۔ یعنی ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرنا چاہئے‘ ۔

یزید بد بخت فاسقوں کے زمرے میں شامل ہے۔ اس کی لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے مقررہ اصول کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے کسی شخص معین کے لئے اگرچہ وہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ تا آنکہ یقین سے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔ جیسے کہ ابولہب اور اس کی عورت، اس توقف کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لعنت کے لائق نہیں ہیں۔ بے شک جو اللہ اور اس کے رسول پاکؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

رسول کریمؐ نے فرمایا ہے۔ کہ 'جب فتنے اور بد عتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحابؓ کو برا بھلا کہا جائے تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے' پس جس نے ایسا نہ کیا۔ اس پر اللہ ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کرے گا'۔ ان دنوں اکثر لوگوں نے امامت کی بحث چھیڑ رکھی ہے اور اصحاب کرامؓ کی مخالفت ہوتی رہتی ہے اور جاہل' اہل تاریخ اور سرکش بدعتیوں کی تقلید میں اکثر اصحاب کرامؓ کو نیکی سے یاد نہیں کرتے اور کئی نا مناسب امور ان سے منسوب کرتے تھے۔ اس لئے جو کچھ معلوم تھا۔ تحریر میں لا کر دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے''۔[۱]

''شیخینؓ کی فضیلت صحابہؓ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے حضرت علیؓ سے بھی تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ اپنی خلافت کے زمانے میں بڑی بھاری جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے۔ کہ ابو بکرؓ ، اور عمرؓ اس امت میں سب سے بہتر ہیں۔

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۵۱ بنام محمد اشرف۔

جیسے کہ امام ذہبی رحہ نے کہا ہے اور امام بخاری رحہ نے روایت کی ہے ۔ کہ حضرت علی رض نے فرمایا ہے کہ پیغمبر علیه الصلوة و السلام کے بعد تمام لوگوں میں سے بہتر حضرت ابوبکر رض اور پھر حضرت عمر رض ہیں ۔ پھر ایک اور آدمی ، اس پر ان کے بیٹے محمد ص بن حنفیه نے کہا کہ پھر آپ ، تو فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں ۔

عبدالرزاق نے جو شیعه اکابرین میں سے ہے جب انکار کی گنجائش نه دیکھی تو بے اختیار شیخین رض کی فضیلت کا قائل ہوگیا ۔ اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی رض انہیں افضل فرماتے ہیں ۔ تو میں حضرت علی رض کا محب ہو کر انہیں افضل کیوں نه کہوں ۔ چونکه حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض کے زمانے میں مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی تھی ۔ اس لئے اہل سنت و الجماعت نے حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض کی محبت کو اپنی جماعت کے شرائط میں شمار کیا ہے تا کہ کوئی جاہل اس سبب سے نبی کریم ص کے اصحاب رض پر بد ظنی نه کرے ۔ اور آپ ص کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت نه کرے ، پس حضرت امیر رض کی محبت اہل سنت و الجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یه محبت نہیں رکھتا ۔ وہ اہل سنت سے خارج ہے ۔ اور اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے اس محبت میں افراط اختیار کر کے نبی کریم ص کے صحابه رض کو برا بھلا کہا ۔ وہ صحابه رض ، تابعین اور سلف صالحین کے طریقے کے بر خلاف چلا ۔ لہذا اسے رافضی کہتے ہیں ۔ پس خارجیوں کا حال یہودیوں کی طرح ہے ۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ ع کی والده پر تہمت لگائی اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کا سا ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ ع کو محبت کے غلو میں ابن الله کہا ۔ وہ شخص بہت جاہل ہے ۔ جو اہل سنت و الجماعت کو

حضرت امیر رض کے محبوں میں سے نہیں جانتا ، اور ان کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے - رفض کے معنی حضرت علی رض سے محبت کے نہیں ہیں - بلکہ خلفائے ثلاثہ رض سے بیزاری کرنا ہے - اگر شیعہ حضرات اہل بیت کی محبت پر اکتفا کریں اور دوسروں سے بیزاری کا اظہار نہ کریں اور تمام اصحاب رض کو عزت سے یاد کریں اور ان کے باہمی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کریں تو اہل سنت و الجماعت میں داخل ہوں گے - اصل میں اہل بیت کا گروہ اہل سنت و الجماعت ہی ہیں - جو ان کی محبت رکھتے ہیں - اور تمام اصحابہ کرام رض کی عزت و توقیر کرتے ہیں ، عقلمند آدمی اصحاب رض کو نبی کریم ص کی محبت کی وجہ سے محبوب رکھے گا - اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری و باطنی عالم تھے - اکثر اوقات اہل بیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے - کہ خاتمے کی سلامتی اس محبت کے ساتھ بہت تعلق رکھتی ہے - ان کی رحلت کے وقت یہ فقیر حاضر تھا - آخری لمحے میں فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا - تو اس بے خودی میں فرمانے لگے - میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں - اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا -

مخالف لوگ اہل سنت کی محبت متوسط سے بے خبر ہیں اور انہوں نے محبت کی افراط کو اختیار کیا ہے اور اس کے ماسوا کو تفریط خیال کرکے خروج کیا ہے - انہیں کیا یہ معلوم نہیں کہ افراط و تفریط کے درمیان متوسط ہی حق کا مرکز اور حق ہے - جو اہل سنت نے اختیار کیا ہے - تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت نے ہی تباہ کیا اس وقت رافضیوں کا نام و نشان تک نہیں تھا - لیکن کبھی تو ان محبوں کو یہ لوگ فرط محبت نہ رکھنے کی بنا پر

خارجی کہتے ھیں اور کبھی ان سے نفس محبت کو محسوس کرکے
انھیں رافضی جانتے ھیں اور اھل سنت کے اولیائے عظام کو جو
اھل بیت کی محبت کا دم بھرتے ھیں۔ رافضی خیال کرتے ھیں
اور محبت کی افراط سے منع کرنے والے علما کو جو اس کے ساتھ
خلفا ثلاثه کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ھیں خارجی کہتے
ھیں۔ ھمیں ان پر افسوس ھے که اصحاب پر تبرا بھیجنا انھوں
نے حضرت امیرؓ کی محبت کی شرط جان رکھا ھے۔

انصاف کرنا چاھئے که کوئی محبت جو نبی کریمؐ کے صحابهؓ
اور جانشینوں کی بیزاری اور ان پر سب و طعن سے ملتی ھو۔ اھل
سنت کا یہی قصور ھے که وہ اھل بیت کی محبت کے ساتھ نبی کریمؐ
کے تمام اصحابؓ کی تعظیم کرتے ھیں۔ آپؐ کی صحبت کی تعظیم اور
اس عزت کے باعث جو آپؐ اپنے اصحابؓ کی کیا کرتے تھے۔ ان
سب کو ھوا و ھوس سے دور جانتے ھیں اور ان کے باھمی تنازعات
کو اجتہاد پر مبنی قرار دیتے ھیں۔ خارجی اھل بیتؓ کی عداوت اور
آل نبیؐ کے بغض پر خوش ھوتے ھیں اور رافضی اھل بیتؓ کی
محبت اور صحابه کرامؓ کے حق میں بد ظن ھونے پر ھی اھل سنت
سے خوش ھو سکتے ھیں۔ اللہ ھم پر اپنی رحمت نازل کر اور ھمارے
دلوں کو راہ راست سے نه ٹیڑھا کر۔

اھل سنت کے نزدیک ان جھگڑوں میں اصحاب کرامؓ تین
گروھوں میں تھے۔ ایک گروہ نے دلیل و اجتہاد سے حضرت امیرؓ
کی جانب کی حقیقت کو معلوم کر لیا۔ دوسرے گروہ نے دلیل
و اجتہاد سے دوسری جانب میں حقیقت دریافت کی، اور تیسرا
گروہ متوقف رھا اور اس نے کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح

نہ دی ۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے عمل کیا ۔ پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے ... لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہوگی ۔ اس بات پر ہیں کہ حضرت امیرؓ حق پر تھے ۔ اور ان کے مخالف خطا پر ، لیکن یہ خطا اجتہادی خطا کی طرح طعن و ملامت اور تحقیر سے دور ہے ۔ حضرت امیرؓ سے منقول ہے ۔ کہ ہمارے بھائی ہم سے باغی ہوگئے ۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق ، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے ۔ جو کفر و فسق سے روکتی ہے ...

نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ اذا ذکر اصحابی فامسکو ، جب میرے صحابی کا ذکر آئے تو اپنی زبان سنبھال رکھو ، نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدایتم اھتدیتم ، میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے ...

آپؐ کے صحابی کو گالی دینے کو دین کی جزو بنانا دیانت اور دینداری سے دور ہے ۔ یہ عجب دین ہے ۔ جس کا جزو اعظم آپؐ کے جانشینوں کو گالی دینا ہے ... رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں سب کے سب اصحاب کرامؓ کو کافر کہتے ہیں اور خلفاءؓ کو گالیاں دینا عبادت جانتے ہیں اور اپنے سوا اور لوگوں کو رافضی کہتے ہیں ۔ کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے حق میں بڑی وعید موجود ہیں ۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اس لفظ کی طرح اس کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور اصحاب کرامؓ کو برا بھلا نہ کہتے ۔

ان لوگوں نے اہل بیت رض کے بزرگوں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت امیر رض تقیہ کے طور پر خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت و تعلق رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم و تکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے کہ اگر رسول کریم ص کے اہل بیت رض کی محبت رسول اللہ ص کی محبت کے باعث ہے۔ تو چاہئے کہ آپ ص کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہل بیت رض کے دشمنوں کے مقابلے میں ان دشمنوں کو زیادہ برا کہیں۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ آپ ص کے سب سے بڑے دشمن اور ایذا دینے والے۔ یعنی ابوجہل پر ان میں سے کسی گروہ نے سب و طعن کی ہو۔ یا اس کو برا کہا ہو۔

حضرت صدیق اکبر رض جو نبی کریم ص کے نزدیک تمام مردوں سے پیارے ہیں۔ یہ اپنے خیال میں انہیں اہل بیت کا دشمن تصور کر کے ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہل بیت رض کے دشمنوں کو برے ناموں سے پکارتے اور اصحاب کرام رض کے نام مقرر نہ کرتے۔ کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں۔ یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ یہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام اور توجہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور اس پر لعن کا اطلاق نہیں کرتے۔ جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے۔ لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت عمر رض اور دوسرے صحابہ رض کو گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔

اهل سنت اس حدیث کی بنا بھی الخلافة من بعدی ثلثون سنة ، تیس سالوں کی اس مدت خلافت کو جو حضرت امیرؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔ چاروں خلفاءؓ کی ترتیب خلافت کو برحق جانتے ہیں اور مخالف صرف حضرت امیرؓ کی خلافت کو برحق جانتے ہیں۔ اور باقی تین خلافتوں کو تعصب اور تغلب سے منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیرؓ کی بیعت کو جو انہوں نے خلفاء ثلاثه کے ہاتھ پر کی تھی۔ تقیه پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے زعم میں حضرت امیرؓ اور ان کے موافق لوگ اپنے ان مخالفوں کے ساتھ منافقانه صحبت رکھتے رہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس کے بر عکس زبان پر لاتے رہے اور ان کے مخالف بھی اسی طرح ان کے ساتھ ان کی محبت کے اظہار اور معاملات و گفتار میں منافقت سے کام لیتے رہے۔ گویا ان کے خیال میں تمام صحابه کرامؓ منافق اور مکار تھے اور یوں امت سے بدترین اصحاب کرامؓ ہوئے ، اور تمام صحبتوں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیه الصلوٰة و السلام کی ہوئی۔ جہاں سے یه اخلاق ذمیمه پیدا ہوئے اور یوں تمام قرنوں سے برا قرن اصحابؓ کا ہوا۔ که نفاق و عداوت سے پر تھا ، حالانکه الله تعالیٰ اپنی کتاب میں ان کو رحما بینهم ، فرماتا ہے۔ الله تعالیٰ ہمیں ایسے عقائد سے بچائے ، انہوں نے شاید ان ایات اور احادیث کو نہیں دیکھا۔ جو حضرت خیر البشرؐ کی صحبت کی فضیلت ، اصحاب کرامؓ کی فصیلت ، اور امت کی خیریت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر دیکھا ہے ان پر ان کا ایمان نہیں ، قرآن و احادیث ہمیں اصحاب کرامؓ کی تبلیغ سے پہنچی ہیں۔ جب اصحابؓ مطعون ہوں گے تو لا محاله جو دین ان کے ذریعے سے پہنچا ہے وہ بھی مطعون ہوگا۔

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت کا انکار ہے ، ظاہر میں اہل بیت کی محبت کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت میں رسول کریم ص کی شریعت کا انکار ہے - کاش وہ حضرت امیر رض کو تقیہ سے متصف نہ کرتے - جو لوگ تیس سال نفاق و مکر و فریب سے زندگانی گزارتے رہے وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے - یہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رض پر طعن کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس طرح نصف شرعی احکام پر طعن آتا ہے - تین ہزار احادیث سے تین ہزار احکام ثابت ہیں - جن میں سے ابو ہریرہ رض کی روایت سے ڈیڑھ ہزار احادیث ہیں امام بخاری رح نے فرمایا ہے کہ ان کے راوی آٹھ سو صحابی اور تابعین سے زائد ہیں جن میں سے ایک ابن عباس رض ہے اور ابن عمر بھی ابوہریرہ رض سے روایت کرتا ہے - جابر بن عبداللہ رض اور انس بن مالک بھی ان کے راویوں میں سے ہیں اور اس کے طعن میں حضرت امیر رض سے جو حدیث نقل کرتے ہیں وہ علماء کی تحقیق کی رو سے جھوٹی ہے - لہٰذا محض طعن کی بنا پر انہیں حضرت امیر رض کا دشمن جاننا انصاف سے دور ہے یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے -

حضرت امیر رض کے ان اقوال کے بارے میں تقیہ کا احتمال کیسے کریں گے جو بطریق تواتر شیخین رض کی افضلیت اور ان کی خلافت کے حق میں منقول ہیں - کیونکہ اگر تقیہ صرف اپنے حق خلاقت کو چھپانا قرار دیا جائے تو خلافت ثلاثہ کے حق ہونے کا اظہار اس تقیہ کے سوا علاحدہ امر ہوگا - جس کی صدق و صواب کے سوا اور کیا ہیں تعبیر ہوسکتی ہے - وہ صحیح احادیث جو شہرت کو پہنچ چکی ہیں اور متواتر المعنیٰ ہو گئی ہیں - جو حضرات خلفائے ثلاثہ رض کی افضلیت

میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ۔ ان کا جواب کیا دیں گے ۔ کیونکہ تقیہ پیغمبر اسلام ؐ کے حق میں جائز نہیں کہ تبلیغ پیغمبروں پر فرض ہے ۔ نیز آیات قرآنی میں جو اس بارے میں تقیہ متصور نہیں ہو سکتا ۔ دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ بزدلی اور نامردی ہے اور اسد اللہ رض کے حق میں اسے روا رکھنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ بشریت کی رو سے ایک دو دن تو ممکن ہو سکتا ہے مگر پورے تیس سال اسد اللہ رض کے لئے یہ خصلت روا رکھنا گناہ کبیرہ ہے ۔ انہوں نے شیخین رض کی تعظیم و تقدیم سے اس لئے فرار کیا ہے کہ اس طرح حضرت امیر رض کی اہانت کا پہلو نہ نکلے ، لیکن تقیہ کی بڑی برائی کو اس طرح پیدا کر لیا ہے اس کا خیال نہیں کیا ۔

جب اصحاب کرام رض بعض اجتہادی امور میں نبی کریم ؐ کے ساتھ اتفاق نہ کرتے تھے اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا تو حضرت امیر رض کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں صحابہ رض کا جو تمام ہی اصحاب رائے تھے مخالفت کرنا کیونکر کفر ہوا ۔ حضرت امیر رض سے لڑنے والے مسلمان ایک جم غفیر تھے جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ۔ انہیں برا کہنے سے نصف دین برباد ہو جاتا ہے ۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر رض تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر ۔ اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر رض تھا ۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے احکام خلافیہ میں علماء ، تابعین اور آئمہ مجتہدین نے حضرت امیر رض کے غیر کے

مذهب کو قبول کرکے اسی پر حکم کیا ہے ۔ قاضی شریح نے جو تابعین سے ہے اور صاحب اجتہاد ہے حضرت امیرؓ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت حسنؓ کی شہادت کو اپنے باپ کے حق میں نسبت فرزندی کی بنا پر منظور نہیں کیا ۔ مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت کو جائز نہیں سمجھتے ۔ لہذا حضرت امیرؓ کی مخالفت پر اعتراض کی گنجائش نہیں ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ حبیب رب العالمینؐ کی محبوبہ تھیں اور آپ کے آخری وقت تک آپؐ کی مقبولہ و منظورہ رہیں آپ نے مرض موت کے ایام بھی ان ہی کے حجرے میں بسر کئے اور انہی کی گود میں جان دی اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے ۔ اس کے علاوہ آپ مجتہدہ بھی تھیں ۔ آپؐ نے آدھا دین ان کے حوالے کیا تھا اور اصحاب کرامؓ کے حل کے لئے ان سے رجوع کیا کرتے تھے ۔ اس قسم کی صدیقہؓ مجتہدہ کو حضرت امیرؓ کی مخالفت کرنے پر طعن کرنا اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کے منافی ہے ۔ حضرت امیرؓ اگر آنحضرتؐ کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے تو حضرت صدیقہؓ حضرتؐ کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ تھیں ۔ جو آزار اور ایذا حضرت پیغمبر اسلامؐ کو حضرت صدیقہؓ کو برا کہنے سے پہنچتی ہے وہ اس آزار سے زیادہ ہے جو حضرت امیرؓ کی طرف سے پہنچتی ہے ۔ منصف داناؤں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات تو اس صورت میں ہے کہ حضرت امیرؓ کی محبت اور تعظیم پیغمبر اسلامؐ کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو ۔ اگر کوئی حضرت امیرؓ کی محبت کو مستقل

طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر اسلامؐ کی محبت کو اس میں
شامل نہ کرے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے اور گفتگو کے
لائق نہیں ۔ اس کی غرض و مدعا دین کو باطل کرنا اور شریعت کو
منہدم کرنا ہے ۔ ایسا شخص نبی کریمؐ کے واسطے کے بغیر کوئی
اور راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے اور انہیں چھوڑ کر حضرت علیؓ کی
طرف آنا چاہتا ہے اور یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے ۔ حضرت علیؓ
اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں ۔ پیغمبرؐ کے
اصحابؓ ، سسر اور دامادوں کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر اسلامؐ کی
دوستی ہے اور ان کی عزت و تکریم آپؐ کی تعظیم کے باعث ہے ۔

طلحہؓ ، زبیرؓ اصحاب کبار عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ ان پر
طعن کرنا نا مناسب ہے ۔ یہ طعن لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ
آتا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے فیصلے کو جن چھ
آدمیوں کے مشورے پر چھوڑا ان میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ شامل
ہیں ۔ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنا حق چھوڑ دیا ۔ طلحہؓ وہی
بزرگ ہستی ہے جس نے اپنے والد کو اس بے ادبی کے باعث جو اس
نے جناب رسالت مآبؐ کی شان میں کی تھی قتل کرکے اس کا سر
آنحضرتؐ کی خدمت میں لا پیش کیا تھا ۔ قرآن مجید میں اس کے
اس عمل کی تعریف اور ثنا بیان ہوئی ہے اور یہ وہی زبیرؓ ہیں جن
کے قاتل کے لئے جناب نبی کریمؐ نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور
یوں فرمایا ہے ' قاتل زبیر فی النار ' ان پر طعن کرنے والے قاتل سے
کم نہیں ہیں ۔ ان لوگوں نے نبی کریمؐ پر اپنا سب کچھ قربان کر
دینے میں کوئی دریغ نہیں کیا ہے ۔ ان لوگوں نے شرف صحبت حاصل
کیا ، وحی کا مشاہدہ کیا ، فرشتے کو دیکھا ، خوارق کو دیکھا ۔

حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا ۔ دوسروں کا احد پہاڑ جتنا سونا راہ خدا میں صرف کرنا ان کے آدھ مد[1] جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں تعریف کرتا ہے ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔ ان لوگوں نے آپس میں لڑائی جھگڑے اپنے اجتہاد کی بنا پر کئے تھے ۔ اجتہاد میں اپنے رائے پر عمل کرنا اور دوسرے کی تقلید نہ کرنا ہی صواب ہے ۔ امام ابو یوسفؒ کے لئے اجتہاد کے درجے پر پہنچنے کے بعد امام اعظمؒ کی تقلید کرنا خطا ہے ۔ اس کے لئے بہتری اپنی رائے کی تقلید میں ہے ۔ امام شافعیؒ کسی صحابی کے قول کو خواہ صدیق اکبرؓ کا ہو حضرت امیرؓ کا اگر اپنی رائے کے موافق نہ ہو ۔ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرنا اور اپنی رائے پر عمل کرنا بہتر جانتا ہے ۔ جب امت کے مجتہد اجتہاد میں یوں اختلاف کر سکتے ہیں تو اصحابؓ اگر ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو مطعون کیوں ہوں ۔ امور اجتہادیہ میں آنحضرتؐ سے اختلاف کرنے والوں پر ان کے اختلافی امر کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے ۔ اگر ان کا یہ فعل خدا کے نزدیک نا مقبول ہوتا تو اس پر وعید نازل ہوتی ۔ آنحضرتؐ کے ساتھ گفتگو کے وقت اونچی آواز سے بولنے والوں کے حق میں تو یہ ارشاد الٰہی موجود ہے کہ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو ۔ اس طرح بلند آواز سے انہیں نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۔ ورنہ تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا اور تمہارے نیک اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے ۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف آرا پر حضرت فاروقؓ اور سعد ابن معاذؓ نے ان قیدیوں کے قتل کرنے کا حکم کیا تھا ۔

---

۱ ۔ مد ، ناپ کا پیمانہ جو دو رطل کے برابر ہوتا ہے ۔

آنحضرت ص کے نزدیک فدیه لے کر انہیں رہا کر دینا مناسب تھا ۔ لیکن اس اجتہادی امر میں وحی الٰہی نے حضرت فاروق رض اور سعد ابن معاذ رض کے حق میں فیصله دیا ۔ وہ اختلاف بھی اسی قسم سے تھا جو جناب کے رحلت کے وقت کاغذ کی طلبی پر ہوا تھا ۔ حضرت فاروق رض کاغذ کی مخالفت کرنے والوں میں سے تھے ۔ آپ نے فرمایا 'حسبنا کتاب الله'، ہمیں الله کی کتاب کافی ہے ۔ اس سبب سے طعن دینے والوں نے حضرت فاروق رض پر زبان درازی کی ہے ۔ حالانکه حقیقت میں کوئی مقام طعن نہیں ہے ۔ حضرت فاروق رض نے معلوم کر لیا تھا که وحی کا زمانه ختم ہوگیا ہے ۔ آسمانی احکام تمام ہو گئے اب احکام کے ثبوت میں رائے اور اجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں ہے ۔ اب آپ جو تحریر فرمائیں گے وہ امور اجتہاد سے ہوگا ۔ جن میں دوسرے بھی شریک ہیں ۔ لہٰذا درد کے وقت حضور ص کو تکلیف نہیں دینی چاہئے ۔ که احکام کا ماخذ قرآن کافی ہے اور یه معلوم کر لیا ہوگا که لکھے جانے والی بات کا ماخذ قرآن میں سے ہے ۔ اس واسطے قرآن کا نام لیا ہے اور اس وقت سنت کا ذکر نہیں کیا ۔ یه مخالفت محبت کے سبب تھی اگر جناب کا مطالبه وجوب کے لئے ہوتا اور محض استحسان پر مبنی نه ہوتا تو جناب تاکید فرماتے اور محض اختلاف پر اس سے رو گردانی نه فرماتے ۔ حضرت فاروق رض نے شاید اس وقت یه سمجھا ہو که یه کلام درد کے باعث بلا قصد و اراده صادر ہوگیا ہے جیسے که لفظ اکتب سے معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکه جناب ص نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا ۔ آپ ص نے یه بھی فرمایا تھا که لن تضلو بعدی (که تم میرے بعد گمراہ نه ہو) دین کامل ہو چکا تھا ۔ رضائے الٰہی حاصل ہو چکی تھی پھر گمراہی کے کیا معنی ۔ ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دور کرے

گا - کیا تیس (۳۰) سال کے عرصے میں جو فرمایا گیا تھا وہ گمراھی کو دور کرنے کے لئے کافی نہیں ھے - اس لئے حضرت فاروقؓ نے کہا کہ اھجر استفھموہ ، از سر نو دریافت کرو - اس اثنا میں مختلف باتیں ھونے لگیں اور جنابؐ نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ اور مخالفت نہ کرو - کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نزاع اچھا نہیں - آپؐ نے اس کی نسبت پھر کچھ نہ فرمایا اور دوات و کاغذ طلب نہ کئے . . . احکام منزلہ میں تقلید ھی سب کچھ ھے - لیکن اجتہادی امور کی صورت ایسی نہیں ھے - اس زمانے میں آداب حقیقت میں معنی کے طور پر تھے نہ کہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر ، کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث وہ لوگ جنابؐ کا لعاب دھن زمین پر گرنے نہ دیتے تھے اور حضورؐ کے خون کو پی جانے کا ارادہ کرنا تو مشہور و معروف ھے - ان بزرگواروں کے حق میں یہ خیال کرنا کہ ان سے جنابؐ کی شان میں بے ادبی واقع ھوئی ھے سخت نادانی ھے -

ایک سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ جب آنحضرتؐ سے امور اجتہادیہ میں غلطی کا امکان ھے تو احکام شرعی جو جنابؐ سے منقول ھیں - ان پر کس طرح وثوق و اعتبار ھوگا ؟

بات یہ ھے کہ احکام اجتہادیہ ثانی الحال میں منزلہ آسمانی احکام کی طرح ھو گئے ھیں کہ نبی صلعم کو خطا پر مقرر رکھنا جائز نہیں ھے - مجتہدوں کے اجتہاد اور جناب صلعم کی رائے کے اختلاف کے ثابت ھونے کے بعد اللہ کی طرف سے حکم نازل ھو جاتا تھا اور صواب و خطا میں تمیز کر دیتا تھا - لہٰذا یہ احکام اجتہادیہ بھی یوں قطعی الثبوت ھو گئے ، پس جملہ احکام صواب میں شامل ھو گئے -

لیکن نبوت کے زمانے کے خاتمے کے بعد اجتہاد میں صواب و خطا کا احتمال ہے اور ان مجتہدوں کے اجتہاد کا منکر کافر نہیں ہوتا ۔

اہلبیت کی محبت کے لئے ہمارے پاس کئی وجوہات ہیں ۔ آپ کی احادیث میں موجود ہے کہ 'علیؓ سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنا اور اس سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا ہے ..' 'علیؓ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، حسنؓ کو اے اللہ میں دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ، 'جس نے میرے اہلبیت کے ساتھ احسان کیا ۔ میں قیامت کے دن اس کے ساتھ احسان کروں گا' ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جناب صلعم کی یہ حدیث بھی قابل غور ہے "حضرت عائشہؓ کے کپڑے کے سوا اور کسی بیوی کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی ..."

خدایا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

و صلے اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم و علی جمیع اخوانہ من الانبیاء و المرسلین و الملائکۃ المقربین و علیٰ سائر عباد اللہ الصلحین اجمعین ، آمین "۔[۱]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۳۶ بنام خواجہ محمد تقی ۔

فصل چہارم

قضا و قدر

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال زاغاں را بگورستان برد (رومی)

مسئلہ بڑا پیچیدہ اور اہم ہے - زندگی اور موت کی طرح پر اسرار اور بو قلموں ہے - رومیؒ کے نزدیک باز اپنی افتاد طبع کے باعث سلطان کے ہاں جاتا ہے اور کوا گورستان کی طرف - لیکن اب بھی یہ سوال حل نہیں ہوا - باز کی پرواز اور اس کے لئے اس کی لگن ، کوے کی خست اور کم طلبی ، آخر کار یہ تمنائیں پیدا کرنے کے لئے یہ دونوں کس حد تک مختار ہیں اور کس حد تک مجبور ہیں - شاہین کے جذبے کو اس کے تن و توش اور شہپروں سے گہرا تعلق ہے - اسے جس قسم کی مخلوق بنایا گیا ہے ، وہ اسی تخلیق کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے - اگر زندگی کو خود رو قوت تسلیم کر لیا جائے اور اس کی حرکت و ارتقاء کو کسی فائق قوت سے متعلق نہ کرتے ہوئے مطلق العنانی اور مکمل خود مختاری بخشی جائے تو اسی صورت میں یہ ممکن نظر آتا ہے کہ زندگی نے شاہین کے قالب میں آ کر کوے کے مقابلے میں سر فرازی حاصل کر لی ہے اور یہ سر فرازی اس کی اپنی ہمت اور اپچ کی بنا پر ہے - لیکن اس صورت میں بھی ہمتوں کے اس تفاوت کو زندگی کے کسی سیلانی مخزن سے متعلق کرنا ہوگا جو مختلف قالبوں میں مختلف حیثیتوں سے محو کار ہے اور اس

طرح کسی قالب کی ذاتی سعی اور بال زنی کے لئے کتنی اھمیت رھے گی اس کا اندازہ کرنا آسان ھے ۔ جب زندگی کے اس سیلانی مخزن کو محو کار بتاتا جائے گا تو لا محالہ اس کے لئے ارادہ ، علم ، قدرت اور ایک قسم کا تعین ذاتی تسلیم کرنا پڑے گا اور سو حیلوں بہانوں اور ھزاروں گورکھ دھندوں کے بعد اسی اصلی اور حقیقی خالق و مالک کی حاکمیت اور فوقیت کے آگے جھکنا پڑے گا ۔ اس مسئلے پر جناب مجددرح کی رائے ملاحظہ ھو ۔

”واضح ھو کہ مسئلہ قضا و قدر میں اکثر لوگ حیران اور گمراہ ھو رھے ھیں اور مسئلہ اکثر دیکھنے والوں پر اس قسم کے باطل وھم و خیال غالب ھیں ۔ ان میں سے بعض کہتے ھیں ۔ کہ کچھ بندے سے اس کے اپنے اختیار کے ساتھ فعل صادر ھوتا ھے ۔ اس میں جبر کے قائل ھیں اور بعض بندے کے فعل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے ۔ گویا ان دونوں گروھوں نے اعتدال اور میانہ روی کو ترک کرکے افراط و تفریط کو اختیار کیا ھے ۔ بعض نے اعتقاد میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا ھے ۔ جسے صراط مستقیم کہا جا سکتا ھے ۔ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی توفیق فرقہ ناجیہ اھل سنت و جماعت کو عطا فرمائی ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ھے ۔ کہ انہوں نے حضرت جعفر بن محمدؐ صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر اپنے بندوں کے حوالے کیا ھے ۔ انہوں نے اس پر جواب میں فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بر تر ھے ۔ کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں کے سپرد کرے ۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ان پر جبر کرتا ھے ؟

فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ کہ پہلے خود کسی بات پر مجبور کرے اور پھر اس کے لئے عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ مسئلہ کس طرح ہے۔ امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اس کے بین بین ہے۔ یعنی نہ جبر کرتا ہے اور نہ سپرد کرتا ہے۔

اسی واسطے اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ بندوں کے اختیاری فعل ایجاد اور خلق کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور کسب و اکتساب کی سعی و کوشش کی جہت سے بندوں کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ یعنی بندوں کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے خلق کہا ہے اور بندے کی قدرت کی طرف منسوبہ کرنے کی رو سے اس کا نام کسب رکھا ہے۔ بر خلاف اشعری کے جو اس طرف گیا ہے کہ بندوں کا اپنے افعال میں ہر گز اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاریہ کی رو سے افعال کو بندوں کے اختیار کے بعد ایجاد کیا ہے۔ اشعری قدرت حادثہ کے لئے کسی تاثیر کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ مذہب بھی جبر کی طرف مائل و راجع ہے۔ اسی واسطے اس کو جبر المتوسط کہتے ہیں۔

اُستاد ابو اسحاق اسفرائینی اصل فعل میں قدرت حادثہ کی تاثیر اور دونوں قدرتوں کے مجموعے سے فعل کے رونما ہونے کا قائل ہے اور اس نے واحد اثر پر ان دو مختلف جہتوں کی رو سے دو موثروں کا جمع ہونا جائز و درست قرار دیا ہے۔

قاضی ابوبکر با قلانی فعل کے وصف میں اس حیثیت سے کہ اس فعل کو طاعت یا معصیت کے ساتھ موصوف کیا جائے قدرت حادثہ کی

تاثیر کا قائل ھے ۔ اس خاکسار بندہ ضعیف کے نزدیک مختار یہ ھے ۔
کہ اصل فعل اور وصف فعل دونوں میں (انسان کی) قدرت حادثہ کی
تاثیر ھے ۔ کیونکہ اصل میں تاثیر کے بغیر وصف میں تاثیر کے کچھ
معنی نہیں ھیں کیونکہ وصف اسی اصل کی فرع اور اثر ھے ۔ لیکن
وہ اصل فعل کی تاثیر پر زائد تاثیر کی محتاج ھے ۔ کیونکہ وصف کا
وجود اصل سے زائد ھے ۔ قدرت حادثہ یعنی بندے کی قدرت کا قائل
ھونا کسی خدشے کا حامل نہیں ھے ۔ اگرچہ یہ بات اشعری کو
ناگوار ھے ، کیونکہ قدرت حادثہ میں تاثیر کے وصف کا ھونا بھی
حق تعالیٰ کی ایجاد سے ھے ۔ جس طرح کہ نفس قدرت حق تعالیٰ
کی ایجاد سے ھے ۔ قدرت حادثہ کی تاثیر کا قائل ھونا ھی درستی اور
بہتری کے زیادہ نزدیک ھے ۔ اشعری کا مذھب در حقیقت جبر کے
دائرہ میں داخل ھے ۔ کیونکہ اس کے نزدیک بندہ کا ھرگز اختیار
نہیں ھے ۔ اور نہ ھی قدرت حادثہ کی کوئی تاثیر ھے سوائے اس کے
کہ جبریہ کے نزدیک اختیاری فعل فاعل کی طرف حقیقت کے طور پر
منسوب نہیں ھوتا بلکہ مجازی طور پر ھوتا ھے ۔ اور اشعری کے
نزدیک بہ انتساب حقیقی طور پر ھوتا ھے ۔ اگرچہ اس کے لئے
حقیقی طور پر اختیار ثابت نہیں کرتا ۔ کیونکہ فعل حقیقی طور پر
بندہ کی قدرت کی طرف منسوب کیا جاتا ھے ۔ خواہ وہ قدرت مجمل طور
پر موثر ھو جیسا کہ اشعری کے سوا اھل سنت و الجماعت کا مذھب ھے
یا مدار محض ھو جیسا کہ اشعری کا مذھب ھے ۔ اس فرق سے اھل
حق کا مذھب اھل باطل سے جدا ھو جاتا ھے ۔ فاعل سے فعل کی
حقیقت کی نفی کرنا اور مجازی طور پر اس کے لئے ثابت کرنا جیسا
کہ جبریہ کا مذھب ھے ۔ محض کفر ھے اور ضروری امر کا
انکار ھے ۔

صاحب تمہید نے کہا ہے - کہ جبریہ میں سے جو اس بات کے قائل ہیں - کہ بندے سے فعل کا صادر ہونا ظاہری اور مجازی طور پر ہے اور حقیقت میں اسے اس کے لئے کوئی استطاعت و طاقت حاصل نہیں ہے - جیسے کہ درخت ہوا کے ہلانے سے ہلتا ہے - اسی طرح بندہ بھی مجبور ہے - ان کی یہ بات کفر ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ کافر ہے -

نیز اس نے یہ فرمایا ہے کسی مذہب جبریہ میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں - کہ افعال خواہ شر ہوں خواہ خیر ، حقیقی طور پر بندوں کے نہیں ہیں بندے جو کچھ کرتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے - یہ بھی کفر ہے -

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اشعری کے نزدیک افعال میں بندے کی قدرت کی کچھ تاثیر نہیں ہے - اور نہ ہی حقیقت میں اس کا کچھ اختیار ہے - تو پھر افعال کو بندے کی طرف حقیقی طور پر منسوب کرنے کے کیا معنی ہوئے - اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ قدرت کی افعال میں تاثیر نہیں ہے - مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو افعال کے وجود کا مدار بنایا ہے - وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادت جاریہ کے طور پر بندوں کو افعال کی طرف اختیار اور قدرت دینے کے بعد ان افعال کو پیدا کر دیتا ہے - گویا بندوں کی قدرت افعال کے وجود کے لئے علت عادیہ ہے - پس اس لحاظ سے عادت کے طور پر افعال کے صادر ہونے میں قدرت کا دخل ہے - کیونکہ قدرت کے سوا عادی طور پر افعال موجود نہیں ہوتے - لیکن افعال میں اس کی کوئی تاثیر نہیں - پس علت عادیہ کی رو سے بندوں کے افعال حقیقی طور پر ان سے منسوب ہوتے ہیں - مذہب

اشعری کی تصحیح میں نہایت کلام یہی ہے ۔ لیکن اب بھی اس کی بات میں محل تامل ہے ۔

جاننا چاھئے کہ اهل سنت و الجماعت قدر کے ساتھ ایمان لائے هیں اور اس بات کے قائل هیں ۔ کہ قدر کا خیر و شر ، نوش و نیش ، اللہ تعالیٰ هی کی طرف سے ہے ۔ کیونکہ قدرت کے معنی احداث اور ایجاد کے هیں اور ظاهر ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی محدث اور موجد نہیں ہے ۔ لا اله الا هو خالق کل شیٔ فاعبدوہ معتزلہ اور قدریہ نے قضا و قدر کا انکار کیا ہے ۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ بندوں کے افعال صرف بندوں کی قدرت هی سے حاصل ہوتے هیں ۔ وہ یہ کہتے هیں کہ اگر اللہ تعالیٰ شر کو قضا کرے اور اس پر عذاب دے تو یہ اس کا جور ہے ۔ ان کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے ۔ کیونکہ قضا بندے سے قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی ۔ بلکہ قضا تو اس طرح فرمائی ہے ۔ کہ بندہ اپنے اختیار سے اس کو کرے یا چھوڑ دے ۔

حاصل کلام یہ کہ ایسی قضا اختیار کو واجب کرتی ہے ۔ اور اسے ثابت کرتی ہے اور هرگز اس کے منافی نہیں ہے .... اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے ۔ کہ اس بات کا قائل ہونا کہ متوسط بندے کو اس کے ضعف کے باوجود مستقل طور پر افعال کی ایجاد پر قدرت حاصل ہے ۔ نہایت بے وقوفی اور کمال نادانی ہے ... جبریہ نے یہ خیال کیا ہے کہ بندے کا فعل اپنا نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند هیں ۔ جن کے لئے کوئی قدرت ارادہ اور اختیار ثابت نہیں ہے ۔ انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ بندوں کو خیر پر ثواب ملے گا اور شر پر عذاب نہیں ہوگا ۔ کافر و عاصی

معذور ہیں ان سے کچھ باز پرس نہ ہوگی ۔ کیونکہ افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ ان میں مجبور ہے ۔ یہ بھی کفر ہے ۔ یہ مرجیہ ملعون وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۔ کہ گناہ ضرر نہیں دیتا اور گنہگار کو عذاب نہیں دیا جائے گا ۔ . . . اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ جزاء بما کانوا یعملون ، اس کی جزا ہے جو عمل کرتے تھے ۔ اور فرماتا ہے ۔ فمن شاء فلیوسن و من شاء فلیکفر ' جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر بن جائے ۔

جاننا چاہئے کہ اکثر لوگ اپنی کم ہمتی کے باعث عذر و بہانہ طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں ۔ کہ پرسش سے بچنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے کبھی مذہب اشعری کی طرف کبھی مذہب جبری کی طرف میلان کرتے ہیں کبھی اس طرح کہتے ہیں ۔ کہ بندے کا در حقیقت کوئی اختیار نہیں ہے اور اس کی طرف فعل کی نسبت مجازی ہے اور کبھی ضعف اختیار کے قائل ہوتے ہیں ۔ جس سے جبر نکلتا ہے ۔

اس کے علاوہ اس مسئلہ میں بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں ۔ کہ فاعل ایک ہی ہے ۔ اس کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے ۔ اور بندہ کی قدرت کو افعال میں کوئی تاثیر نہیں ہے اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں ۔ بلکہ بندہ کا وجود ہی ذات و صفت میں ایک سراب سا ہے ، اس قسم کی باتیں اقوال و افعال میں مداہنت اور سستی پر دلیر کرتی ہیں ۔ پس ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں حقیقت حال کو اللہ ہی جانتا ہے ۔ اگر اختیار حقیقی طور پر بندے کے لئے ثابت نہ ہوتا جیسے کہ اشعری کا مذہب ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ ظلم کو بندوں سے منسوب نہ کرتا ۔ اشعری کے نزدیک

بندوں کا نہ اختیار ھے اور نہ ھی ان کی قدرت کی کوئی تاثیر ھے۔ بلکہ اس کے نزدیک قدرت محض مدار ھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں کئی جگہ ظلم کو بندوں سے منسوب کرتا ھے۔ تاثیر کے سوا محض مدار ھونا ظلم کو کیسے واجب ھو سکتا ھے۔ ھاں حق تعالیٰ کا بندوں کو رنج و عذاب دینا، بغیر اس بات کے کہ ان کے لئے اختیار ثابت ھو ھرگز ظلم نہیں ھے۔ کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خود مختار بادشاہ ھے۔ وہ جس طرح چاھتا ھے اپنے ملک میں تصرف کرتا ھے لیکن ظلم کی نسبت بندوں کے اختیار کے ثبوت کو مستلزم ھے۔ اور اس نسبت میں مجاز کا احتمال بے جا ھے۔ لیکن ضعف اختیار کا قائل ھونا دو حال سے خالی نہیں۔ اگر ضعف سے مراد یہ ھے کہ حق تعالیٰ کے اختیار کی نسبت بندے کا اختیار ضعیف ھے تو اس میں کوئی نزاع نہیں ھے اور اگر اس ضعف کے معنی یہ ھیں۔ کہ افعال کے صادر ھونے میں بندے کا استقلال نہیں۔ تو یہ بات مسلم ھے۔ لیکن اگر ضعف سے یہ مراد ھو کہ افعال میں بندے کے اختیار کو ھرگز دخل نہیں تو یہ بات ممنوع ھے ... جاننا چاھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے موافق تکلیف دی ھے،،۔[۱]

یہ مکتوب مولانا بدر الدین کی طرف صادر کیا گیا ھے۔ اس میں حضرت مجددؒ کی میانہ روی اور صحت فکر و نظر نمایاں ھے۔ ان کے نزدیک انسانی سعی و کوشش اس کی متوسط مختاری کے پیش نظر بڑے کمالات کی آئینہ دار ھے۔ جب اس کے ارادے، قدرت اور اختیار پر ھی جزا و سزا ترتب ھوتی ھے۔ تو لا محالہ اس کی تگ و دو کے لئے ارض و سما کی وسعتیں چشم براہ ھونی چاھئیں۔

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۸۹

فصل پنجم

اجتہاد

دین کے احکام کے اثبات کے لئے اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر دین کے احکام کو ثبت کرنے کے لئے اجتہاد کی جتنی ضرورت آج محسوس کی جا رہی ہے اتنی شاید ہی اس سے پہلے پیش آئی ہو۔ اجتہاد سے مراد حضرت مجددرح کے نزدیک قرآن و سنت سے ہی احکام کا استنباط ہے۔ دیکھئے ان کے ہاں اس استنباط کا طریق کار کیسے ہوا۔

"میرے مخدوم اشارہ سبابہ کے جواز میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہت وارد ہیں اور فقہ حنفی کی بعض روایات بھی اس بارہ میں آئی ہیں اور جب فقہ حنفی کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے جواز کی روائتیں اصول کی روائیتوں اور ظاہر مذہب کے خلاف ہیں۔

یہ جو امام شیبانیرح نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کیا کرتے تھے۔ اس واسطے ہم بھی اشارہ کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا ہے کہ یہ میرا اور ابو حنیفہرح کا قول ہے۔ امام شیبانیرح کا یہ قول روایات نوادر سے ہے نہ کہ روایات اصول سے، جیسا کہ فتاویٰ غرائب میں ہے اور محیط میں اس طرح آیا ہے کہ دائیں ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کریں یا نہ کریں۔ اصل میں امام محمدرح نے اس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ البتہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں

سے بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کریں اور بعض نے کہا ہے کہ کریں اور امام محمدؒ نے روایت اصول کے سوا اور روایت میں ایک حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلعم اشارہ کرتے تھے - پھر امام محمد نے کہا ہے کہ یہ میرا اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مستحب ہے - پھر کیا ہے؟ کہ فتاویٰ غرائب میں فقہا نے یوں ذکر کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے - سراجیہ میں اس طرح ہے کہ نماز میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کے وقت سبابہ کا اشارہ مکروہ ہے کیونکہ یہی مختار ہے اور کبریٰ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے - کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے - فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت سبابہ سے اشارہ نہ کرے، یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور جامع الرموز میں ہے کہ اشارہ نہ کرے . . . .

جب روایات معتبرہ میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہو اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیا گیا ہو . . . . . تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں کہ احادیث کے موافق عمل کرکے اشارہ کرنے میں جرأت کریں اور اس قدر علمائے مجتہدین کے فتووں کے امر مکروہ کے مرتکب ہوں - حنفیوں میں اس امر کا مرتکب دو حالی سے خالی نہیں ہے - یا جانتا ہے کہ علماء مجتہدین کو اشارہ کے جواز کی معروف و مشہور حدیثوں کا علم نہیں تھا یا یہ کہ وہ ان کو ان احادیث کا عالم جانتا ہے - لیکن اس کا یہ خیال ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے مطابق عمل نہیں کیا بلکہ اپنی رائے کے موافق حرمت کا حکم دیا ہے - یہ دونوں شقیں فاسد ہیں ان کو سوائے بے وقوف یا

متعصب دشمن کے اور کون پسند کر سکتا ہے اور یہ جو ترغیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا علمائے متقدم کی سنت ہے جسے علمائے متاخرین نے منع کیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب رافضیوں نے اس میں مبالغہ کیا تو سنیوں نے اسے ترک کر دیا ۔ عدم اشارہ علمائے ما تقدم کی سنت ہے اور ترک کی وجہ کسی تہمت کی نفی کرنا نہیں ہے ۔ ان اکابر دین کے ساتھ ہمارا یہاں تک حسن ظن ہے کہ جب تک حرمت کے بارے میں دلیل ان پر ظاہر نہیں ہوئی تب تک انہوں نے اس امر کی حرمت یا کراہت کا حکم نہیں دیا ۔ جب ہی تو اشارہ کی سنت یا مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ فقہا نے ذکر کیا ہے ۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگواروں کے نزدیک اس امر کے سنت یا مستحب ہونے کے دلائل صحت کو نہیں پہنچے ۔ بلکہ اس کے برعکس ان کے نردیک قرین صواب ہے ۔

حاصل کلام یہ کہ ہم کو اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ بات ان بزرگواروں کے حق میں کسی جرح و قدح کی موجب نہیں ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس دلیل کے برخلاف علم رکھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حل و حرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے اور اس ضمن میں مجتہد کا ظن معتبر ہے ۔ مجتہدین کے دلائل کو تار عنکبوت سے زیادہ کمزور کہنا بڑی جرأت اور دلیری ہے ۔ اپنے علم کو ان کے علم پر ترجیح دینا حنفیوں کے ظاہر اصول کو باطل کرنا اور جن روایات معتبرہ کی بنا پر فتویٰ دیا جاتا ہے انہیں درہم برہم کرنا اور انہیں شاذ و نادر کہنا ہے ۔ یہ بزرگوار

اپنے عہد کے قریب ہونے ، علم ، ورع اور تقویٰ کے زیادہ حاصل
ہونے کی بدولت ہم دور افتادوں کے مقابلے میں احادیث کو بہتر
جانتے تھے اور ان کی صحت و سقم ، نسخ اور بقا کو ہم سے زیادہ
پہچانتے تھے ۔ للہذا ان احادیث کے موافق عمل نہ کرنے میں اس
ترک عمل کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رکھتے ہوں گے ۔ اس قدر
تو ہم کوتاہ فہم بھی سمجھتے ہیں کہ احادیث کے راویوں میں
اشارہ و عقد کے سلسلے میں بہت اختلاف ہے ۔ ان کے اس اختلاف نے
نفس اشارہ میں بھی اضطراب پیدا کر دیا ہے . . . . جب علمائے حنفیہ
نے اشارہ بجا لانے میں راویوں کا اضطراب اور اختلاف دیکھا ۔
تو اسے فعل زائد قیاس کرکے نماز میں ثابت نہ کیا ۔ کیونکہ نماز کی
بنا سکون و وقار پر ہے اور نیز جہاں تک ہو سکے انگلیوں کا قبلہ کی
طرف رکھنا سنت ہے ۔ جیسے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام
نے فرمایا ہے ۔ فلیوجہ من اعضائہ القبلۃ ما استطاع ، اگر کوئی
کہے کہ کثرت اختلاف اسوقت باعث اضطراب ہوتا ہے جب کہ
مختلف روایات کے درمیان موافقت ممکن نہ ہو اور اس مسئلے میں
موافقت ممکن ہے ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمام روایات کے مطابق
عمل آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ بہت سی
روایات میں لفظ کان واقع ہوا ہے ۔ للہذا اس کی موجودگی کی
صورت میں موافقت نا ممکن ہے ۔

اور یہ جو امام اعظم علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ اگر کوئی
حدیث میرے قول کے خلاف پاؤ تو میرے قول کو ترک کر دو ۔
اور حدیث پر عمل کرو ۔ اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو
حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ تک نہیں پہنچی ہے اور انہوں نے

اس حدیث کا علم نہ ہوتے ہوئے اس کے برخلاف حکم دے دیا ہے ۔ لیکن اشارہ سبابہ کی حدیثیں اس قسم کی نہیں ہیں یہ مشہور و معروف ہیں اور یہ امر نا ممکن ہے کہ انہیں ان احادیت کا علم نہ ہو اور اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے بھی اشارہ کے جواز پر فتوے دئے ہیں اور فتاوئ متعارفہ میں جس ایک پر عمل کیا جائے جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جواز و عدم جواز اور حل و حرمت میں تعارض پیدا ہو تو عدم جواز اور حرمت و ممانعت کو ترجیح دی جائے گی ۔

نیز شیخ ابن ہمام نے رفع یدین کے بارے میں کہا ہے کہ رفع و عدم رفع کی حدیثیں متعارض ہیں ۔ لہٰذا ہم قیاس کے ساتھ عدم کی حدیثوں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ نماز کی بنا سکون و خشوع ہے جو اجاع کے نزدیک مطلوب و مرغوب ہے اور شیخ ابن ہمام پر تعجب آتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ مروی ہے جو خلاف روایت و درایت ہے ، افسوس ہے کہ اس نے کس طرح جہالت اور عدم علم کو ان علمائے مجتہدین سے منسوب کیا ہے ۔ جو قیاس پر کہ شرع کا اصل چہارم ہے ، عمل کرنے والے ہیں . . . " ۔[1]

" قیاس و اجتہاد اصول شرعی میں سے ایک اصل ہے ، جس کی تقلید کا ہمیں حکم ہوا ہے ۔ برخلاف کشف و الہام کے جس کی تقلید کا ہمیں امر نہیں ہے ، الہام غیر پر حجت نہیں ہے ۔ لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے ۔ پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہئے اور دین کے اصولوں کو ان کی آرائے کے مطابق تلاش کرنا چاہئے . . . " ۔[2]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۳۱۲ ، بنام میر محمد نعمان
۲ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۷۲ ، بنام سید ب اللہ مانکپوری

" قرآن مجید تمام شرعی احکام نیز تمام گذشته شریعتوں کا جامع ہے ۔ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں ۔ جو نص کی عبارت ، اشارات ، دلالت اور اقتضا سے مفہوم ہو سکتے ہیں ۔ جن کے فہم میں تمام خاص و عام اہل سنت برابر ہیں ۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں ۔ جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوتے ہیں ۔ یہ فہم آئمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے ۔ جن میں سے بقول جمہور اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپؐ کے اصحابؓ پھر آپؐ کی امت کے تمام مجتہد ہیں ۔ لیکن آنحضرتؐ کے زمانے میں اجتہادی احکام کے صواب و خطا ہونے میں کوئی تردد نہیں تھا ۔ بلکہ وحی قطعی کی مدد سے حق و باطل اور صواب و خطا میں تمیز ہو جاتی تھی ۔ اس لئے کہ پیغمبر کو خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا ۔ لیکن زمانہ وحی کے ختم ہونے کے بعد جو احکام مجتہدوں کے طریق استنباط سے اخذ ہوئے ہوں ۔ ان کے خطا و صواب میں تردد ہے ۔ اس طرح زمانہ وحی کے احکام اجتہادیہ یقین کے لئے مفید ہیں ۔ اور ان پر عمل و اعتقاد کا فائدہ مترتب ہوتا ہے اور بعد کے احکام اجتہادی ظن کا موجب ہیں ۔ اگرچہ مفید عمل ہیں ۔ لیکن اعتقاد کے موجب نہیں ہیں ۔

تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں ۔ کہ جن کی فہم سے انسان عاجز ہے ۔ جب تک کہ احکام کے نازل کرنے والے کی طرف سے اطلاع نہ ملے ۔ ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے ۔ ان کا علم پیغمبر علیہ السلام سے مخصوص ہے ۔ یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں ۔ لیکن ان کا مظہر پیغمبرؐ ہے ۔ اس لئے یہ احکام سنت سے منسوب ہوتے ہیں ۔ کیونکہ ان کا مظہر سنت ہے ۔ احکام

اجتہادیہ جس طرح قیاس سے مسنوب ہوتے ہیں ۔ اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مظہر ہے ۔ پس سنت و قیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں ۔ اگرچہ ان دونوں مظہروں میں بہت فرق ہے ۔ ایک رائے سے مسنوب ہے ۔ جس میں خطا کی مجال ہے ۔ اور دوسرا حق تعالیٰ کے اعلام سے موید ہے ۔ جس میں خطا کی گنجائش نہیں اور یہ قسم اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہ ہے ۔ گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے ۔ اگرچہ تمام احکام کو ثابت کرنے والی وھی کتاب ہے ۔

جاننا چاھئے کہ اجتہادی احکام میں غیر پیغمبر کو جو مرتبہ اجتہاد تک پہنچ چکا ہو ۔ پیغمبر سے اختلاف کی گنجائش ہے ۔ لیکن ان احکام میں جو نص کی عبارت و دلالت و اشارت سے ثابت ہیں اور ایسے ہی وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے ، کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے ۔ بلکہ تمام امت پر ان کا اتباع لازمی ہے ۔ امت کے مجتہدوں کے لئے لازمی نہیں کہ وہ اجتہادی احکام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کی رائے کی متابعت کریں بلکہ اس مقام میں ان کے لئے اپنی رائے کی متابعت بہتر اور صواب ہے ۔

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کی پچھلی سنت پہلی سنت کی ناسخ ہوگی . . . احکام شرعی کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے ۔ مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں ۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا کوئی ایسی دلیل نہیں ۔ جو شرعی احکام کو ثابت کرتی ہو ۔ الہام حل و حرمت کو ثابت نہیں کر سکتا اور کشف کو فرض و سنت کے ثبوت سے کیا واسطہ ، ولایت خاصہ والے لوگ عام مومنوں کی طرح مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں ۔ ان کے کشف و الہام ان کو کوئی زیادتی

نہیں بخشتے ، اور یوں یہ لوگ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے ۔ حضرت ذوالنون رح حضرت بسطامی رح ، حضرت جنید رح ، اور حضرت شبلی رح ، زید و خالد کی طرح عام مومنوں میں سے ہیں اور اجتہادی احکام میں مجتہدوں کی تقلید کرنے میں برابر ہیں ۔ ہاں ان بزرگواروں کی فوقیت اور امور میں ہے ۔ یعنی انہوں نے محبوب حقیقی کے ماسوا سے تعلق توڑ لیا ہے ۔ ان کا الہام سچا اور ان کا کلام درست ہے ۔ ان کے اکابر علوم و اسرار کو بلا واسطے اصل سے حاصل کرتے ہیں ۔ اور جس طرح مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کے تابع ہوتا ہے ۔ یہ بھی معارف و توحید میں اپنی فراست و الہام کے تابع ہیں ۔ . . علوم و معارف جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں ۔ احکام شرعی کے علاوہ ہیں ۔ لیکن یہ معارف شرعی احکام کے ثمر ہیں ۔ درخت کی اصل کا استحکام ہی عمدہ پھل کی ضمانت ہے ۔ پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع اور شاخ ہے ۔ جو شخص شرع کا التزام کرتا ہے وہ صاحب معرفت ہے اور جو اس میں سست ہے ۔ معرفت سے بے نصیب ہے اور جو کچھ خیال فاسد رکھتا ہے وہ ہیچ ہے اور استدراج ہے ۔ جس میں جوگی اور برھمن اس کے ساتھ شریک ہیں . . .' ۔

علمائے ظاہر دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبروں کی خبروں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور دوسروں کو ان اخبار میں شریک نہیں مانتے ، یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم و معارف کی نفی ہوتی ہے ۔ جو دین متین سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ہاں احکام شرعی چار دلائل پر موقوف ہیں ۔ جن میں الہام کی گنجائش نہیں ہے ۔ لیکن ان کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں ۔ جن کے لئے پانچویں اصل الہام ہے ۔ بلکہ کہہ

سکتے ھیں کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ھے اور یہ اصل جہاں کے فنا ھونے تک قائم ھے - یہ الہام دین کے پوشیدہ کمالات کو ظاھر کرنے والا ھوتا ھے - نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کو ثابت کرنے والا ، جس طرح اجتہاد احکام کو ظاھر کرتا ھے - اسی طرح الہام ان اسرار کو ظاھر کرتا ھے - جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے - اگرچہ الہام اور اجتہاد میں واضح فرق ھے - وہ رائے سے ھے اور یہ رائے کے خالق جل شانہ سے منسوب ھے - الہام میں ایک قسم کی اصالت ھے - جو اجتہاد میں نہیں - الہام نبی ص کے اس علام کی مانند ھے - جو سنت کا ماخذ ھے - اگرچہ الہام ظنی ھے اور اعلام نبی ص قطعی . . . امام اعظم رح نے ورع و تقوےٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ بلند مقام حاصل کیا ھے - جس کو دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے ”[۱] -

---

۱- مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۵ بنام صاحبزادگان خواجہ محمد معصوم رح و خواجہ سعید رح -

”وہ معارف جو کشف و الہام کے بغیر بیان کئے
جائیں سرا سر افترا اور بہتان ھیں ۔ معارف کا کمال یہ
ھے ۔ کہ وہ شرع کے ھمنوا ھوں ۔ ۔ ۔ ۔ “

مکتوبات

باب پنجم

معارف و اسرار

"وہ معارف جو کشف و الہام کے بغیر کہے اور تحریر کئے جائیں - یا شہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر و تقریر میں آئیں - سراسر بہتان و افترا ہیں" -[1]

"یاد کرو طریقت میں ہے اور یاد داشت حقیقت میں، یعنی طریقت میں خطرات کو تکلف سے دور کیا جاتا ہے اور حقیقت میں تکلف کے ساتھ بھی خطرات کو بلانا چاہیں تو نہیں بلا سکتے - اور یہی کمال ہے . . ." -[2]

"ذکر میں حق تعالی کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ہو جاتی ہے اور ذاکر و ذکر کے درمیان ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے - جو محبت کا سبب ہوتا ہے اور اس ذکر سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے" -[3]

"جمیعت میں فتور معلوم ہو تو پہلے اس فتور کی وجہ معلوم کریں اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اسی کو وسیلہ بنانا چاہئے" -[4]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۲۷ بنام مولانا محمد طاہر بدخشی -
۲ - " " اول، " ۶۰ -
۳ - " " "، " ۹۲ -
۴ - " " "، " ۹۳ -

”خلق سے رجوع کرنے میں دور شدہ پردے عود نہیں کرتے منتہی مرجوع اور مبتدی (میں جو خلق میں مشغول ہو) فرق ہوتا ہے ۔ یہ ابھی حجاب میں ہے اور اس کے آگے سے حجاب اٹھائے گئے ہیں . . .“ ۔[۱]

”دل کا مرض ماسوائے حق کی گرفتاری ہے ۔ بلکہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے ۔ ہر چاہت مطلب اپنے نفس کے لئےہی ہوتی ہے“ ۔[۲]

”مشائخ طریقت بعض مریدوں کو ان کے کامل ہونے سے پہلے ہی طریقہ سکھانے کی اجازت دے دیا کرتے ہیں ۔ تاکہ طالبوں کے ہمراہ وہ بھی باقی منزلیں طے کر لے“ ۔[۳]

”آدمی جامع تریں موجودات ہے ۔ اس کے باعث بدتریں مخلوق بھی یہی ہے اور اشرف بھی اسی کے سبب سے ہے ۔ کیونکہ اس جامعیت کے باعث اس کا آئینہ نہایت کامل ہے ۔ اگر جہاں کی طرف رخ رکھے تو اتنا مکدر ہو جاتا ہے کہ بیان سے باہر ہے اور اگر حق کی طرف متوجہ ہو تو سب سے زیادہ مصفا اور عمدہ ہے“ ۔[۴]

”فقرا کی خاکروبی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے ۔ آج یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو کل آ جائے گی ۔ لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوتا ۔ مرغن غذائیں اور ریشمی لباس نے تمہیں بلا میں ڈال دیا ہے“ ۔[۵]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۹۹ -
۲ - ” ” ، ” ۱۰۵ -
۳ - ” ” ، ” ۱۱۹ -
۴ - ” ” ، ” ۱۲۹ -
۵ - ” ” ، ” ۱۳۶ -

"وہ نیاز جو درویشوں کے لئے بھیجی تھی - وصول ہوئی - اور فاتحہ سلامت پڑھی گئی - دیکھنا جو طریقہ آپ نے حاصل کیا تھا اور جو نسبت آپ تک پہنچی تھی - اس میں فتور نہ پڑ جائے - رشتۂ محبت قائم ہو تو پھر کوئی غم نہیں ہے . . . قبا ارسال ہے - کبھی کبھی اسے پہنیں اور ادب کے ساتھ رکھیں - اس سے بہت سے فائدے کی امید ہے - اسے با وضو پہنیں اور سبق کا تکرار کریں" -[۱]

"مشائخ کی روحانی امداد اور وسیلے پر ہرگز مغرور نہیں ہونا چاہئے - کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں در حقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں ، توجہ کے قبلہ کا ایک ہونا شرط ہے - ورنہ پراگندگی اور خسارہ ہے" -[۲]

"جب تک روح اپنے اصل مقام یعنی عالم امر کی طرف رخ کرے اسے معرفت کے جمال سے کچھ نہیں مل سکتا - اس دولت کا حصول وقت سے پہلے مرنے یعنی فنا پر منحصر ہے" -[۳]

"مردے اپنے تعلق داروں کی دعا کے منتظر ہوتے ہیں - اور اسے تمام دنیا سے بہتر اور پیاری جانتے ہیں . . ." -[۴]

"ماہ رمضان کو قرآن مجید کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے - قرآن کریم تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ تمام خیرات کا جامع ہے - جو ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں - اسی مناسبت کے باعث قرآن اس مہینے میں نازل ہوا ہے اور اس مہینے میں شب قدر

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۴۲ بنام ملا عبدالغفور سمرقندی -
۲ - " " ، " ۱۴۸ -
۳ - " " ، " ۱۵۹ -
۴ - " " ، " ۱۵۹ -

اس ماہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے ۔ جس کا یہ مہینہ جمعیت سے گزر گیا ۔ اس کا تمام سال جمیعت سے گزرتا ہے . . . ''۔[۱]

''اس طریقہ کی بلندی سنت کے التزام اور بدعت سے بچنے کے سبب سے ہے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ ان بزرگوں نے ذکر جہر سے منع فرمایا ہے اور ذکر قلبی کی طرف رہنمائی کی ہے ۔ سماع و رقص و تواجد سے جو آنحضرتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں نہیں تھے ۔ منع فرمایا ہے اور خلوت اور چلہ سے جو صدر اول میں نہیں تھے ۔ اس کی جگہ خلوت در انجمن کو اختیار کیا ہے ۔ اور اس طرح اس سے بہت سے فائدے مترتب ہوئے ہیں . . ''۔[۲]

''جیسے اوامر کا بجا لانا و نواہی سے بچنا ضروری ہے ۔ ویسے ہی خلق کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں اور ان کے ساتھ غمخواری لازمی ہے . . . ''۔[۳]

''جو کچھ ظاہر ہوتا رہے ۔ ضرور لکھتے رہا کریں ۔ آپ نے نہیں سنا کہ جو مرید تین دن تک اپنے حالات و واقعات کی اطلاع شیخ کو نہ دے ۔ اسے مشائخ کبرویہ کف پا فرماتے ہیں ''۔[۴]

''خلافت کا اجازت نامہ اور مرید کچھ کام نہیں آئیں گے ۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں جو سچی طلب سے آئے اسے طریقہ کی تعلیم دیں ۔ نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنا اصلی کام خیال کریں ۔

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۶۲ ۔
۲ ۔ " " ، " ۱۶۸ ۔
۳ ۔ " " ، " ۱۷۰ ۔
۴ ۔ " " ، " ۲۲۳ ۔

اور اپنے معاملے کو اس کے تابع کر دیں - یہ تو خسارہ اور سراسر نقصان ہوگا '' -[۱]

'' کہیں مریدوں کی گرم جوشی مرشدوں کے کام میں خلل نہ ڈال دے - اس سے ڈرتے رہا کریں مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر ببر کی طرح جاننا چاہئے - اور ان پر فخر نہیں کرنا چاہئے کہ کہیں اس طرح غرور میں مبتلا ہو کر نقصان نہ اٹھا لیں - بلکہ ان کو دیکھ کر شرمندہ ہو کر اپنی طلب میں مزید گرمی دکھانی چاہئے اور همت کرنی چاہئے '' -[۲]

'' استخارہ ہر امر میں مسنون اور مبارک ہے - مگر ضروری نہیں ہے - اس کے بعد دل کی طرف متوجہ ہونا چاہئے - اگر پہلے سے زیادہ رغبت پاؤ تو اس کام کے کرنے پر دلالت ہے - اگر رغبت برابر ہو تب بھی منع نہیں ہے - اگر کم ہے تو ممانعت ہے - اس صورت میں استخارہ کی تکرار کریں جو سات بار تک ہے - تاکہ توجہ کی زیادتی واضح ہو جائے '' -[۳]

''روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہوں اسی جسم مکتسب کے سبب سے ہے اور بزرگوں کی روحانی امداد جسمانی افعال کے مناسب ہے - جیسے کہ مختلف وجوہ اور طریقوں سے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا '' -[۴]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۲۸ -

۲ - ,, ,, ، ,, ۲۳۸ -

۳ - ,, ,, ، ,, ۲۳۹ -

۴ - ,, ,, ، ,, ۲۳۹ -

”ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے اور ظاہر کو غفلت لا حق رہتی ہے خواہ ابتدا ہو یا انتہا ۔ اسی لئے ظاہر ہر وقت ذکر کا محتاج ہے“ ۔[1]

”ذکر ابتدا میں زیادہ مناسب ہے ، درمیان میں قرآن کی تلاوت مناسب ہے اور نماز نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے . . .“ ۔[2]

”نماز کے کمالات کی حقیقت جن پر منکشف ہو جاتی ہے وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہیں مارتے اور وجد و تواجد کو پسند نہیں کرتے . . .“ ۔[3]

”نماز کے علاوہ جو حال میسر ہو اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے کے باوجود دائرہ ظل سے باہر نہیں ہے ۔ نماز کا حال اصل سے حصہ رکھتا ہے . . . کعبہ حقائق الٰہی کے ظہورات کا مقام ہے ۔ نماز نے اس کے وسیلے سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا و آخرت کی جامع ہے . . .“ ۔[4]

”بے اجازت مرید بنانا خیانت میں داخل ہے ۔ اور اکابر دین کا یہ شیوہ نہیں ہے . . .“ ۔[5]

”رجوع کے بعد صاحب رجوع عوام الناس کی طرح یقین کے لئے دلائل و براھین کا محتاج ہوتا ہے ۔ اس درویش کے تمام کلامیہ

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۴۲ ۔
۲ ۔ ” ” ، ” ۲۴۲
۳ ۔ ” ” ، ” ۲۶۱
۴ ۔ ” ” ، ” ۲۶۳
۵ ۔ ” ” ، ” ۱۸۰

معتقدات رجوع سے پہلے بدیہی ہو گئے تھے ۔ اور انہیں محسوسات سے زیادہ یقینی جانتا تھا ۔ لیکن رجوع کے بعد وہ یقین مستور ہو گیا اور عوام کی طرح دلائل کا محتاج ہو گیا . . . '' ۔[1]

'' منتہی کو جس قدر خطرات زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوتا ہے ۔ کیونکہ ایمان کا کمال اس بات کا مقتضی ہے کہ اعلیٰ لطائف کو لطیفہ قالب کے ساتھ بہت زیادہ بے مناسبتی ہو ۔ اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر قالب زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک ہوگا اور خطرے وسوسے اس میں زیادہ ہوں گے ۔ برخلاف مبتدی اور متوسط کے ، جس کے لئے یہ خطرات زہر قاتل ہوتے ہیں . . . '' ۔[2]

'' پیر کا رابطہ ان کے درمیان مناسبت کے کامل ہونے کی علامت ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب کوئی شے نہیں ہے اور یہ رابطہ وہ ہے جو تکلف اور بناوٹ کے بغیر ہو . . . '' ۔[3]

'' جب تک استخاروں کے ساتھ اس بات کا یقین نہ آ جائے کہ طریقہ سکھانا چاہئے تب تک کسی کو طریقہ نہ سکھائیں . . . '' ۔[4]

'' حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب وہ مقام روح تک

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۸۱

۲ - " " ، " ۱۸۲

۳ - " " ، " ۱۸۷

۴ - " " ، " ۲۰۹ بنام میر محمد نعمان بدخشی

نیچے اترے ہیں ، جو عالم اسباب سے بلند تر ہے ۔ لہذا ان سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ،، ۔[۱]

,, انبیائے کرام ؑ کی عظمت نبوت کی راہ سے ہے نہ کہ ولایت کی راہ سے ، ولایت تو نبوت کی خادم ہے ۔ اگر اسے اس پر زیادتی رہتی تو ملائکہ ملائے اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے افضل ہے انبیائے ؑ سے افضل ہوتے ۔ جن لوگوں نے ولایت کو نادانی سے افضل کہا ہے انہوں نے ملائے اعلیٰ کے ملائک کی ولایت کو انبیائے کرام کی ولایت سے جب اکمل دیکھا تو ناچار ملائکہ علیین کو انبیائے کرام سے افضل کہہ دیا اور یوں تمام اہلسنت سے جدا راہ اختیار کی ۔ یہ غلطی نبوت کے کمالات سے مطلع نہ ہونے سے ہے ،، ۔[۲]

,, آج صبح کے حلقے میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ و السلام روحانیوں کی صورت میں تشریف لائے ۔ روحانی ملاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں ، اور اللہ نے ہماری ارواح کو اتنی قدرت عطا کی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر جسمانی حرکات و سکنات اور جسمی عبادات وغیرہ ہماری روحوں سے وقوع پذیر ہوتی ہیں ۔ ہم شرائع کے مکلف نہیں ہیں لیکن قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے اس لئے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں ۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا نہیں ہے صرف اہل اطاعت کے

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۱۶

۲ ۔ ,, ,, ,, ، ,, ۲۶۸

ساتھ اطاعت میں موافقت کرتے ھیں اور عبادت کی صورت کو مد نظر رکھتے ھیں اور یہ بھی معلوم ھوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ھیں اور نبوت کے کمالات فقہ حنفی کے ساتھ ۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے اس کلام کی حقیقت بھی معلوم ھو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذھب کے موافق عمل کریں گے . . . "۔[۱]

"حال باطن کے لئے اور ان احوال کا علم ظاھر کیلئے ھے ۔ جو اولیاء اپنے احوال سے باخبر ھیں اور جو بے خبر ھیں دونوں احوال کے نفس حصول میں برابر ھیں ۔ اگر کچھ فرق ھے تو احوال کے جاننے اور نہ جاننے کا ھے ۔ جب کہ دونوں کا باطن احوال سے لازماً با خبر ھوتا ھے . . . "۔[۲]

"خواجہ اویس قرنیؒ باطنی قرب کے باوجود محض اس لئے صحابہؓ میں سے ادنیٰ فرد کے رتبے کو نہیں پہنچ سکے کہ وہ بدنی قرب نہیں رکھتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا ۔ لہٰذا صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ھے . . . "۔[۳]

"جن لوگوں تک دعوت حق مطلق نہیں پہنچ سکی انہیں محض عقل کے ادراک کی غلطی کی بنا پر مکلف نہیں کیا گیا ۔ یہ لوگ نہ بہشت میں ھمیشہ رھینگے اور نہ ھی دوزخ میں بلکہ آخرت میں حشر کے بعد انہیں مقام حساب میں کھڑا کرکے ان کے گناھوں

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۸۲ بنام میاں بدیع الدین

۲ - " " " ، " ۲۸۴

۳ - " " " ، " ۲۲۲

کے اندازہ کے مطابق عتاب و عذاب دے کر غیر مکلف حیوان کی طرح معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے اور ایسے ھی مشرکوں کے اطفال کا بھی حال ھوگا . . .'' ۔[1]

'' جب تک ظاھری ملاقات میسر نہ ھو۔ دور دراز سے پوشیدہ احوال پر مکمل اطلاع پانا مشکل ھے . . .'' ۔[2]

'' روحانی القا و کلام اس کلام سے جو فرشتے کے ساتھ ھو الگ ھے ۔ انسان کامل کے ساتھ جب خداوند تعالیٰ روبرو کلام کرتا ھے تو اس وقت تمام شہودی پردے دور ھو جاتے ھیں نہ کہ وجودی ، سننے والے کی آنکھیں متکلم کے انوار کی چمک کیسے برداشت کر سکتی ھیں . . .'' ۔[3]

'' مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ھے اور اس کے کمالات نبوت کے کمالات کے ظلال ھیں . . .'' ۔[4]

'' جب سالک مرتبۂ جمع کے مقام سے بلند مقام پر پہنچتا ھے اور سکر کی افراط سے ھوش میں آتا ھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ پاتا ھے اور خدا کا رسول جانتا ھے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا . . .'' ۔[5]

'' ذکر جناب رسالت مآبؐ سے ماخوذ ھے ۔ لہٰذا جتنا ثواب ذاکر کو ملتا ھے اتنا جنابؐ کو بھی پہنچتا ھے ۔ ذکر کا اصلی

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۵۹
۲ ۔ ,, ,, دوم ، ,, ۱۴
۳ ۔ ,, ,, ، ,, ۵۱ بنام خواجہ محمد صدیق
۴ ۔ ,, ,, ، ,, ۷۱
۵ ۔ ,, ,, ، ,, ۸۰

مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر ضمنی اور تابعی امر ہے اور درود میں اصلی مقصود حاجت طلبی ہے ۔ پس جو فیض ذکر قلبی کے راستے سے پیغمبر علیہ السلام کو پہنچتے ہیں وہ ان برکتوں سے کئی گنا زیادہ ہیں جو درود کی راہ سے ان تک پہنچتی ہیں ۔ لیکن ہر ذکر اس مرتبے کا نہیں ہے ۔ صرف قبولیت کے لائق ذکر اس اضافے کے ساتھ مخصوص ہے ۔ جو ذکر ایسا نہیں ہے درود اس سے افضل ہے، جو ذکر طالب نے کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اسے طریقت کے آداب و شرائط کے لحاظ کے ساتھ ادا کرتا ہو ود ذکر درود کہنے سے افضل ہے . . . اسی واسطے مشائخ مبتدی کیلئے صرف ذکر پر اکتفا کرتے ہیں . . .'' ۔[۱]

''لقمہ میں احتیاط لازمی ہے ۔ یہ مناسب نہیں کہ جو کچھ آیا کھا لیا اور جس جگہ سے آیا ہڑپ کر لیا اور شرعی حلال و حرام کا کچھ لحاظ نہ کیا ۔ یہ انسان خود مختار نہیں اپنے مولا کی رضا کا خیال لازمی ہے'' ۔[۲]

''آپ نے لکھا تھا کہ بعض خواتین ذکر حق کی طالب ہیں ۔ اگر محرمات ہیں تو کوئی ممانعت نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں . . . ، نبی کریم رحمت للعلمینؐ کی پیدائش کے بعد دنوں کی نحوست جاتی رہی ہے ۔ فقیر کے نزدیک کسی دن کو کسی دوسرے دن پر ترجیح نہیں سوائے جمعہ اور رمضان کے ایام کے . . . ایام منہیٰ کے لئے جو حدیث نقل کی جاتی ہے وہ بخاری کے شارح کرمانی نے نقل کی ہے اور ضعیف ہے'' ۔[۳]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۵۷
۲ - ,, ,, ، ,, ۶۹
۳ - ,, ,, اول ، ,, ۲۵۶

"سلوک کی سیر میں عروج سالک کے ارادے سے بھی ہوتا ہے اور بلا ارادہ بھی"۔[1]

"ذکر کا تلقین کرنا صرف لکھنے ہی سے کافی نہ تھا اور حضور اور صحبت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے برادر مولانا محمد صدیق کو بھیجنے کی تکلیف دی گئی ہے"۔[2]

"فرشتے اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انسان کا شہود انفس کے آئینے میں ہے۔ لیکن اس دولت کو انسان میں اس کی جزو کی طرح بنایا ہے اور اس کے ساتھ اسے بقا بخشی ہے۔ بقا اور تحقق جیسا کہ انسان کو میسر ہوتا ہے۔ فرشتے کو میسر نہیں ہے اور وہ خاکیوں کی اس خصوصیت سے بے بہرہ ہے۔ اسی واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں۔ اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق ہوئے۔ یہ دولت انسان کو جزو ارضی کی بدولت میسر ہے۔ قلب کو عرش اللہ کہنا عنصر خاک ہی کی بدولت ہے۔ جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ خاک کو اس کی پستی کے باعث یہ رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے۔ اسی کی بدولت انسان اصل میں فنا ہو کر اس سے بقا حاصل کر لیتا ہے۔ یہ دولت کمال کے ساتھ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنہیں خواص بشر کہتے ہیں۔ مخصوص ہے اور ان کی وراثت اور تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں اس سے مشرف کرتے ہیں"۔[3]

"انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں۔ جو عرش میں نہیں ہیں۔ اور نہ ہی عالم کبیر کو ان سے کچھ حصہ ملا ہے۔ انسان میں

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱
۲ - " " " ۱۹۹
۳ - " " دوم ، " ۱۲ بنام برادر خود غلام محمد

ایک جزو ارضی ہے جو عرش میں نہیں اور دوسری ہیئت وحدانی ہے ۔ جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو انسان کی ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے ۔ 'نور علیٰ نور' ہے جو عالم صغیر کے ساتھ مخصوص ہے ۔ پس انسان ایک اعجوبہ ہے ۔ جس نے خدا کی خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور بار امانت کو اٹھانے والا ہو گیا ہے . . . احدیت مجردہ کا آئینہ بننے کی صلاحیت صرف قلب مومن میں ہے'' ۔[1]

'' ذکر نفی و اثبات در رنگ وضو است ، که شرط نماز است ، تا طہارت درست نشود ۔ شروع در نماز ممنوع است'' ۔[2]

'' اگر دل از ذکر گفتن باز ماند ، بزبان بگوئید بشرط اخفا ، که جہر دریں طریق ممنوع است '' ۔[3]

'' الہام که اولیا راہست ، مقتبس از انوار نبوت است و از برکات و فیوض انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات است '' ۔[4]

'' مبتدی طالب ایں راه را از ذکر گفتن چاره نبود که ترقی او مربوط بتکرار ذکر است ، بشرط آنکه از شیخ کامل مکمل گرفته شود '' ۔[5]

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۱۱ بنام خواجه محمد معصوم رح -
۲ - ,, ,, سوم ، ,, ۱۲ -
۳ - ,, ,, ، ,, ۱۳ -
۴ - ,, ,, ، ,, ۲۳ -
۵ - ,, ,, ,, ,, ۲۵ -

”چوں از اله آفاقی و انفسی آزاد شود، دریں زمان مے سزد که بجائے ذکر تلاوت قرآن نماید، و بدولت قرآن ترقیات فرماید“ ۔[۱]

”بسرود و نغمه رغبت نکنند و بالتذاذ آن فریفته نگردند، که آں سمے است عسل اندوده و زهرے است شکر آلوده و از غیبت و سخن چینی مردم خود را محفوظ سازند . . .“ ۔[۲]

تصدیق رسالت اصل ہے اور دوسرے امور مثلاً عذاب قبر وغیرہ کا علم اس اصل کی رو سے حاصل کرنا چاہئے . . ”اصل را با معقول باید شناخت تا فروع بے تکلف معقول و معلوم گردند، هر فرع را بے اثبات اصل معقول شناختن بسیار متعسر است . . .“ ۔[۳]

”عقل هر چند حجت است، اما حجت کامله نیست حجت کامله بعثت انبیاء ؑ تمام شده است“ ۔[۴]

”حقیقت سے دور جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کے رنگ میں تصور کیا ۔ تو لا محالہ منکر ہوگئے اور جن صاحب دولت افراد نے نبی کریم ؐ کو رسالت اور رحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز سمجھا ۔ وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات میں سے ہوگئے“ ۔[۵]

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب ۴ ۔
۲ ۔ ” ” ” ، ” ۳۴ ۔
۳ ۔ ” ” ” ، ” ۳۶ ۔
۴ ۔ ” ” ” ، ” ۴۴ ۔
۵ ۔ ” ” ” ، ” ۶۴ ۔

"شیخ که با مریدان افراط در انبساط نماید مریدان را ناچار از ارادت برآورد ، و در طلب شان فتور آرد . . . " ۔[۱]

"نبیؐ کا ہر پیرو اس کی آل سے ہے . . . " ۔[۲]

"بعض کاملین بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہوتے ہیں - خواہ وہ شرکت ظاہری اعتبارات سے ہو۔ عوام اپنی نارسائی کے باعث ان کے کمالات سے بے بہرہ رہتے ہیں اور انہیں اپنی ہی طرح خیال کرتے ہیں اور جو شخص اوصاف و عادات میں ان سے علٰحدہ ہو اسے بہتر اور بزرگ جانتے ہیں اور فوراً اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے اوصاف کو اگرچہ وہ انبیاء میں موجود ہوں محض اس لئے پسندیدہ نہیں خیال کرتے کہ وہ عوام کے اوصاف و اخلاص کی مانند ہوتے ہیں۔

مخدوم فرید شکر گنج رح کے نسبت یہ حکایت منقول ہے ۔ کہ جب ان کا کوئی لڑکا فوت ہو جاتا تو اس خبر پر انہیں ذرا رنج نہ ہوتا اور اس طرح فرما دیتے کہ سگ بچہ مر گیا ہے جاؤ اسے باہر پھینک دو اور جب حضرت نبی کریمؐ کا بیٹا ابراھیم فوت ہوگیا تو جناب اس کے مرنے پر رو پڑے اور غمناک ہوئے اور فرمایا 'اے ابراھیم تیری جدائی سے میں بہت غم زدہ ہوا ہوں' یعنی بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ غم کا بیان فرمایا پس حضرت فرید شکر گنج رح بہتر ہے یا حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ، عوام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے اور اسے بے تعلق جانتے ہیں اور

---

۵ - مکتوبات دفتر سوم ' مکتوب ۱۰۲ -

۲ - " " ' " ۱۲۱ -

دوسرے معاملے کو عین گرفتاری سمجھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے برے عقیدے سے بچائے ۔ یہ جان ابتلا و آزمائش کا مقام ہے ۔ عوام کو شبہ میں ڈالنا عین حکمت و مصلحت ہے ۔

اصل بات یہ ہے ۔ کہ انبیاءؑ ، ان کے اصحابؓ اور اولیائے کامل کا ایمان شہود کے بعد دعوت کے لئے رجوع کرنے کے باعث غیب کے ساتھ بدل جاتا ہے اور اس طرح بے شمار معاملات میں اس کمال کے باوجود ان کا انداز اور عمل عوام سے مشابہ نظر آتا ہے . . . ''۔[1]

''رابطہ کی نسبت ہمیشہ سالک کو صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور انعکاسی فیوض و برکات کا وسیلہ ہوتی ہے . . . قبض و بسط دونوں اس راستے میں اڑنے کے لئے دو بازو ہیں'' ۔[2]

''نماز میں تکبیر اولےٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی اور برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ارکان کے بعد کہی جاتی ہیں ۔ وہ اس امر کی طرف اشارہ رمز ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوگیا ہے ۔ ہماری کوتاہی اور خالق کی عظمت کے پیش نظر اس کی پاک بارگاہ کے لائق نہیں ہے . . . ''۔[3]

''منتہی نماز میں قرآن کے پڑھنے اور تسبیحات و تکبیرات کے کہنے کے وقت اپنی زبان کو شجر موسوی کی طرح معلوم کرتا ہے

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۲۷۲ -

۲ - ,, ,, ، ,, ۲۴ -

۳ - ,, ,, اول ، ,, ۳۰۴ -

اور کبھی باطن و ظاہر سے پورے طور پر بے تعلق ہو کر عالم غیب کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں . . . "۔[1]

"شریعت کا جو حکم مبتدی پر ہے ۔ وہی حکم منتہی پر ہے عام مومنین اور اخص خواص عارف اس امر میں مساوی اور برابر ہیں . . . "۔[2]

"زکوٰۃ کے طور پر ایک دانگ کا صدقہ کرنا نفلی طور پر سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے کئی درجہ بہتر ہے اور ایسے ہی اس صدقہ زکوٰۃ کی ادائگی میں کسی ادب کی رعایت کرنا مثلاً اس کو کسی قریبی محتاج کو دینا اس کے مقابلے میں دوسروں کو دینے سے اسی طرح کئی درجے بہتر ہے . . . "۔[3]

"کاملوں کی توجہ بہ خلق کا مقصد ہدایت و ارشاد کے فرائض سر انجام دینا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی توجہ جس کا مقصد مخلوق کو ماسوا کی غلامی سے آزاد کرنا ہے ۔ اس توجہ بحق سے کئی درجے افضل ہے جو اپنے نفس کے لئے ہے ۔ مثلاً ایک شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے ۔ اس اثنا میں ایک نابینا آ جاتا ہے ۔ جس کے آگے ایک کنواں ہے ۔ اگر وہ ایک قدم اور اٹھائے تو کنویں میں جا پڑے ، تو اس صورت میں نابینا کو کنویں سے بچانا ذکر کرنے سے بہتر ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذکر سے غنی ہے اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے ۔ جب اس کی مخلصی پر امر الٰہی بھی ہے تو اس طرح یہ دو حق ادا ہوگئے ۔ ایک امر اللہ کا دوسرا خلق کا ۔ بلکہ

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۳۰۵ ۔

۲ - " " ، " ۲۶۷ ۔

۳ ۔ " " ، " ۲۹ ۔

نزدیک ہے کہ اس وقت ذاکر کا ذکر گناہ میں شمار ہو۔ تمام وقت ذکر کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ بعض اوقات ذکر نہ کرنا بھی مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ایام منہی میں اور اوقات مکروہہ میں روزہ نہ رکھنا اور نماز کا ادا نہ کرنا روزہ رکھنے اور نماز کے ادا کرنے سے بہتر و افضل ہے . . . "۔[1]

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۴۶ -

باب ششم

تصانیف

ع 'آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں'

۱ - شرح رباعیات

۲ - رسالہ مبدء و معاد

۳ - معارف لدنیہ

۴ - رسالہ در رد روافض ، رسالہ تہلیلیہ ، تعلیقات عوارف

۵ - مکتوبات دفتر اول ، دفتر دوم ، دفتر سوم

ان تصانیف میں سے رسالہ تہلیلیہ جو رد روافض میں لکھا گیا تھا اور جس کا ذکر زبدۃ المقامات کے مولف نے کیا ہے اپنے اس نام کے ساتھ ہماری نظر سے نہیں گذرا - ہمیں یقین ہے کہ اس سے مراد جناب مجدد الف ثانیؒ کا وہ رسالہ نہیں ہے جو رسالہ در رد روافض کے نام سے مشہور ہے اور جسے نولکشور نے مکتوبات کے خاتمے پر طبع کرایا ہے - جس کا خلاصہ اس عنوان کے تحت دیا جائے گا - رباعیات کی شرح ہماری نظر سے نہیں گزری - آپ کے مکتوبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آپ نے وحدۃ الوجود کے مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے - حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر حضرت خواجہ

باقی باللہ رح کی یہ رباعیات اسرار و معارف سے پر ہیں اور توحید کے مضامین ان میں بیان ہوئے ہیں جب کہ تعلیقات عوارف، عوارف المعارف کے بعض رموز کی شرح و توضیح کیلئے ایک عمدہ رسالہ ہے۔ مکتوبات کو ان تمام تصانیف میں اپنی وسعت، ندرت بیان، کمال معنیٰ، باریک بینی اور تفصیل کے لحاظ سے بڑی اہمیت اور فوقیت حاصل ہے۔ یہ تمام رسائل مکتوبات میں ایک لحاظ سے بیان ہو گئے ہیں۔ تاہم ان کا علٰحدہ علٰحدہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ مبدء و معاد :۔اس رسالے میں جناب مجدد رح کے وہ ارشادات ہیں جو اسرار اور سلوک سے متعلق ہیں۔ انہوں نے اپنی بیعت، قطب ارشاد، سیر سلوک، آداب طریقت، اولیاء کے کمالات، حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن پر اظہار خیال کیا ہے۔ دقیق معانی اور اسرار کی بدولت اس رسالے کا مقام نہایت بلند ہے اور سیر و سلوک کے موضوع پر اس کے مطالعے سے کافی معلومات مل سکتی ہیں۔

معارف لدنیہ :۔ علوم الہامی اور معارف لدنی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے رموز اور حروف مقطعات قرآنی کے اسرار بیان کئے ہیں۔ جذبہ و سلوک کے معارف کا اظہار نہایت عمدہ اور حیرت افزا ہے۔ ان دونوں رسالوں کے سرسری مطالعے سے ہی جناب مجدد رح کی علمیت اور ولایت کے کمالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان علوم کو جناب نے مکتوبات میں ذرا تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ معرفت کا کمال جس سے علمائے الٰہی بہرہ مند ہوئے حروف مقطعات کے علوم و اسرار کا جاننا ہے اور یہ علم محض اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے حاصل ہوتا ہے اور نبی کریم ص کے

تابع افراد کو وراثت کے طوز پر ان علوم و اسرار سے وافر حصہ دیا جاتا ہے۔

رسالہ در رد روافض :- ماوراء النہر کے علماء نے شیعہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ مشہد کے محاصرے کے وقت شیعہ نے اس رسالے کا جواب لکھا تھا۔ اس رسالے میں خلفائے ثلاثہ کی مذمت کی گئی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی گئی تھیں۔ یہ رسالہ جب ہندوستان میں پہنچا تو یہاں کے شیعہ حضرات میں اس کی بنا پر فخر و مباہات کا عام اظہار ہونے لگا۔ وہ امراء و سلاطین کی مجلسوں میں اس کا ذکر کرتے اور اس کو عام شہرت دیتے تھے۔ اس پر حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ”میں معقول اور منقول دلائل سے مجلسوں میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا کرتا تھا اور ان کی صریح غلطیوں پر انہیں مطلع کرتا تھا۔ لیکن آخر کار یہ ضروری سمجھا کہ ان کی شورش کے انسداد کیلئے ان باتوں کو تحریر میں لایا جائے . . .“ اس رسالے میں جناب مجددرحؒ نے دلائل اور براہین سے ، احادیث و اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہؓ کے مابین تنازعات کسی بغض پر مبنی نہیں تھے بلکہ اجتہاد کا نتیجہ تھے۔ خلافت کی ترتیب درست ہے اور شیخینؓ کی فضیلت مسلمہ ہے جیسا کہ ان باتوں کو تفصیل کے ساتھ دفتر دوم کے مکتوب ۳۶ میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم صرف اس کے اس حصے کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں شیعہ کے مختلف بائیس فرقوں کے اعتقادات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ”ان کے بائیس فرقے ہیں اور بعض ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کے رئیس کو جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے حضرت امیرؓ نے مدائن کی طرف ملک بدر کر

دیا تھا - اس کا یہ قول ہے کہ ابن ملجم نے علی رض کو قتل نہیں کیا بلکہ شیطان کو جو اس کی صورت میں متشمل تھا قتل کیا ہے - علی رض تو بادل میں ہیں اور رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے - اس عبداللہ کے پیرو رعد کی آواز سن کے علیک السلام یا امیر المومنین کہتے ہیں - ابو کامل کے اصحاب کا ملیہ کہلاتے ہیں - یہ پیغمبر اسلام ص کے اصحاب رض کی تکفیر کرتے ہیں کہ انھوں نے علی رض کی بیعت نہ کی اور علی رض کی تکفیر اس لئے کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے حق خلافت کو کیوں ترک کر دیا - اس کے علاوہ یہ تناسخ کے قائل ہیں -

طائفہ بیانیہ :- یہ لوگ بیان بن سماع کے اصحاب ہیں - ان کا کہنا ہے کہ خدا انسان کی صورت ہے اور وہ تمام ہلاک ہو جاتا ہے سوائے اپنی روح اور اپنے چہرے کے ، خدا نے علی رض میں حلول کیا - اس کے بعد ان کے بڑے محمد بن حنفیہ میں حلول کیا ، اس کے بعد اس کے بیٹے ہاشم میں اور اس کے بعد بیان میں -

طائفہ مغیرہ :- یہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں - یہ کہتے ہیں کہ خدا نورانی مرد کی صورت پر ہے - اس کے سر پر تاج ہے اور اس کا دل حکمت کا منبع ہے -

طائفہ جناحیہ :- یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذوی الجناحین کے اصحاب ہیں - روحوں کے تناسخ کے قائل ہیں - کہتے ہیں کہ خدا کی روح نے پہلے آدم ع میں حلول کیا اس کے بعد شیث میں اور اسی طرح انبیاء ع اور آئمہ میں ، یہاں تک کہ علی رض اور اولاد تک - اس کے بعد عبداللہ میں حلول کیا - یہ لوگ قیامت کے منکر

هیں ، محرمات کو حلال جانتے ہیں ، شراب ، مردہ جانور اور زنا ان کے نزدیک محرمات سے نہیں ہیں -

طائفہ منصوریہ :- یہ ابی منصور عجلی کے اصحاب ہیں - یہ شخص امام باقرؓ کی خدمت میں تھا - یہ کہتے ہیں کہ ابو منصور آسمان پر گیا تھا - اللہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر مسح کیا اور فرمایا اے 'نبی اذھب فبلغ منی ، اس کے بعد وہ زمین پر اتر آیا - ان کے نزدیک رسالت ختم نہیں ہوتی اور جنت سے مراد وہ امام لیتے ہیں جن سے کہ انہیں محبت ہے - نار سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ عداوت و بغض پر وہ محکوم ہیں ، مثلاً ابوبکرؓ و عمرؓ ، فرائض سے مراد وہ جماعت ہے جس سے محبت کرنے کا انہیں امر کیا گیا ہے اور محرمات سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے عداوت لازمی ہے -

طائفہ خطابیہ :- یہ ابی خطاب اسدی کے اصحاب ہیں - یہ شخص امام محمد جعفر صادقؓ کی خدمت میں تھا جب امام نے اپنے حق میں اس کا غلو دیکھا تو اس سے بیزار ہو گیا اور اسے اپنی خدمت سے علیحدہ کر دیا - اس پر وہ اپنی ذات کے لئے امامت کا داعی بن بیٹھا کہ سب اللہ کے بیٹے ہیں ان میں سے علیؓ اور جعفر صادقؓ سے ابو الخطاب افضل ہے - ان کے نزدیک جنت دنیاوی آسائش کا نام ہے اور دوزخ دنیاوی آلام سے مراد ہے اور یہ دنیا ہرگز فنا نہیں ہوگی - محرمات اور فرائض کا ترک کرنا مباح ہے -

طائفہ غرابیہ :- ان کا قول ہے کہ محمدؐ علیؓ سے مشابہ تھا - اللہ نے وحی علیؓ کی طرف بھیجی تھی - وحی کا حامل فرشتہ جبرائیلؑ کمال مشابہت کی بنا پر غلطی کر بیٹھا اور وحی حضرت محمدؐ تک لے گیا - اسپر وہ حضرت جبرائیلؑ پر لعنت کرتے ہیں -

طائفه ذمیه :- یه لوگ حضرت نبی کریمؐ کی مذمت کرتے ھیں اور کہتے ھیں که علیؓ ھی اللہ ھے اور اس نے حضرت محمدؐ کو مبعوث کیا ھے که لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے ، لیکن اس نے اپنی طرف دعوت دینی شروع کر دی ۔ ان میں سے بعض حضرت نبی کریمؐ کو خدا جانتے ھیں ، بعض کے نزدیک حضرت محمدؐ ، علیؓ فاطمہؓ ، حسنؓ ، اور حسینؓ یه پانچوں ایک شے واحد ھیں اور ان میں روح نے مساوی طور حلول کر رکھا ھے اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ھے ۔

طائفه یونسیه :- یونس بن عبدالرحمن قمی کے پیرو ھیں ۔ یه کہتے ھیں که خدا عرش پر ھے اور ملائکه نے اگرچه اسے اٹھا رکھا ھے لیکن وہ ملائکه سے قوی ھے ۔ کلنگ کی طرح جو اپنے دو پاؤں پر کھڑا تو ھوتا ھے لیکن ان دونوں سے بڑا اور قوی ھوتا ھے ۔

طائفه مفوضه :- یه کہتے ھیں ۔ که خدا نے دنیا کو پیدا کرکے محمدؐ کے حوالے کر دیا اور اسے دنیا کی ھر چیز میں تصرف عام کی اجازت دے کر مباح کر دیا ۔ بعض کہتے ھیں که نہیں دنیا کو علیؓ کے حوالے کیا ۔

طائفه باطنیه :- یه لوگ قرآن کے ظاھر کے نہیں بلکه باطن کے قائل ھیں اور ترک عمل کے علمبردار ھیں ۔ محرمات کو مباح کہتے ھیں ۔ صاحب شرع پیغمبر ان کے نزدیک سات ھیں ۔ آدمؑ نوحؑ ، ابراھیمؑ ، موسیٰؑ ، عیسیٰؑ ، و محمدؐ ، اور محمد مہدیؑ کو پیغمبروں میں شمار کرتے ھیں ۔ شرائع کی تاویلات کرتے ھیں اور ھر معاملے میں شک سے کام لیتے ھیں ۔ وہ کہتے ھیں که حائضه کے

لئے روزہ قضا کرنے کا حکم کیوں ہے ، نماز کا کیوں نہیں ہے ، غسل اخراج منی پر کیوں ہوا بول و براز پر کیوں نہیں ہوا ، بعض نمازوں میں چار رکعتیں کیوں ہیں اور بعض میں دو اور بعض میں تین کے کیا معنی ہیں ؟ ان کے نزدیک وضو سے مراد امام سے موالات کا نام ہے ۔ نماز سے مراد رسول ص ہے ۔ جنت راحت بدن کا نام ہے ، خدا نہ موجود ہے نہ معدوم ، نہ عالم نہ جاہل ، نہ قادر نہ عاجز ۔ جب حسن بن صباح ظاہر ہوا تو اس نے دعوت کی تجدید کی اور امام کی نیابت کا دعوے کیا ۔ ان کے نزدیک کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں ہوتا ۔ شرع سے تمسخر کرتے ہیں اور فلسفے کے دامن کو مضبوطی سے تھامتے ہیں ۔

طائفہ زیدیہ :— یہ زید بن علی بن زین العابدین سے منسوب ہیں ۔ ان میں سے ایک گروہ جارودیہ ہے جو نص خفی سے حضرت علی رض کی امامت کے قائل بنتے ہیں اور اصحاب کی تکفیر کرتے ہیں ۔ دوسرے سلیمانیہ ہیں ۔ یہ کہتے ہیں ۔ کہ امامت لوگوں کے درمیان شوریٰ پر مبنی ہے ۔ ابوبکر رض و عمر رض کو امام مانتے ہیں ۔ اگرچہ لوگوں نے انہیں امام تسلیم کرنے میں خطا کی ہے لیکن یہ خطا فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی ۔ عثمان رض ، طلحہ رض ، زبیر رض اور عائشہ صدیقہ رض کو کافر کہتے ہیں ۔ تیسرے تبریہ میں ۔ یہ سلیمانیوں سے موافق ہیں اور عثمان رض کو بھی امام مانتے ہیں ۔ ان میں سے اکثر آج کل مقلدوں میں سے ہیں ۔ اصول میں معتزلہ کے پیرو اور چند فروع میں امام اعظم رح کے مقلد ہیں ۔

طائفہ امامیہ :— یہ نص جلی سے علی رض کی خلافت کے قائل ہیں اور دوسرے اصحاب رض کی تکفیر کرتے ہیں اور امامت کو امام جعفر رض

تک پہنچانے میں متفق ہیں اور اس کے بعد ان میں اختلاف ہے۔ بہر حال ان میں سے اکثر کے نزدیک ترتیب امامت یوں ہے۔ امام جعفرؓ کے بعد ان کا بیٹا امام ابو موسیٰ کاظم، امام علی بن موسیٰ رضا، محمد بن علی التقی، حسن بن علی الزکی، اور محمد بن الحسنؓ اور یہی صاحب ہیں جنہیں وہ امام منتظر کہتے ہیں . . . . بعض فرقوں کا بیان نہیں کیا گیا ہے . . . .''

اس اقتباس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس فرقے کے لوگوں کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں رافضی کہا گیا ہے۔

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ موجودہ زمانے میں ان فرقوں کے پیروں کی تعداد کتنی ہے اور ان کے عقائد و افکار میں کتنی تبدیلی واقع ہوئی ہے یا ان فرقوں کی تعداد میں کیا کمی یا بیشی ہوئی ہے۔

مکتوبات :۔ ''مکتوبات کے تین دفتر ہیں۔ دفتر اول میں سب سے پہلے وہ بیس عریضے مندرج ہیں جو آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت اقدس میں تحریر کئے ہیں اور جن میں معارف سیر و سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے معارف و اسرار نہایت دقیق ہیں۔ ہاں جن اصحاب نے منازل سلوک طے کی ہوں ان کے لئے ان کا سمجھنا اتنا دشوار نہیں ہے۔ وہ مکتوب جس کی بنا پر دربار جہانگیری میں جناب مجددؒ کی طلبی ہوئی تھی گیارھویں نمبر پر ہے۔

دفتر اول کے مکتوبات کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ ہوتی ہے۔ دفتر اول کا مرتب یار محمد بدخشی طالقانی ہے جو جناب کا ایک

مخلص خادم تھا ۔ جس وقت مولانا محمد ہاشم کشمی برہان پور میں تھا اس وقت جناب نے اس کی طرف یہ تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو تین سو تیرہ مکتوبات پر مشتمل رکھیں کیونکہ یہ تعداد پیغمبران مرسل ؑ ، اور اصحاب بدر رض کے مطابق ہے مولانا محمد ہاشم نے اس مجموعے کی تاریخ درالمعرفۃ نکالی جسے آپ نے پسند فرمایا اور یہ لکھا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں ۔ مکتوب ۳۱۳ میں جو محمد ہاشم کے نام ہے ، آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ اس کے بعد محمد صادق مرحوم رح کے وہ تین عریضے جو اس نے حضرت مجدد رح کی خدمت میں ارسال کئے تھے لکھے جائیں تاکہ ان مکتوبات کے پڑھنے والے صاحبزادہ محمد صادق رح کے حق میں دعائے خیر کریں ۔ للہذا ۳۱۳ مکتوبات کے بعد یہ تین عریضے بھی شامل دفتر اول کئے گئے ہیں ۔

"دفتر ثانی کے مکتوبات کی تعداد اسمائے حسنیٰ کی مطابقت میں ننانوے ہے اور تیسرا دفتر قرآن کی سورتوں کے مطابق ایک سو چودہ مکتوبات پر مشتمل تھا اور دفتر چہارم کی ترتیب شروع کی گئی تھی لیکن ابھی اس کے مکتوبات کی تعداد صرف چودہ تک پہنچی تھی کہ جناب نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی ۔ اس لئے اس دفتر کے مکتوبات کو بھی دفتر سوم کے مکتوبات میں شامل کرنا پڑا اور اس طرح دفتر سوم کے مکتوبات کی تعداد ایک سو اٹھائیس ہو گئی "۔[۱]

دفتر دوم کا مرتب عبدالحی چاکر حصاری ہے اور اس کا تاریخی نام نور الحقائق ہے ۔ دفتر سوم کی ترتیب و تدوین کیلئے

---

۱ - زبدۃ المقامات فصل مکتوبات

محمد نعمان بن شمس الدین بدخشی کی درخواست پر اسے اجازت ملی لیکن ابھی مکتوبات کی تعداد تیس تک ھی پہنچی تھی کہ جناب کو گرفتار کر کے گوالیار میں قید کر دیا گیا۔ اس لئے بقیہ مکتوبات کو ۱۰۳۱ھ میں مرتب کیا گیا۔ گویا تیس اکتیس مکتوبات کے بعد اس دفتر کے تمام مکتوبات نظر بندی کے زمانے سے لیکر آخری وقت تک کے ھیں۔ اس مجموعے کا مرتب میر شمس الدین علی ھے۔ حضرت مجددرح نے میر محمد نعمان بدخشی کو اس ترتیب کے لئے یوں تحریر فرمایا ھے۔

”اگر سیادت پناھی میر شمس الدین علی را نیز در مطالعۂ ایں مکتوب شریک سازند گنجائش دارد و نوشته بودند که شروع در جلد ثالث مکتوبات نمایند، چنیں کنند که اھل اللہ در ھر چه صلاح به بینند . . . مبارک باشد، و چوں به میر مشار” الیه تفویض ایں امر نمایند فرمایند که نسخه را متعدد سازند۔ و یک نقل آنرا بسرہند فرستند مو مسودات را بحفاظت نگاھدارند۔ شاید احتیاج افتد“۔[۱]

اس مجموعے کا مرتب رقمطراز ھے کہ ”جب تعداد ایک سو تیرہ تک پہنچی تو اس پر جلد کو ختم کر دیا گیا کہ اسے لفظ باقی کے عدد سے موافقت تھی لیکن اس کے بعد ایک مکتوب سے متعلق جو اسرار غربیه و علوم جدیده سے لبریز تھا۔ جناب مجددرح نے فرمایا کہ اسے ”مسکة الختام“ کے طور پر شامل کیا جائے۔ اب اس الحاق سے اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد قرآنی سورتوں کے مطابق ایک سو چودہ ھو گئی“۔[۲]

۱۔ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب ۱

۲۔ مکتوبات دفتر سوم، صفحه ۴

ہمارے خیال میں ان مکتوبات کو نئے سرے سے مدون کرنے کی بڑی ضرورت ہے - آپ نے یہ مکتوبات وقتی معاملات کے حل کرنے اور مختلف افراد کے استفسارات کے جواب میں تحریر فرمائے ہیں - اگرچہ آپ نے ایک حد تک یہ اہتمام فرما لیا تھا کہ ایک موضوع پر جو کچھ تحریر فرما دیتے تھے اس موضوع سے متعلق بعد کے کسی استفسار پر اپنے سابقہ مکتوب کا ذکر کرتے یا اس سابقہ مکتوب کی نقل ارسال کر دیتے لیکن اس کے باوجود چونکہ ان مکتوبات کی مدت تحریر جناب کی تبلیغی مساعی کی ابتدا سے لے کر وصال تک پھیلی ہوئی ہے اس لئے اکثر مکتوبات ایسے ہیں جن میں ایک ہی موضوع کا اعادہ اور تکرار ہے یعنی ایک مسئلے کو جناب نے ایک شخص کے لئے بیان کیا ہے اور دوسرے کے لئے بھی اس کی ضرورت کے پیش نظر وہی مسئلہ بیان ہو گیا ہے اور تکرار ہر دفتر کے اندر بھی موجود ہے اور ایک دفتر کے مکتوبات دوسرے دفتر کے مکتوبات کے ساتھ بھی ہم معنیٰ ہوگئے ہیں اور ایسے ہم معنی مکتوبات کی تعداد کم نہیں ہے - اگر ان مکتوبات کو مختلف عنوانات کے تحت جو مسائل کی رو سے مقرر کئے گئے ہوں ، جمع کیا جائے تو اس طرح ان کی ضخامت میں نصف سے زیادہ کمی واقع ہو جاتی ہے جو نہایت مستحسن ہے - اس طرح پڑھنے والوں کے لئے ایک سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ یہ اہم ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے کہ ایک مسئلے یا موضوع پر جناب مجددؒ کے نظریات ایک جگہ دستیاب ہو جاتے ہیں اور ان کا تبلیغی مقصد بدرجۂ اتم پورا ہو جاتا ہے - اگرچہ مرتبوں نے ہر ایک مکتوب کے شروع میں اس مکتوب کا خلاصہ دے دیا ہے لیکن اس کے باوجود ایک

موضوع پر جناب مجددرح کی رائے مکمل طور پر اور تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکتی - یہ کام ہم نے اس مجموعے میں کسی حد تک سر انجام دینے کی کوشش کی ہے -

بادی النظر میں مکتوبات میں ایک تضاد سا معلوم ہوتا ہے جو حقیقت میں تضاد نہیں ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے ، ''ان معارف و علوم میں جو احوال و مواجید سے متعلق ہیں اگر کہیں تناقض مفہوم ہو - تو اسے اوقات و اوضاع کے اختلاف پر محمول کرنا چاہئے - کیونکہ ہر وقت کے احوال علاحدہ ہوتے ہیں اور ہر مقام پر علوم و معارف جدا ہوتے ہیں لیکن در حقیقت کوئی تناقض نہیں ہوتا ہے '' - [۱]

نئی تدوین کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ دفتر اول ، دوم اوو سوم کے ایسے بظاہر متناقض مکتوبات کے اندراج کے وقت متوازی اور متبائن نگارشات کو بھی حاشیے میں درج کیا جائے تا کہ اس فرق کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے - ہم اس کے لئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

دفتر اول کے مکتوب نمبر ۳۵ میں آپ نے یوں تحریر فرمایا ہے - ''نبی کریمؐ معراج کی رات رویت بصری سے مشرف ہوئے اس قسم کا معراج حضورؐ ہی سے مخصوص ہے'' -

اسی نکتے کا اظہار دوبارہ یوں ہوا ہے :

'' تجلی صوری خواہ باطن پر ہو پارہ پارہ کردیتی ہے لیکن خاتم الانبیاءؐ اس داغ سے پاک ہیں - آپ کو دنیا میں رویت میسر

---

۱ - فقرہ ثالثہ مندرجہ زبدۃ المقامات -

ہوئی اور سر مو اپنی جگہ سے متزلزل نہ ہوئے ''۔[۱]

لیکن صورت یہ ہے جسے ذیل کے مکتوب میں سمجھایا گیا ہے اور جسے عام قاری سمجھنے سے قاصر ہے۔

''شب معراج میں آنحضرتؐ کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔ اس لئے کہ جنابؐ اس رات زمان و مکان کے دائرے سے نکل گئے تھے اور ازل و ابد کو ایک آن واحد میں معلوم کر لیا تھا اور ان اہل بہشت کو جو کئی ہزار سالوں کے بعد بہشت میں جائیں گے۔ بہشت میں دیکھ لیا تھا۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں حاصل ہوئی ہے وہ رویت آخرت ہی ہے اور اجماع کے منافی نہیں ہے اسے رویت دنیاوی کہنا مجاز کے طور پر ہے''۔[۲]

دیکھئے یہ تضاد نہیں ہے بلکہ وضاحت ہے جو دفتر اول کے مکتوب ۲٦۱ میں بھی موجود ہے، ''مومن نماز ادا کرتے وقت عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس وقت اس دولت سے بہرہ مند ہوتا ہے جو آخرت سے مخصوص ہے اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے استفادہ کر لیتا ہے۔ ایسی معراج مومنوں کے حق میں نماز ہے''۔

اب اس توضیح کو دیکھے بغیر دفتر دوم کا مکتوب ۹ مطالعہ کریں تو الجھن کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ ''میرے خیال میں جب نبی کریمؐ دنیا میں دولت رویت سے مشرف ہوئے تو ان کے حق میں ایمان شہودی ثابت کرنا جائز ہو سکتا ہے''۔[۳]

۱- مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۱۷ -
۲- ,, ,, ، مکتوب ۲۸۳ بنام صوفی قربان -
۳- ,, ,, دوم - مکتوب ۹ -

بات وهی هے - جس کی تشریح مکتوب ۲۶۱ میں کی گئی هے - لیکن اس حقیقت سے آشنائی تمام مکتوبات کا دقت نظر سے مطالعه کرنے کے بعد هی مسیر آسکتی هے اور یه تضاد دور هو جاتا هے -

اس فقیر نے رساله مبدء و معاد میں یه لکھا هے ، "که حقیقت محمدیؐ اپنے مقام سے عروج کرکے حقیقت کعبه کے مقام تک جو اس سے برتر هے پهنچ کر اس سے متحد هو جاتی هے اور اس جگه اس کا نام حقیقت احمدیؐ هو جاتا هے - کعبه کی وه حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل هے - یه فقیر اس حقیقت کے عدم ظهور کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا اس قسم کے شبہے بہت واقع هوتے هیں که اصل کے ظاهر نه هونے پر اس کے ظل کو اصل سمجھ لیا جاتا هے "-۱

"رساله مبدء و معاد میں فقیر نے چند فقرے انبیائے اولوالعزم کی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں لکھے تھے - یه بات کشف پر مبنی تھی - کشف ظنی امر هے - ان کی فضیلت میں فرق کرنے پر فقیر توبه کرتا هے اور نادم هے . . . "-۲

اسی طرح مکتوب ۶ دفتر دوم اور مکتوب ۱۱ دفتر اول کی وضاحت جناب نے خود هی فرما دی هے - جن لوگوں کے نام یه تفسیری مکتوبات تحریر کئے گئے هیں انهوں نے وضاحت طلب کی تھی - گویا نئی تدوین میں ان امور کا لحاظ رکھ کے کام کرنا هوگا

۱- مکتوبات دفتر اول - مکتوب ۲۶۰ -

۲- " " " - " ۲۰۹ -

اور اس کے لئے عام اصول یہ ھی ھو سکتا ھے کہ بعد کی باتوں کو پہلی باتوں پر مسائل مختلفہ میں ترجیح دی جائے - جہاں تک ھم نے تحقیق کی ھے ان مکتوبات کی ترتیب ان کی تحریر کے اوقات و تواریخ کے مطابق ھی ھے -

ان مکتوبات میں آپ رح کی زندگی کے اھم مقامات پر بھی کافی روشنی پڑتی ھے - ھم صرف ذیل کی باتوں کے لئے ان سے رجوع کرتے ھیں :

۱- مکتوب یاز دھم دفتر اول کی توضیع -

۲- مکتوب ششم دفتر دوم کی حقیقت -

۳- حضرت مجدد رح اور خواجہ باقی رح کے خلفاء کا حضرت مجدد رح سے اختلاف -

۴- امرائے وقت کے نام مکتوبات کی حیثیت -

۵- علامات قیامت اور عیسیٰ ع و مہدی رح کا ذکر -

"حضرت مجدد رح کے جن وقائع اور کشوف پر سب سے زیادہ اعتراض کئے گئے وہ دفتر اول کے مکتوب یازدھم میں درج ھیں اور ان میں حضرت مجدد رح نے اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا ھے . . . ." [۱]

ھم پہلے باب میں اس کے متعلق اپنی رائے پیش کر آئے ھیں - اب اس کی مزید وضاحت کے لئے مکتوبات سے حوالے پیش کرینگے - خلاصہ مکتوب درج ذیل ھے :-

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۱۵۷ -

" کے غلاموں میں سے عاجز غلام ، احمد کی یہ گذارش ہے ۔
یہ کہ وہ مقام جان بندہ نے پہلے پہل اپنے آپ کو دیکھا تھا ۔
جب حضور کے حکم عالی کی رو سے پھر اس کا ملاحظہ کیا تو
تینوں خلفاء رض کا عبور اس مقام میں نظر آیا ۔ لیکن چونکہ وہاں اقامت
و قرار نہیں رکھتا تھا ۔ اسلئے پہلی دفعہ نظر میں نہ آئے تھے . . . .
اللہ تعالیٰ نے جناب کی مہربانی سے یہ عنایت کی ہے کہ نیک اعمال
میں سے کوئی عمل ایسا وقوع میں نہیں آتا جسے کسی تہمت اور
کوتاہی سے پاک پاتا ہو اور یوں خیال کرتا ہے کہ دائیں طرف
کا فرشتہ اعمال نیک لکھنے سے معطل ہوگیا ہے اور ہر شخص کو
جہاں میں حتیٰ کہ کافر فرنگ اور زندیق ملحد کو اپنے سے کئی
درجے بہتر جانتا ہے اور ان سب میں سے بدتر اپنے آپ کو خیال
کرتا ہے . . . . . دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کو دوسری
دفعہ ملاحظہ کرتے وقت ایک دوسرے کے اوپر بہت سے مقامات
ظاہر ہوئے ۔ نیاز اور عاجزی سے توجہ کرنے پر اس پہلے مقام سے
اوپر کے مقام پر پہنچا ۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی‌النورین رض کا
مقام ہے اور دوسرے خلفاء رض کا عبور بھی اس مقام میں واقع ہوا
ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے . . . . اس مقام
کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا ۔ جب وہاں پہنچا ۔ تو معلوم ہوا ۔
کہ حضرت فاروق اعظم رض کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء رض کو بھی
وہاں عبور واقع ہوا ہے ۔ اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رض کا
مقام ظاہر ہوا ۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ کرام رح
میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ
پایا . . . اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
کے مقام کے اور کوئی مقام نہیں ہے ۔ حضرت صدیق رض کے مقام

کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ اور نورانی مقام ظاہر ہوا۔ اور ایسا نورانی مقام کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا۔ جسطرح کہ صفہ کو زمین سے ذرا اونچا کر کے درست کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے۔ نہایت رنگین اور منقش تھا۔ اپنے آپ کو اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا۔ اور اطراف میں ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح پھیل گیا اور بعض اطراف کو گھیر لیا۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندرح حضرت صدیق اکبررض کے مقام میں ہیں بندہ اس کیفیت میں جس کا بیان ہوا ہے اپنے آپ کو اس مقام کے مقابل مقام میں پاتا ہے۔۔۔ اب توجہ پر طاقت نہیں رہی۔ کیونکہ فقیر کسی چیز پر اپنے آپ کو مرکوز نہیں کر سکتا۔ لوگوں کی طرف سے فقیر پر بہت تکالیف گزریں انھوں نے بہت سے ظلم و ستم کئے اور بہت سے میرے متعلقین کو نا حق ویران اور جلا وطن کر دیا۔ لیکن فقیر کے دل پر کسی قسم کا غبار اور ملال نہ آیا۔ چہ جائیکہ کہ ان کے ساتھ کسی برائی کرنے کا خیال دل میں گزرتا۔۔۔۔" ۔[۱]

اس مکتوب میں تین باتیں بڑی نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس حالت میں جناب مجددرح اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بد تر سمجھتے تھے۔ دوسری یہ کہ یہ عریضہ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہرح کے ارشاد کی تعمیل میں ان کی خدمت میں لکھا گیا ہے۔ تیسری یہ کہ اس وقت بھی جناب مجددرح کو ظالموں اور بدبختوں نے تکالیف پہنچانی شروع کر دی تھیں جب کہ متنازعہ فیہ مکتوب کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ مکتوب کے کسی حصے پر تصوف کی

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۱ بنام خواجہ باقی باللہرح

سیر اور سلوک سے واقف حضرات کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ہے - تا ہم اس کی غلط توضیح و تاویل کی بنا پر بڑی عجیب و غریب ستم ظریفیاں کی گئی ہیں اور اس کی بنا پر حضرت مجددرح کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے - آپ نے شیخ بدیع الدین کے استفسار پر یوں اظہار خیال کیا ہے :

"ہم ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ اس عبارت سے مراد حضرت صدیق رض سے اپنی افضیلت کا اظہار ہے - اگر مان بھی لیا جائے تو میں کہتا ہوں - کہ یہ بات اور دوسری باتیں ان واقعات سے نہیں جو میں نے اپنے پیر کی خدمت میں عرض کئے ہیں - ہمارے گروہ میں یہ بات مسلم ہے - کہ جو کچھ ظاہر ہوتا رہے - خواہ صحیح ہو یا غلط بے تحاشا اپنے پیر کی خدمت میں عرض کرنا چاہیئے - تا کہ اس کی تصحیح ہو سکے دوسرا حل یہ ہے - کہ بزرگوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ جزئیات میں سے کسی جزئی امر میں نبی کے سوا کسی اور کو نبی پر فضیلت ثابت ہو جائے - تو کچھ مضائقہ نہیں ہے - بلکہ ایسا ہونا واقعہ ہے - جیسے کہ شہدا کے بارے میں ایسی ایسی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں - جو انبیاء میں نہیں ہیں - لیکن اس کے باوجود کلی فضیلت نبیؑ ہی کے لئے ہے - اگر کسی مقام کی سیر میں کسی کو جزئی برتری حاصل ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے - کیونکہ اس کا حاصل ہونا نبیؐ متابعت کی بدولت ہے اور نبیؐ کے سوا کسی اور بزرگوار پر جزئی فضیلت کا حاصل ہونا بطریق اولیٰ جائز ہے . . . " -[۱]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۱۹۲ -

ایک اور مکتوب میں اس شبے کو یوں دور فرمایا ہے۔ "کہ کبھی سالک مقامات عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بلند پاتا ہے۔ جن کی افضیلت علما کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگواروں کے مقام سے بہت نیچے ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان اسما میں ان بزرگواروں کا اور ان انبیاءؑ کا عروج واقع ہوا ہوتا ہے . . . اسی اشتباہ کی رو سے شیخ بسطامرح نے فرمایا ہے۔ کہ "لوائی ارفع من لواء محمدؐ" (میرا جھنڈا حضرت محمدؐ کے جھنڈے سے اونچا ہے) حالانکہ بسطامیرح کے جھنڈے کی بلندی حضرت نبی کریمؐ کے جھنڈے کی اصل سے نہیں ہے۔ بلکہ اس اصل کا جو نمونہ اسے اس اسم کی حقیقت کے ضمن میں نظر آتا ہے اس سے بلند ہے اسی طرح قلب کی وسعت کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کہ عرش سے زیادہ وسیع ہے۔ حالانکہ قلب میں جو عرش کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اس سے قلب زیادہ وسیع ہے۔ اصل عرش سے نہیں ہے . . . "۔[۱]

"جو اپنے آپ کو حضرت صدیقرض سے افضل جانے وہ یا مردود و زندیق ہے۔ یا جاهل مطلق ہے اهل سنت جماعت کے نزدیک جب وہ شخص جو حضرت امیررض کو حضرت ابوبکررض سے افضل جانے اهل سنت سے نکل جاتا ہے۔ تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے۔ جو اپنے آپ کو ان سے افضل کہے۔ اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے۔ کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بھی بہتر جانے وہ ان بزرگواروں کے کمالات سے محروم رہ جاتا ہے . . . جس عبارت سے لوگوں کے دلوں میں وهم پیدا ہوا ہے اسے

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۲۰ بنام شیخ حمید -

غور سے دیکھنا چاہئے اور اصل معاملہ کو سمجھنا چاہئے۔ محض حاسدوں کی تقلید کرنی مناسب نہیں ہے،،۔[۱]

لیکن اس توضیح کے باوجود فتنہ پسند طبقوں کی تسلی نہ ہوئی اور انھوں نے مکتوب کے پہلے حصے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور بالکل نظر انداز کر دیا جس میں جناب مجددرح نے کافر فرنگ کو بھی اپنے آپ سے بہتر خیال کیا تھا۔ ان کے خلاف حاسدوں نے ایک طوفان بپا کر دیا اور اس طوفان کا اثر آج تک باقی ہے۔ دور حاضر کا ایک ممتاز تاریخ دان اس واقعے کے متعلق یوں اظہار خیال کرتا ہے۔

،، حضرت مجددرح کے کشفی واقعات اور مقامات عروج کے اظہار کا مسئلہ ہے۔ جن پر عہد جہانگیری میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا تھا۔ ان کے متعلق بھی حضرت خواجہ باقی باللہرح کی مسلسل ہدایت تھی کہ ان کے بارے میں اخفا سے کام لیا جائے،،۔[۲]

گویا شیخ محمد اکرام صاحب کے نزدیک آپ کا یہ اظہار حضرت خواجہ صاحبرح کی ہدایت کو نہ تسلیم کرنے پر مبنی تھا حالانکہ معاملہ بالکل برعکس نوعیت کا ہے۔ اسی مکتوب کے شروع میں یہ عبارت ملتی ہے۔ ،، مقامیکہ کہ سابقا خود را دراں دیدہ بود چون حسب الامرالعالی باز ملاحظہ نمود عبور خلفاء . . . ،، یعنی یہ مشاہدہ جناب خواجہ باقی باللہرح کے ارشاد کی تعمیل کے لئے تھا۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق ذیل کے حوالے سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہرح نے ان مقامات کے بارے میں جناب

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۰۲ بنام مرزا فتح اللہ خان حکیم -

۲ - رود کوثر صفحہ ۱۵۲ -

مجددرح سے بڑی تاکید کے ساتھ اپنے ذیل کے مکتوب میں استفسار فرمایا ہے ۔

''در مقام حضرت فاروقرض نظر بنیدازند که داخل آں مقام شده بنزول آمده اند یا از راه دیگر بکنار آمده اند ۔ شاید که مخلوقیت فوق نقطه به سبب عدم تقرر دراں مقام شده باشد ، بارے البته عنایت نمایند ۔ و نیک تفتیش نمایند که خیلے خاطر نگراں است ۔ التماس دیگر آں در باب فنائے بشریت نیز توجه فرمایند . . . '' ۔[1]

اب اسے جناب مجددرح کی طرف جناب خواجه صاحبرح کی حکم عدولی قرار دینا کہاں کی دانائی ہے ۔ شیخ محمد اکرام صاحب کو جیسا که رود کوثر میں تفصیل سے اس کا اظہار موجود ہے ، جناب مجددرح کے انداز اصلاح سے اتفاق نہیں ہے ۔ جب کسی ناروا عمل کے معلوم کرنے پر جناب مجددرح کی فاروقی رگ حرکت میں آتی ہے تو اسے شیخ صاحب اچھا نہیں سمجھتے اور اس کی ایک وجه یه ہے که انھوں نے اپنے مطالعے کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہرح کو اپنا ہیرو تسلیم کیا ہے اور شاہ صاحب کی شخصیت ، جامعیت یعنی شیعه سنی خیالات میں مطابقت کرنے اور راہ اعتدال اختیار کرنے کی بنا پر ، ان کی نظر میں بڑی جاذب ہے اور اس طرح شاہ صاحب کو وہ نقشبندی باقویرح سلسلے سے ثابت کرنے میں بڑا زور دیتے ہیں اور ان کے روحانی استفادے کو مجددیرح سلسلے سے منقطع ہونے کو ہی ان کے کمال کی ایک وجه بتاتے ہیں اور اس نتیجے کی خاطر حضرت خواجه باقی باللہرح کی طبع مبارک

---

۱ - زبدة المقامات (مترجم) صفحه ۱۵۵ ، حواله مکتوبات ، حضرت خواجه باقی باللهرح ۔

کی عاجزی اور انکساری کے حوالے دیتے ہیں تاکہ اس طرح
حضرت مجددرح کا مسلک ایک طرح سے حضرت باقی باللہرح کے
مسلک سے علاحدہ محسوس و معلوم ہو سکے اور ان کا یہ نظریہ
اس خیال پر مبنی ہے کہ مجددیہ تحریک میں ایک جوش ، ولولہ
اور اپنی ذات کے بارے حد سے بڑھی ہوئی خوش فہمیاں اور
تعلیاں ہیں جن کی بنا پر تبلیغی کام کے سر انجام دینے میں
انھیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوسکی - ہمیں یہ تسلیم ہے کہ متاخرین
حضرات نے واقعی غلو سے کام لیا ہے - لیکن حضرت مجددرح کی
شخصیت میں اگر عمل کے اس رخ میں عاجزی ہوتی تو اس زمانے
کے حالات کے مقابلے میں انھیں مطلقاً کامیابی حاصل نہ ہوتی اور
اگر شاہ صاحبرح کے مزاج میں عمل کے اس رخ میں سختی
ہوتی تو ان کے زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے
ہیں کہ ان کی تحریک کی کامیابی بالکل ناممکن ہو جاتی - ہمارے دل
میں ان دونوں بزرگواروں کے لئے بڑا احترام ہے لیکن ہم کسی
وقتی تقاضے کی بنا پر حضرت مجددرح کی شخصیت کو شاہ صاحبرح
کے مقابلے میں کم کرنے کی کوشش کو پسند نہیں کر سکتے
اور اس کے لئے کوئی حیلہ قابل قبول نہیں جانتے اور دلائل کے
بغیر شاہ صاحب کو امام الہند ماننے سے ہمیں انکار ہے -

شیخ محمد اکرام صاحب نے اگر حضرت شاہ ولی اللہرح کی
کتاب فیوض الحرمین کو زیادہ غور سے دیکھا ہوتا تو شاہ صاحبرح
کے متعلق بھی ان کی وہی رائے ہوتی جو انھوں نے حضرت
مجددرح کے بارے میں ان کے جوش و ولولے اور ادعا کی بنا پر
قائم کی ہے - حضرت شاہ ولی اللہرح نے فیوض الحرمین میں مکاشفات

عروج و مشاهدات اور ذاتی بلندی کا جو ذکر کیا ھے وہ مکتوب یازدھم سے کسی طرح کم نہیں ھے - شیخ صاحب نے صفحہ ۱۸۷ پر صوفیه کے احوال کے بارے میں جو اظہار خیال کیا ھے - وہ بڑی کم علمی پر مبنی ھے -

II

مکتوب ششم دفتر دوم : ''میں سمجھتا ھوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ھے کہ ولایت محمدیؐ ولایت ابراھیمؑ کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت، اس ولایت کے حسن صباحت سے مل جائے - ملت ابراھیمیؑ کے اتباع کے امر سے یقیناً اس دولت عظمیٰ کا حصول مقصود ھوگا اور حضرت ابراھیمؑ کے برکات و صلوات جیسی برکات کا طلب کرنا اسی غرض کے لئے ھوگا . . . . وہ مقصود حاصل ھوگیا ھے اور ھزار سال کی دعا قبول ھو گئی ھے . . . ''-[1]

اس مکتوب کی وضاحت خواجه محمد هاشم کشمیؒ کے نام دفتر دوم کے مکتوب ۹۷ میں ملتی ھے ''محبوبیت محمدیهؐ کے مقام کا درجۂ بلند تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ھے - کہ مشاطگی کا منصب کسی طرح ممنوع نہیں ھے - اگر کوئی دلال اپنی دلالت کی خوبی سے دو حسینوں کو ایک دوسروں کے ساتھ ملا دے اور ایک کے حسن کو دوسرے کے حسن میں خلط ملط کردے، تو یہ اس کی کمال خدمت گزاری ھے اور اس طرح اس کی اپنی شرافت اور سعادت ھے اور یوں ان دونوں حسینوں کے جمال کی شان میں کوئی نقص واقع نہیں ھوتا - اسی طرح مشاطگی کرکے ان دونوں صاحب جمالوں

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۶، بنام برخوردار خود خواجه محمد معصومؒ

کے حسن کو نکھار دے تو ان کی شان میں کوئی قصور نہیں آتا - اس کی اپنی شرافت و عزت بڑھتی ہے . . . غرض جو نفع اور فائدہ صاحب دولت بزرگواروں کو غلاموں اور خادموں کی جہت سے ملتا ہے - کوئی ممنوع نہیں ہے اور نہ اس سے ان کا کوئی نقصان ہے - وہ شخص بہت ہی بے نصیب ہے - جسے اپنے غلاموں سے فائدہ نہ پہنچتا ہو - ہاں ہم رتبہ اشخاص سے فائدہ اور نفع طلب کرنا نقصان اور قصور کو مستلزم ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (تجھے اللہ اور تابع مومن کافی ہیں) ابن عباس[رض] نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت فاروق[رض] کے ایمان لانے پر نازل ہوئی ہے - یہ بات واضح ہے کہ ادنیٰ لوگوں کی خدمت سے بزرگوں کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے - اگر کوئی شخص ظاہر بات کو بھی نہ معلوم کرسکے تو عبارت کا اس میں کیا قصور ہے - بادشاہ اور امیر اپنی شان و شوکت کے لئے نوکروں، چاکروں کے محتاج ہیں اور اس طرح ان کی طرف کوئی نقص واقع نہیں ہوتا - اس احتیاج کو ہر شخص جانتا ہے - لیکن یہ فرق جاننا چاہئے کہ اپنے سے اونچے کی طرف سے جو نفع آتا ہے - اس میں اپنے خادم کی طرف سے نفع و فائدہ کے حصول میں بڑا فرق ہے - فائق یا ہمسر کی طرف سے فائدہ نقص کو مستلزم ہے - لیکن خادم کی طرف سے فائدہ کمال کو مستلزم ہے . . . ''[1]

III

حضرت خواجہ باقی باللہ[رح] کے چند خلفا اور جناب مجدد[رح] کے درمیان معمولی سا اختلاف ہوگیا تھا جو بعد میں دور ہوگیا -

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۹۷ -

دیکھئے اس کی اصل وجہ کیا ہے - کیا جناب مجددؒ نے حضرت خواجہ صاحبؒ کے مسلک سے علاحدہ کوئی طریقہ اختیار کر رکھا تھا یا دوسرے حضرات آزاد منشی کے شکار تھے اور حضرت خواجہؒ کے صحیح جانشین کے مسلک سے احتراز کرتے تھے ؟

''بعض یاروں کے متعلق لکھا ہوا تھا - اس فقیر نے ان کے قصوروں کو معاف کیا - اللہ معاف فرمائے - لیکن یاروں کو نصیحت کریں - کہ حضور و غیبت میں آزار و تکلیف کے درپے نہ ہوں اور اپنی وضعوں کو نہ بدلیں '' -[1]

''یہ رجوع و انابت جو آپ کو از سرنو اللہ نے عنایت کی ہے - اس کو بڑی نعمت خیال کریں اور حق تعالیٰ سے اس پر استقامت طلب کریں '' -[2]

''ہمارے خواجہ قدس سرہؒ فرمایا کرتے اور لکھا کرتے تھے - کہ تمہارے علوم سب صحیح ہیں - لیکن کیا فائدہ جب کہ حضرت خواجہؒ کی بات آپ پر حجت نہیں ہے - اگرچہ آپ نے اپنے آپ کو پیر پرست ظاہر کر رکھا ہے '' -[3]

''اس طریقے میں بعض متاخرین نے نئی نئی باتیں نکالی ہیں اور بزرگوں کے اصل راستے کو ترک کر دیا ہے - ان کے بعض مریدوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اس طرح یہ طریقہ کامل ہوگیا ہے - ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے . . . افسوس ہزار افسوس ، کہ جن بدعتوں

---

۱ - مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۲ بنام مرزا حسام الدین
۲ - " " " ۱۰۶ بنام محمد صادق کشمیری
۳ - " " " ۱۰۷ "

کا دوسرے سلسلوں میں نام و نشان تک نہیں ہے وہ بھی اس طریقے میں پیدا کردی ہیں ۔ نماز تہجد با جماعت ادا کرتے ہیں . . . ''۔[1]

''ان دنوں نقشبندیہ نسبت شریفہ عنقا ہوگئی ہے اس گروہ کی ایک جماعت نے اس جوہر کو چھوڑ کر چند خزف ریزوں پر قناعت کرلی ہے کبھی ذکر جہر سے تسلی مانگتے ہیں اور کبھی چلے اختیار کرتے ہیں اور بدعتوں کو اس طریقے میں داخل کردیا ہے اور یہ سب کچھ اپنی کم ہمتی اور اس دولت عظمیٰ کے نہ پانے کی وجہ سے ہے . . . ان لوگوں نے یہاں تک بدعتوں کو رواج دیا ہے ۔ کہ اگر مخالف یہ بات کہیں کہ اس طریقے میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بجا ہوگا . . . ''۔[2]

''اہل خسران کی پریشان باتوں سے رنج نہ اٹھائیں اور اپنے کام میں مصروف رہیں اور ان کے مکافات اور بدلے کے درپے نہ ہوں ۔ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے ۔ ان کی متناقض باتیں ہی ان کے بازار کی رونق کو کم کر دینگی ''۔[3]

''ہمارا طریقہ وہی حضرت ایشان کا طریقہ ہے اور ہماری نسبت حضرت خواجہ باقی باللہ رح ہی کی شریف نسبت ہے ۔ اس طریق سے بڑھ کر اور کونسا طریق ہے اور اس سے بڑھ کر اور کونسی نسبت ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر صنعت اور ہر نسبت کی تکمیل

---

۱ ۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۱ بنام خواجہ محمد اشرف کابلی
۲ ۔ " " " ۱۶۸ بنام خواجہ محمد قاسم
۳ ۔ " " " ۲۰۴ بنام میر محمد نعمان بدخشی

مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر منحصر ہے ،، ـ۱

,,کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں ـ فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے ـ جو دین میں پیدا کریں ـ طریقے کی برکات اسی وقت تک قائم رهتی هیں ـ جب تک اس میں کوئی نئی بات پیدا نه هو . . . ،، ـ۲

,,سننے میں آتا هے که مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت کرتے هیں ـ سرود و قصیده خوانی کی مجلس جمعه کی راتوں کو منعقد کرتے هیں اور اکثر یار اس امر میں موافقت کرتے هیں ـ بڑے تعجب کی بات هے ـ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کی تقلید کا بہانه کر کے ایسے امر بجا لاتے هیں ـ اگرچه حق بجانب نہیں هیں ـ همارے طریقے میں یه حرکات ایک تو طریقت کی مخالفت هے اور دوسری شریعت کی . . . ،، ـ۳

,,آپ نے لکھا تھا که مخدوم زاده کلاں اور جمال الدین حسین ، میاں اله داد کی تلقین کی شرم کے مارے وهاں نہیں پہنچ سکے ـ میرے مخدوم اس قسم کی باتوں سے ابھی طرفداری کی بو آتی هے اور بیگانگی اور مخالفت مفہوم هوتی هے . . . مخدوم زاده کلاں کو چاهئے تو یه تھا ـ که اپنے والد بزرگوار کی وصیت کی شرم کرتے ـ یا اس توجه اور افادے کی شرم کرتے ـ جو حضرت ایشان قدس سره

---

۱ ـ مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۲۹ بنام مرزا حسام الدین

۲ ـ ,, ,, ,, ۲٦۷ ,, ,,

۳ ـ ,, ,, ۲٦٦ بنام مخدوم زادگان خواجه عبداللهؒ و خواجه عبیداللهؒ

کے حضور میں ان کے امر کے بموجب دونوں مخدوم زادوں کی نسبت
کی گئی تھی اور میاں شیخ الہ داد پیر پرستی کے دعوے کے باوجود
اتنی جرأت نہ کرتے۔ وصیت اور سبقت افادہ کا ملاحظہ کرتے۔ جو
کچھ آپ نے لکھا ہے۔ حق و صواب ہوگا۔ لیکن وہ مکتوب جو
مخدوم زادہ کلاں نے اپنے برادر عزیز کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اس میں
بڑی تواضع اور طلب و شوق کا اظہار تھا۔ شاید اس کے بعد طبیعت
بدل گئی ہو۔ فقیر جانتا ہے۔ کہ حضرت ایشان قدس سرہ کی وصیت
بے حکمت نہیں ہوگی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ طلب جو ان کے
مکتوب سے مفہوم ہوتی تھی۔ برباد نہ ہو جائے۔۔۔ اگر کام صرف
تلقین سے ہی تمام ہو جاتا ہے۔ تو مبارک ہو۔ فقیر کے نزدیک
ذکر کا تلقین کرنا بچوں کو الف بے پڑھانے کی طرح ہے۔ اگر اسی
سے مولویت کا ملکہ حاصل ہوجاتا ہے۔ تو مضائقہ نہیں۔ آپ کی
مہربانی اور توجہ سے امید ہے کہ آپ طرفداری کو چھوڑ کر سب
یاروں کے ساتھ یکساں محبت و آشنائی کرینگے۔۔۔"۔[1]

گویا اس وقت جناب خواجہ صاحبؒ کے خلفائے کرام اپنے
مخدوم زادوں کو اپنی بے راہ روی کے لئے سپر بنائے ہوئے تھے
اور ان سے حضرت مجددؒ کی ناراضگی اور ان کی جناب مجددؒ سے
دشمنی اور عداوت شرعی معاملات اور طریقت میں بدعات رائج
کرنے کی بنا پر تھی۔ جناب مجددؒ کو یہ امر ناگوار تھا
جب کہ دوسرے حضرات اسے پسند فرماتے ہیں۔

"امید ہے کہ مخدوم زادہ عین الیقین کا بیان طلب کرنے کی
بجائے طلب حال کی طرف میلان فرمائیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۲۶ بنام مرزا حسام الدین

عین الیقین علم میں سما سکے ، مشکل کام ہے ۔ فقیر کیا کرے اور کیا کہے اور آپ کو کس طرح سمجھائے . . . "۔ ۱

دفتر دوم کا مکتوب ۵۹ خواجہ عبداللہؒ کی خدمت میں ارسال کیا ہے ۔ اس میں کشف کے بارے میں انھیں رموز سمجھائے ھیں ۔ گویا صاحبزادے کی ان سے خط و کتابت ھوتی رھتی تھی اور وہ ان سے استفادہ کرنے میں استقامت کا اظہار فرمانے لگے تھے ۔

اس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ مخدوم زادے جناب مجددؒ کی طرف مائل تھے ۔ اگرچہ میاں الہ داد نے انھیں ذکر کی تلقین کرکے اپنے حلقے میں شامل کر لیا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود ان کی تشفی اور تسلی دوسرے مرکزوں سے نہیں ھوئی تھی اور وہ اپنے والد گرامی کے ھونہار اور کامیاب مرید جناب مجدد الف ثانیؒ کی ذات سے استفادہ فرمانے کے خواھاں تھے اور اس کے راستے میں دوسرے احباب سدراہ تھے ۔ ھمارے خیال میں حضرت مجددؒ کو عہد جہانگیری میں جن مصائب سے دو چار ھونا پڑا ان کی دوسری وجوھات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ ان خلفاء کی جناب مجددؒ سے مخالفت بھی ھوگی ۔

IV

شیخ محمد اکرام صاحب نے رود کوثر کے صفحہ ۱۷۵ پر یہ بیان فرمایا ھے کہ "ان مکتوبات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے خیال ھوتا ھے کہ ان کے بعض خطوط کسی معمولی مقصد کے لئے لکھے گئے ھیں اور ان امراء سے باقاعدہ خط و کتابت

---

۱ - مکتوبات دفتر دوم ، مکتوب ۳۵ بنام مخدوم زادہ خواجہ عبداللہؒ

نہیں تھی،، اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امراء کے نام خطوط نیازمندانہ قسم کے ہوں گے اور جناب نے اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے مراعات حاصل کرنے کے لئے بھی لکھے ہونگے لیکن صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے ۔

مکتوبات کی تعداد ۵۴۰ ہے ۔ ان میں بمشکل گیارہ مکتوبات ایسے نکلتے ہیں جن میں آپ نے کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی غرض سے کچھ لکھا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ہی کسی اہم مسئلے اور نکتے کو بھی بیان کر دیا ہے ۔ مختلف امراء کے نام مکتوبات کی تعداد تقریباً یہ ہے :

۱۔ عبدالرحیم خانخانان : ۱۰ دفتر اول ، ۴ دفتر دوم = ۱۴

۲۔ حسام الدین : ۹ دفتر اول ، ۴ دفتر دوم ، ۳ دفتر سوم جن میں سے دو مکتوب ایسے ہیں جو ایک ہی مطلب کے ہیں یعنی اس طرح کل = ۱۵

۳۔ شیخ فرید بخاری : ۲۱ دفتر اول = ۲۱

۴۔ مرزا فتح اللہ حکیم : ۳ دفتر اول = ۳

اسی طرح ممتاز امراء میں مندرجہ بالا امراء کے علاوہ مرزا داراب ، صدر جہان ، محمد قلیج خان ، مرزا ایرج ، خان اعظم ، حکیم صدرا وغیرہ شامل ہیں ۔ ان سب کے نام مکتوب کی تعداد ۱۰۰ سے اوپر ہی ہے ۔ اپنے صاحبزادوں ، مشائخ کرام ، عالموں ، قاضیوں اور دوسرے رفقاء کے نام مکتوبات میں جن باتوں کا ذکر کرتے تھے اسی نوعیت کی باتیں اور شریعت و تصوف کے بارے میں ضروری نکات امراء کے نام جو مکتوبات ہیں ، ان میں بھی بکثرت موجود ہیں اور ان کی اہمیت کسی طرح دوسرے حضرات کے

نام لکھے ہوئے مکتوبات سے کم نہیں ہے - ہم نمونے کے طور پر صرف ایک مکتوب کو پیش کرتے ہیں -

"تواضع دولت مندوں سے اچھی ہے اور استغنا فقرا سے کیونکہ معالجہ ضد کے ساتھ ہوتا ہے - آپ کے تینوں خطوط سے استغنا کے سوا کچھ مفہوم نہ ہوا . . . آپ نے فقراء کی بہت خدمت کی ہے - اس میں کیا شک ہے - لیکن آداب خدمت کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے - ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہے . . . متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا ٹھیک ہے . . . کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبندرح کو کہا کہ یہ شخص متکبر ہے - آپ نے فرمایا کہ میرا تکبر خدا کی طرف سے ہے - آپ اس گروہ کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں . . . آپ کے دوستوں کو لازم ہے - کہ جو کچھ آپ کی خدمت میں عرض کریں - حقیقت حال کو مدنظر رکھا کریں اور جو مشورہ دیں - اس میں آپ کی بہتری منظور رکھیں - نہ کہ اپنی مصلحتوں کو کہ یہ خیانت ہے . . . اگرچہ اس قسم کی باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں لیکن آپ کے خوشامدی بہت ہیں - انہی پر کفایت کریں فقراء کی محبت سے یہی مقصود ہے کہ پوشیدہ عیبوں پر اطلاع ہو جائے - ان باتوں کا ظاہر کرنا آپ کو تکلیف دینے کی غرض سے نہیں بلکہ خیر خواہی اور محبت کی غرض سے ہے . . . "-[۱]

یہ مکتوب خانخاناں کے نام ہے قیاس کن زگلستان من بہار مرا

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

(میر دردرح)

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۶۸ -

V

تشابہ

آپ نے حقیقت محمدیؐ اور حقیقت احمدیؐ کے اسرار بیان کرکے یہ فرمایا ہے کہ "حضرت عیسیٰؑ نزول کے بعد جناب نبی کریمؐ کی شریعت کی متابعت کرینگے اور اپنے مقام سے عروج کرکے تبعیت کے طور پرحقیقت محمدیؐ کے مقام پر پہنچ کر دین کی تقویت کرینگے سابقہ امتوں میں ہزار سال کے بعد اوالعزم پیغمبر آکر شریعت کو تقویت دیتے تھے اور نئی شرع کو رواج دیتے تھے۔ چونکہ خاتم الرسلؐ کی شرع تنسیخ و تبدیلی سے محفوظ ہے۔ اس لئے امت کے علما کا درجہ انبیاء کا سا ہے اور اس کے ساتھ اولوالعزم پیغمبرؑ کو حضورؐ کی شرع کا تابع بنایا گیا ہے . . . حضرت مہدیؒ جن کی تشریف آوری کی نسبت خاتم الرسلؐ نے بشارت فرمائی ہے۔ ہزار سال کے بعد پیدا ہونگے اور حضرت عیسیٰؑ بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے . . . "۔[1]

"امید ہے کہ ہزار سال گزرنے پر یہ دولت از سر نو تازہ ہو اور غلبہ حاصل کرے اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلی کمالات پوشیدہ ہو جائیں ۔ حضرت مہدیؒ ظاہر و باطن میں اسی نسبت کو رواج دیں گے . . . "۔[2]

"الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے ۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مہدیؒ دونوں دونوں عادل گواہ ہیں . . . "۔[3]

---

۱ - مکتوبات دفتر اول ، مکتوب ۲۰۹ بنام میر محمد نعمان -
۲ - " " ، " ۲۶۰ بنام صاحبزادہ محمد صادقؒ
۳ - " " ، " ۲۶۱ بنام میر محمد نعمان -

قریب قریب انہیں باتوں کا اظہار اپنے صاحبزادوں کے نام مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں کیا گیا ہے اور مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم میں بھی مجدد الف ثانیؒ اور مہدیؒ و حضرت عیسیٰؑ کے فیوض و برکات کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے ۔

خان جہاں کو مکتوب ٦٧ دفتردوم میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ قیامت کی جو علامات احادیث میں مذکور ہیں سب برحق ہیں اور حضرت مہدیؒ کے حق میں علامتیں دی گئی ہیں ۔ وہ بھی سب درست ہیں ۔ اس مکتوب میں احادیث میں بیان کردہ ان علامات کا ذکر کرکے مہدی جونپوری کے مہدی ہونے کی تکذیب کی ہے اور شیخ ابن حجر کے اس رسالے کا ذکر فرمایا ہے جس میں انہوں نے مہدی منتظر کی علامات ۲۰۰ تک بیان کی ہیں ۔ خواجہ محمد اشرف کے نام مکتوب ٦٨ دفتر دوم میں یہ فرمایا ہے کہ ان دنوں نورانی ستون اور دم دار ستارے کا ظہور مہدیؒ کے ظہور کے مقدمات اور مبادیات ہیں اور ان کے ظہور کا وقت نزدیک ہے ۔ اس مفہوم کے دو ایک مکتوب اور بھی ہیں جن میں زمانے کی بڑھتی ہوئی بے دینی ، بے چینی اور بدعتوں کے کمال عروج کے پیش نظر جناب نے مہدیؒ کی آمد کو نزدیک قرار دیا ہے ۔ اب بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب کے یہ ارشادات مرور زمانہ کے ساتھ غلط ثابت ہوتے ہیں اور مہدی موعود ان نشانیوں کے ساتھ جو جناب نے احادیث کے حوالوں سے بیان کی تھیں تشریف نہیں لائے اور اس طرح جناب کے دوسرے ارشادات میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے ۔

اس کا جواب یہ ھے کہ یہ فیصلہ جناب نے ان احادیث کی روشنی میں کیا ھے جن میں زمانے کی بدحالی کو مہدیؓ کی آمد کا ایک مقدمہ بتایا گیا ھے - حضرت مجددؒ کے عہد میں زمانے کی بدعنوانیاں کچھ کم نہیں تھیں، لہذا ان کا ان کے پیش نظر مہدیؓ کی آمد کو گیارھویں صدی ھجری میں تعین کرنا ان کے کمال کے منافی نہیں ھے اور اس سے کسی طرح ان کے دوسرے معارف کو نقصان نہیں پہنچتا ھے بلکہ اس سے ان کے اس مزاج کا پتا چلتا ھے کہ وہ اصلاح کے بڑے تمنائی تھے اور زمانے کی بدعتیں اور برائیاں بڑی شدت کے ساتھ انہیں متاثر کرتی تھیں اور وہ ان کے سدباب کے لئے بڑی مستعد تھے اور ان کی ایک صورت یہ تھی کہ انہیں ان کے مشاھدے سے قیامت کی نزدیکی اور مہدیؓ کی آمد کا خیال پیدا ھوگیا تھا - اسے ھم تشابہ کہہ سکتے ھیں اور اپنے وقت کی دینی کمزوریوں کے پیش نظر آج بھی ایک شخص ایسا سوچنے میں حق بجانب ھے کہ قیامت ابھی آیا چاھتی ھے - جناب مجددؒ نے کسی جگہ حضرت مہدیؓ کی آمد کو اپنے کشف کی رو سے گیارھویں صدی مین متعین نہیں کیا ھے - ان مکتوبات میں مدت کا یہ تعین حالات کو دیکھ کر استدلالی طور پر ھے اور جو شخص زیادہ صالح ھوگا وھی بے دینی کو بڑی شدت کے ساتھ برا محسوس کریگا - آپ نے اسی شدت احساس کی بنا پر اپنے وقت کی بے دینی کو اس کے کمال پر پایا اور یوں اس کے پیش نظر موعود حضرات کی آمد کو فوری قرار دیا ھے -

باب ہفتم

حضرت مجددؒ کی چند سوانح عمریاں

۱ - برکات الاحمدیہ الباقیہ :- یہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کی تالیف ہے - یہ صاحب جناب مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ۱۰۳۱ھ میں حاضر ہوئے اور دو سال تک حاضر خدمت رہے - یہ کتاب اپنے تاریخی نام 'زبدۃ المقامات' سے مشہور ہے - پہلے حصے میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ ، ان کے صاحبزادگان اور خلفاء کے حالات اور دوسرے حصے میں جناب مجدد الف ثانیؒ کے ، آپ کے فرزندان گرامی اور آپ کے خلفاء کے حالات مندرج ہیں - ان بزرگواروں کے حالات ، کرامات ، مراتب و مقامات ، عادات اور عبادات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے - سب سے قدیم سوانح عمری ہونے کے لحاظ سے اور حالات و دیگر امور کو تحقیق کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ سے یہ کتاب نہایت قیمتی اور ضروری سرمایہ ہے - اس کے علاوہ مولف کا موثر بیان اور خلوص ایک ایک صفحے سے عیاں ہے اور پڑھنے والا تصوف کے معاملات اور اہل دل کے کمالات کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا -

۲ - حضرات القدس :- دوسری معاصرانہ سوانح عمری ہے - ابواب کی ترتیب اور انداز بیان عام تذکروں کی طرح ہے جن میں عقیدت و محبت کے قیمتی جواہر قلب و نظر کو دعوت نظارہ دیتے نظر آتے

هیں - یہ ملا محمد بدرالدین ابراهیم سرهندی کی جو جناب مجددرح کے خلیفه تھے تالیف ھے - اس میں حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر جناب مجددرح تک کے خواجگان نقشبندیه کے حالات درج هیں - اس کے دو حصے هیں - کرامات ، اور مکاشفات کا بیان تفصیل سے کیا گیا ھے -

۳ - مقامات احمدیه :- یه کتاب ۱۰۶۸ھ کی تالیف ھے - خواجه محمد امین صاحب مولف حضرت مجددرح کے پرانے مریدوں میں تھے - انھوں نے خواجه محمد معصوم رح کے ارشاد پر جناب مجددرح کے مناقب اور اس کے ساتھ حضرت محمد معصوم رح صاحب کے مناقب و حالات ، مشاهدات ، ملفوظات ، درجات اور بشارات پر مشتمل یه مجموعه مرتب کیا ھے - اس کتاب کے باره ابواب هیں - کرامات پر زیاده زور دیا گیا ھے - عقیدت اور محبت کے جذبات نے کتاب کو موثر کر دیا ھے -

مقامات امام ربانی :- مولانا محمد حسن صاحب نقشبندی کی تالیف ھے - حضرت مجدد الف ثانی رح کے حالات ، کرامات ، مقامات ، مکتوبات سے متعلق اظهار خیال کیا گیا ھے ، جناب کی عادات ، عبادات اور مناقب بیان کئے هیں اور اس کے بعد جناب کے صاحبزادگان کے حالات لکھے هیں - یه کتاب جناب مجددرح کی سابقه سوانح عمریوں کے اکثر حصوں کو اپنے اندر لئے هوئے ھے اور اس کا انداز بھی انھیں سوانح عمریوں کا سا ھے جو حضرات القدس اور زبدة المقامات کے بعد کی هیں اور جن کے مولفین کرام نے ان دونوں کتابوں سے دل کھول کر استفاده کیا ھے اور ایک لحاظ سے انھیں کا جدید ایڈیشن کہی جا سکتی هیں -

حالات مشائخ نقشبند :- خواجہ محمد حسن صاحب نقشبندی کی تالیف ہے - اس میں بھی حضرت مجددرح کے حالات ملتے ہیں -

مشاہیر اسلام :- محمد حسین فوق کی تالیف ہے - اس میں بھی جناب مجددرح کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے -

رود کوثر :- شیخ محمد اکرام صاحب نے اس کتاب میں جناب مجددرح اور خواجہ صاحب باقی باللہرح کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بڑی تنقید و تحقیق سے کام لیا ہے ہم نے اپنی اس کتاب میں رود کوثر کو ایک متوازی تصنیف کی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے - جس کا اندازہ قارئین کرام اس کے مطالعے سے لگا سکتے ہیں -

سوانح حضرت مجددرح :- یہ کتاب احسان اللہ عباس کی تالیف ہے -

جواہر مجددرح :- فقیر احمد حسین خان مجددی کی تالیف ہے - سابقہ سوانح عمریوں سے مدد لے کر اسے مکمل کیا گیا ہے - اس میں کشف و کرامات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور حالات کی چھان بین میں کوشش نہیں کی گئی ہے - کتاب زیادہ تر روضۃ القیومیہ پر مبنی ہے -

روضۃالقیومیہ :- خواجہ کمال الدینرح صاحب کی تالیف ہے اس کے چار رکن یا حصے ہیں - پہلے حصے میں حضرت مجدد الف ثانیرح اور ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں - دوسرے میں خواجہ محمد معصوم رح صاحب کے حالات اور ان کے فرزندوں اور خلفاء کا ذکر خیر موجود ہے - تیسرے میں حضرت خواجہ محمد رح کے ، ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات ہیں - چوتھے حصے میں خواجہ محمد زبیررح کے ، ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات

ھیں ۔ اس کتاب میں مکاشفات ، کراسات اور قیومیت پر بڑا زور دیا گیا ھے ۔ عقیدت کی فراوانی اور مبالغہ آرائی کی بدولت یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ھوسکتی اور ھم نے اس کتاب سے حتی الامکان بہت کم استفادہ کیا ھے ۔ لیکن یہ یاد رھے کہ اسی کتاب پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے انحصار کیا ھے اور ان کے مسلک تصوف کے بارے میں جتنی غلط فہمیاں پیدا ھوگئی ھیں ان سب کی بقا کا انحصار اسی کتاب پر ھے ۔ مولف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا لیکن اس خلوص نے غلو اختیار کر کے تصوف کی خدمت سے کہیں زیادہ اسے نقصان پہنچایا ھے ۔ نقشبندی حضرات کے ھاں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ھے ۔ ھمیں افسوس ھے کہ اس بیان سے انھیں ایک طرح کی ذھنی کوفت ھوگی لیکن ھم اس تنقید پر مجبور ھیں اور یہ تنقید حضرت مجددؒ کی تعلیمات سے محبت کی بنا پر ھے کیونکہ ان کے نزدیک کرامت اور کشف کی وہ حیثیت نہیں ھے جو مولف مذکور نے قائم کر رکھی ھے اور تمام کتاب کرامات ھی کے ذکر تک محدود ھو کے رہ گئی ھے اور تاریخی واقعات کی چھان بین میں مطلق توجہ نہیں دی گئی ھے ۔

(ختم شدہ)

کتب امدادی

کتاب	مصنف
۱- برکات الاحمدیه الباقیه (زبدة المقامات)	خواجه محمد هاشم کشمی رح
۲- تزک جهانگیری	نورالدین محمد جهانگیر بادشاه
۳- جواهر مجددیه	فقیر احمد حسین خان
۴- حضرات القدس	محمد بدرالدین ابراهیم سرهندی
۵- رود کوثر	شیخ محمد اکرام
۶- روضة القیومیه	خواجه کمال الدین
۷- مقامات احمدیه ص	خواجه محمد امین
۸- مقامات امام ربانی رح	مولوی محمد حسن
۹- مبدء و معاد	حضرت مجدد الف ثانی رح
۱۰- مکتوبات دفتر اول، دوم و سوم	,,
۱۱- معارف لدنیه	,,